سیرت وسوانح

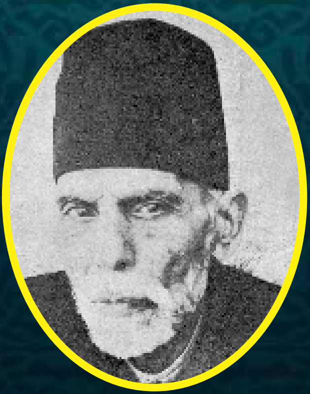

حضرت قاضی ظہور الدین اکمل صاحبؓ

دربار خلافت کا سلطان نصیر

عظیم دانشور وادیب وشاعر، مصنف ومنتظم

مؤلف

رانا عبد الرزاق خان لندن

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No: 117804
MAILSI

ذکراً و موعظۃ للمومنین

نغمۂ اکمل

یعنی

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

مجموعۂ کلام

حضرت قاضی محمد ظہور الدین اکمل

۱۹۰۰ء تا ۱۹۶۵ء

ناشر

مکتبہ یادگار اکمل

دار الصدر شرقی۔ ربوہ

سوانح اکمل

مؤلف

رانا عبدالرزاق خان کاٹھگڑھی۔لندن

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب	:	سوانح اکمل
مصنف	:	رانا عبدالرزاق خان
ناشر	:	قندیل ادب انٹرنیشنل لندن
سن اشاعت	:	2025
ملنے کا پتہ	:	ٹوٹنگ وانڈز ورتھ لندن۔

Qindeel-e-Elim
(Articals on History, Education, Politics & Poetry.)
By: Rana Abdul Razak Khan London
E-mail:ranarazzaq52@gmail.com
(M) 00447886304637

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
	ابتدائیہ۔رانا عبدالرزاق خان	
	پیش لفظ۔صفدر نذیر گولیکی واقف زندگی کینیڈا	
	مقدمہ۔نعیم اللہ باجوہ صاحب	
	پہلا باب۔خاندانی حالات	
	حضرت قاضی صاحب کا شجرہ نسب	3
	حضرت مولوی امام الدین فیض رضی اللہ عنہ	5
	بیعت حضرت مولوی صاحب	15
	تحصیل علوم	27
	درس وتدریس کا سلسلہ	28
	آپ کے شاگرد	33
	غیر از جماعت	33
	جذبۂ تبلیغ	34
	ہجرت	36
	تقویٰ	37

	تلاوت قرآن پاک	39
	روزے واعتکاف	40
	انفاق فی سبیل اللہ	40
	چندے	41
	تربیت اولاد	42
	عشق رسول و مسیح موعود و خلفاء	43
	سادگی ولباس۔انکساری	45
	وفات	45
	آہ مولوی امام الدین صاحبؓ مرحوم	47
	حضرت مسیح موعود کے مکتوب	48
	روایات حضرت مولوی صاحب	49
	فصل دوئم	
	والدہ ماجدہ حضرت اکمل صاحب کا ذکر خیر	52
	فصل سوئم	
	حضرت استانی سکینۃ النساء بیگمؓ۔ابتدائی حالات	57
	کالم نسواں کی تحریک	59
	ہجرت	60
	قادیان وومن کلب کا اجراء	61

	سکول میں خدمات	64
	تعلیم نسواں	65
	نعت	73
	ہسپتال میں زنانہ وارڈ کی تحریک	75
	چندے۔تقاریر	78
	فصل چہارم	
	حالات حضرت مولوی محمد نورالدین صاحب اجمل	79
	آپ کی اولاد	80
	فصل پنجم	
	جماعت احمدیہ گولیکی	80
	حاجی پیر غلام غوث محمد اوران کی والدہ	81
	پیر محمد رمضان صاحب بن پیر نظام الدین صاحب	84
	مکرمی چوہدری مہر داد المعروف حافظ مہرا	84
	مکرم ولی محمد صاحب میاں محمد دین صاحب	85
	مکرمی عبدالستار صاحب ابن شرف دین صاحب	85
	مکرمی نظام دین صاحبؓ چوکیدار	85
	مکرمی سائیں قطب دین صاحبؓ	86
	مکرمی میاں محمدالدین صاحبؓ ابن بہرام خان	86

	مکرمی غلام محمد صاحبؓ جٹ	86
	غلام محمد جٹ گولیکی گجرات	86
	باب دوئم۔ حضرت قاضی اکمل صاحبؓ ابتدائی حالات قبل از ہجرت	87
	پیدائش	87
	ابتدائی حالات	88
	بیعت	91
	بیماری وشفاء	92
	پہلا جملہ، دوسرا حملہ، تیسرا حملہ، چوتھا حملہ، پانچواں جملہ	97
	تعلیم	99
	تصنیف وتالیف	101
	سفر لاہور	102
	سفر سیالکوٹ	104
	باب سوئم	
	جماعتی خدمات ضلع گجرات میں	105
	رمضان میں تراویح	106
	نماز جمعہ	108
	تقریر ووعظ	109

	تعلیم رجال ونساء واطفال	110
	تبلیغ احمدیت	111
	باب چہارم	
	ہجرت۔مہاجرین کے فضائل ومناقب	119
	چھٹاباب پنجم	
	مرکز میں آپ کی مصروفیات	125
	فصل اول،سلسلہ کے اخبارات میں خدمت	125
	بدر	125
	تشحیذ الاذہان	129
	الفضل	133
	ریویوآف ریلیجنز۔اردو	136
	احمدیہ گزٹ۔مصباح	139
	ناظم طبع واشاعت	143
	فصل دوئم۔دیگر مصروفیات	
	صیغہ تربیت	146
	مجلس شوریٰ کے ممبر	149
	ناظر دعوۃ وتبلیغ	150
	مختلف خدمات	157

	فصل سوئم۔حضرت قاضی صاحب اور صحافت	157
	صحافت کیا ہے۔آزادی سے اظہار مافی الضمیر کرنا	157
	چیلنج	165
	صحافی زندگی کی تحریکات	177
	فصل چہارم۔تصنیف وتالیف	
	شاخ اول۔کتب کا اجمالی تعارف۔شاخ دوم۔مضامین	189
	تصنیف وتالیف	189
	کتب کا اجمالی تعارف	190
	ظہور المسیح ،خلق محمدی،استخلاف	190
	خلق محمدی	191
	ظہور المسیح	192
	الواح الہدیٰ	193
	روحانی طبیب ’’دس روحانی کبیرہ گناہوں کا علاج	194
	ہدایات دربارہ معاملات۔دلفگار،فطرت،انقلاب،انجام عیاشی	195
	احمدی جنتری۔تفسیر سورہ یٰسین۔یٰسین	196
	قصیدہ بہشتی۔قرآن کریم کی دعائیں	197
	قرآن دعا کا ترجمہ کانمونہ۔احسن القصص	198
	معیار الصادقین یعنی راستبازوں کی پہچان۔فیض الرحمان	198

	کرامات المہدی۔پنج گنج۔شہادۃ الفرقان	199
	کتاب الصیام۔احمدی طریقہ	200
	سنۃ احمدیہ۔	201
	قصہ سلیمان وبلقیس۔سخن خوب	202
	نماز۔قبولیت دعا کی چھیاسی گر	203
	ادعیۃ الاحادیث۔تحفہ اکمل	204
	ظہور المہدی	204
	قصص القرآن	205
	اردو خط وکتابت۔حکایات اخلاقی۔مضامین	206
	محبت	207
	فصل پنجم۔شعروشاعری	
	شاخیں۔نظمین۔دوئم تاریخ گوئی۔شاعری کے متعلق احباب کی رائے	211
	شاعری	211
	نعت	217
	ترانہ ارادت	226
	سیدنا نورالدین	227
	شان محمود	228
	شاخ دوئم۔تاریخ گوئی	237

	عبدالعزیز آف لنگوال کی تاریخ وفات	239
	مسجد خانقاہ آف گولیکی کی تاریخ	239
	ہجرت کے بعد کے تاریخ گوئی کے اشعار وقطعات	239
	حضرت سیدہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی تاریخ یہ نکالی	240
	حضرت میر اسماعیل صاحبؓ کی تاریخ وفات	240
	حضرت میر اسحاق صاحبؓ کی تاریخ وفات	240
	تاریخ اہلیہ میر محمد اسحاق صاحب	241
	حضرت ام ناصر رضی اللہ عنہا کی تاریخ وفات	241
	تاریخ وفات حضرت اہلیہ حضرت خلیفہ اوّل رضوان اللہ عنہم	241
	حضرت نواب محمد عبداللہ صاحب رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات	242
	حضرت قاضی عبدالرحیم صاحبؓ بھٹی کی تاریخ وفات	242
	حضرت حکیم فضل الرحمان صاحبؓ کی تاریخ وفات	242
	حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کی تاریخ وفات	242
	حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ کی تاریخ وفات	242
	شاخ سوئم۔ آپ کی شاعری کے متعلق آراء	243
	باب ششم	246
	حالات بعد از ریٹائرمنٹ	246
	پنشن خلوت نشینی	246

	ہجرت۔ لاہور میں قیام	247
	ربوہ میں قیام۔ ووفات	248
	آپ کی اولاد	254
	باب ہفتم	
	آپ کے امتیازی اوصاف	258
	آپ کے ایک شاگرد کا آپ کے نام ایک خط (فیروز)	258
	حضرت خلیفہ اول کا قرب	258
	حضرت مصلح موعودؓ کی رفاقت	259
	خلافت ثالثہ کے عہد مبارک میں	265
	قطعات	267
	اخبار نویسی	269
	زودنویسی	270
	نوجوانوں کی ادبی تربیت	272
	شعرائے معاندین کا مقابلہ	278
	قلمی جہاد۔ فاسٹ رائٹر	284
	جذبۂ تبلیغ	286
	باب ہشتم	
	حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عشق	288

	دسواں باب	
	آپ کے اخلاق جلیلہ	299
	خدا سے زندہ تعلق	299
	فدائیت سلسلہ	300
	غیرت ایمانی	302
	ریاکاری سے اجتناب	307
	قناعت	308
	مبارک نام	309
	گیارواں باب دہم	
	بزرگوں کی رحلت اور ہماری ذمہ داریاں	311
	بارھواں باب	
	اذکروا موتاکم بالخیر۔تعزیت نامے حضرت قاضی اکمل صاحبؓ	314
	پرائیوٹ سیکرٹری ربوہ۔الجمیعۃ العلمیۃ ربوہ	314
	اساتذہ کالج ربوہ۔۔مجلس خدام الاحمدیہ۔وکالت تبشیر	315
	مکرمی فضل الٰہی صاحب انوری مبلغ جرمنی	316
	محمد ابراہیم علی عرفانی	316
	میاں عطاء اللہ صاحب ایڈووکیٹ	317
	سید محمد قاسم رضوی صاحب۔ڈائریکٹر جنرل تعلقات عامہ راولپنڈی	318

	مرزا عبدالحفیظ ایڈوکیٹ نوشہرہ کینٹ	318
	ضیاءالدین صاحب قریشی ایڈوکیٹ ہائی کورٹ لاہور	319
	عبدالقادر مہتہ ابن حضرت بھائی عبدالرحمان صاحب قادیانی	319
	شیخ احسان علی صاحب لاہور	320
	مولانا شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی	320
	پیر محمد اکبر سقراط۔ گولیکی	321
	سید سجاد احمد صاحب روزنامہ کوہستان لاہور	321
	مولانا محمد حفیظ بقاپوری ایڈیٹر بدر قادیان	321
	حسین بی بی بنت چوہدری غلام محمد۔ گولیکی	321
	فضل الٰہی صاحب درویش قادیان	322
	سید محمود احمد صاحب شاہ کراچی	322
	خواجہ عبدالمجید صاحب	322
	شیخ محمد ابراہیم علی عرفانی۔ کراچی	322
	فیض قادر ابن حضرت شیخ نور احمد صاحب کراچی	323
	سید اعجاز مبارک کراچی	323
	سید شریف ہیڈ کلرک پولیس گجرات	323
	محمد شفیع اشرف مربی سلسلہ احمدیہ	324
	محمد عبداللہ خان صاحب ہیڈ ماسٹر گوجرانوالہ	324

	لطیف احمد قریشی گورنمنٹ کالج	324
	مکرم داؤد طاہر صاحب بی اے ربوہ	325
	حضرت ظہور الدین اکمل صاحب۔جنید ہاشمی	329
	حضرت قاضی ظہور الدین اکمل صاحبؓ نسیم سیفی	342
	باب۔گیارہ روایات حضرت قاضی اکمل صاحبؓ	
	لیکچر لاہور کے متعلق	343
	لیکچر سیالکوٹ کے متعلق	343
	حضرت مسیح موعودؑ کی قبل از دعویٰ زندگی کے متعلق مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت	344
	حضرت مسیح موعودؑ کا معمول	345
	لالہ ملاوہ مل اور شبھ چنتک کی گواہی حضرت مسیح موعودؑ کی قبل از دعوی پاکیزہ زندگی پر	345
	مرزا نظام الدین صاحب کی دشمنی اور حضور کا حسن سلوک	345
	’’حضرت صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کی بیماری اور وفات پر حضرت مسیح موعودؑ کے تاثرات	346
	شبھ چنتک کے ایڈیٹر کا انجام اور کتاب قادیان کے آریہ اور ہم	347
	مہمان نوازی	352
	ذرہ نوازی	352

	سادگی۔اصلاح وتزکیہ نفس	353
	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آخری سفر اور لاہور کے قیام کے واقعات	355
	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا آخری قول	357
	روایات مسیح موعود	360
	روایات حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ	362
	روایات در بارۂ خلافت ثانیہ (روایات حضرت قاضی اکمل صاحبؓ)	363
	14 مارچ کی یاد	363
	فہرست کتب۔اسماء کتب	366
	فہرست مضامین البدر	368
	الفضل	371
	مضامین تشحیذ	382
	مضامین ریویو آف ریلیجنز	389
	مضامین مصباح	393
	فہرست الحکم	393
	حضرت قاضی ظہور الدین اکمل صاحب کے دیگر اخبارات میں شائع ہونے والے مضامین کی فہرست	395

ابتدائیہ

خاکسار نے جب سے نغمہ اکمل جو کہ مجموعہ کلام ہے۔ حضرت مولانا ظہورالدین اکمل صاحبؓ کا، پڑھا تھا تو ان کی شاعری سے بہت متاثر تھا۔ان کے بارے میں متعدد مضامین بھی روزنامہ الفضل میں پڑھے تو دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کیوں نہ مَیں ان کی زندگی کے حالات قلمبند کروں۔مگر وقت کی کمی کے باعث ممکن نہ ہوسکا۔

لندن آنے کے بعد اس تمنا نے پھر کروٹ لی۔اس سلسلہ میں مواد کی تلاش شروع کی تو ایک مقالہ نظر سے گزرا۔جو کہ احمد حسین صاحب شاہد مربی سلسلہ احمدیہ نے عرصہ دراز قبل تحریر کیا تھا۔جو بہت ہی مفصل اور جامع تھا۔کچھ مضامین بھی روزنامہ الفضل سے اکٹھے کئے۔اور اس طرح یہ کتاب کچھ حد تک پایہ تکمیل تک پہنچی۔

حضرت مولانا ظہورالدین اکمل کی خدمات کی تفصیل اس قدر ہے کہ اس کے لئے تو ایک دفتر درکار ہے۔خاکسار نے حتی المقدور ان کی خدمات اور حالات کو احاطہ تحریر میں لانے کی حقیر سی کوشش کی ہے۔اس بزرگ کا دماغ یقیناً اللہ کا ایک معجزہ تھا۔یہ لوگ وہ قطبی ستارے تھے۔اور امام وقت کے دست و پا تھے۔جنہوں نے شب و روز اپنے آپ کو وقف کئے رکھا اور امام وقت کے ابرو کے اشارے پر ہمہ وقت چلتے رہے۔اور ان کی فتوحات دنیا کے کناروں تک دیکھی جاسکتی ہیں۔امام وقت کی اطاعت نے ان کی کاوشوں کو آسمانوں تک روشنی بخشی۔اور یہ لوگ امر ہو گئے۔

ان شیروں نے اطاعت امام میں یقیناً کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔تعلیم و تربیت اور لکھائی پڑھائی کو اپنا شعار بنا کر اپنا نام عرش بریں پر رقم کر گئے۔یہی لوگ آج ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔جن لوگوں نے کسی قسم کی بیماری اور کسمپرسی کو اپنی راہ میں حائل ہونے نہیں دیا۔خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت راہ۔

اس مقالے کی فراہمی کا سہرا عزیزم احسان احمد ابن ناصر احمد دارالیمن شرقی ربوہ حال لندن کے ذمہ آتا ہے۔اوراس کتاب کی تیاری کے مراحل اور راہنمائی مولانا عطاء المجیب راشد صاحب کا احسان ہے۔اس کی پروف ریڈنگ مولانا صفدر نذیر گولیکی کا معرکہ ہے۔

بعض اوراحباب نے بھی بہت تعاون کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو بھی جزادے۔آمین۔

خاکسار

رانا عبدالرزاق خان

لندن

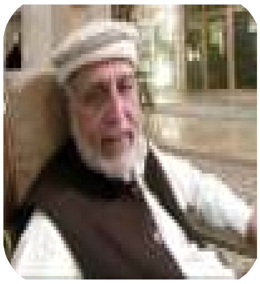

پیش لفظ

صفدر نذیر گولیکی واقف زندگی کینیڈا

میں اللہ کا جتنا بھی شکر کروں اتنا ہی کم ہے کہ مجھ جیسے ناچیز پُر تقصیر حقیر کو اس قابل سمجھا کہ میں حضرت محمد ظہور الدین اکمل ؓ کی ''سوانح اکمل'' کے لئے پیش لفظ لکھوں ''ایں سعادت بزورِ بازو نیست'' میرا بھی گولیکی سے تعلق ہونے کے طفیل مکرم ومحترم برادرم رانا عبدالرزاق صاحب عاصی صحرائی نے مجھے یہ عظیم کام سونپا کہ میں پہلے اس مسودہ کی پروف ریڈنگ کروں اور پھر پیش لفظ لکھوں اس کا بہت فائدہ ہوا کہ سارا مسودہ نہایت توجہ سے پڑھنے کا موقع ملا اور دل سے ہر ایک کے لئے دعا نکلی اللہ تعالیٰ اپنے فضلوں سے سب کو نوازے۔ آمین۔ محترم رانا عبدالرزاق خان کے متعلق عرض کروں کہ انہوں نے اب تک پندرہ سے زائد کتب مرتب اور تصنیف کی ہیں۔ ۲۰۱۳ سے لندن میں قندیل ادب انٹرنیشنل کے نام سے اردو ادب ماہنامہ میگزین نکالتے ہیں۔ ایک رسالہ قندیل حق کے نام سے شائع کرتے ہیں شاعر و ادیب ہیں۔ المنار یو کے کے بھی چھ سال ایڈیٹر رہے ہیں۔ اور پانچ صد سے زائد مشاعروں کا انعقاد کر چکے ہیں۔ تصنیف میں ماہر ہیں اب تک انہوں نے کمال کام کیا ہے۔ بقائے ادب کے نام سے ایک نیا رسالہ بھی لندن سے نکالا ہے۔ یہ کتاب بھی ان کا ایک شاہکار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو مزید خدمت دین کی توفیق دے۔ آمین۔ حضرت محمد ظہور الدین اکمل ؓ جن کے والد حضرت امام دین فیض صاحب والدہ حضرت مریم بیگم ؓ اہلیہ حضرت استانی سکینۃ النساء ؓ اور خسر حضرت پیر محمد رمضان صاحب ؓ سب صحابہ ؓ سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت قاضی ظہور الدین اکمل ؓ کا نام بابرکت تھا۔ آپ 25 مارچ 1881ء گولیکی میں پیدا ہوئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ فرماتے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی بھی بعض پہلوؤں سے نمایاں

خصوصیت رکھتا ہے۔ اول تو تاریخی نام ہے۔ دوسرا اسلام کے ظہور و غالب کی طرف اشارہ کرتا ہے فرمایا۔ کچھ دن ہوئے میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ایک مجلس ہے اور بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں ان میں بڑھتا چلا جاتا ہوں۔ چلتے چلتے میں نے دیکھا کہ آگے قاضی ظہور الدین صاحب اکمل بیٹھے ہوئے ہیں ان کے پاس سے ہو کر گزرا ہوں میں نے اس کی یہ تشریح کی کہ الدین سے مراد اسلام ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔ پس اس لحاظ سے ظہور الدین اکمل کے یہ معنے ہوں گے ''ظہور الدین الاسلام اکمل'' یعنی خدا تعالیٰ نے ارادہ کر لیا ہے کہ وہ اسلام کو دنیا میں کامل طور پر غالب کرے یہ بہت بڑی خوشخبری ہے۔ (الفضل 29 اپریل 1958ء)

ہاں یہی ظہور الدین نے باوجود ساری عمر بیمار اور لاغر رہنے کے وہ کام کر کے دیکھا دیا جو ایک صحت مند واقفِ زندگی بھی نہیں کر پاتا آفرین ہے اسی دبلے پتلے، نحیف، لاغر بیماریوں میں گھرے ہوئے اکمل پر جس نے ان تمام کمزوریوں اور بیماریوں کو نہایت ہمت و جوانمردی سے برداشت کیا اور 27 ستمبر 1966ء کو وفات پائی 65 سال تک جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اس کی جھلک آپ کو سوانح اکمل میں ملے گی اور یقیناً ایسے بزرگ کے لئے جو سلطانِ نصیر تھا۔ اور جس نے اپنے علاقہ کے اردگرد گاؤں کے لوگوں کے اختلافات میں فیصلہ جات کرنے کی وجہ سے ''قاضی'' کا لقب پایا تھا۔ جو احمدی گجراتی قلمی نام سے الحکم، بدر، تشحیذ، الفرقان، سن رائیز، مصباح، ریویو آف ریلیجنز میں 397 سے زائد علمی و تربیتی مضامین لکھے ان رسالہ جات و اخبارات کے ایڈیٹر رہے غیر احمدیوں کے اخبارات جن کی 41 تعداد ہے میں بیسیوں مضامین لکھے اور 58 سے زائد کتب تحریر کر کے اپنی علمیت کا سکہ منوایا اور حضرت مسیح موعودؑ کے قدموں سے چمٹے رہنے اور خلفاء سلسلہ کے خادمین میں جگہ پانے کا شرف حاصل کیا۔ اس شخص کے متعلق یہ مقالہ ہے، جو خود لکھتا ہے۔ کوئی صبح نہیں ہوتی جب میں ایک نیا عارضہ لے کر نہیں اٹھتا اور کوئی شام نہیں آتی جب کہ میں کسی نہ کسی مرض سے تکلیف

نہیں پارہاہوتا۔

رہا کرتا ہے عارض عارضہ بس اک نہ اک مجھ کو	کسی دن یہ بھی سن لوگے کہ اکمل نے قضا کی ہے
مرمر کے جو جیتا ہوں تو جی جی کے ہوں مرتا	اللہ کی قدرت کا تماشا ہوں میں کرتا

آپ کس قدر گہری اور عمدہ تحریر لکھتے تھے کہ لوگ تحریر پڑھ کر آپ کو ساٹھ سال کا بوڑھا سمجھتے تھے۔ لکھتے ہیں۔اور جب میں نے جدامجد کے شاگرد مولوی کلیم اللہ صاحب پچھیانہ کی کتاب ''حبل المتین'' جو نماز جمعہ کے عدم جواز میں تھی مولویانہ زبان میں جواب چھپوایا تو مجھے ساٹھ سال کا بوڑھا عالم سمجھنے لگے۔(الحکم 28 مئی 1923ء صفحہ 6) یہ معاملہ تو میرے ساتھ بھی ہوا 1991ء کی بات ہے میں لندن جلسہ پر حاضر تھا۔مکرم عبداللطیف ستکوہی صاحب مرحوم میرے پاس کھڑے تھے ایک دوست آئے اوران سے مکرم ستکوہی صاحب نے میرا تعارف کروایا کہ یہ ہیں مولانا صفدرنذیر گولیکی صاحب۔تو وہ دوست کہنے لگے میں نہیں ماتا۔ستکوہی صاحب نے کافی بار کہا یہی ہیں گولیکی صاحب کہنے لگے نہ یہ نہیں ہو سکتے۔جب پوچھا کیسے کہنے لگے جو مضامین اخبار الفضل میں میں نے گولیکی صاحب کے پڑھے ہیں وہ تو 60،70 سال کا بوڑھا آدمی ہے یہ تو جوان ہیں۔تو معلوم ہوا تحریر سے بھی لوگ عمر کا اندازہ لگاتے ہیں۔بات ہورہی تھی اکملؓ کی،آپ بمشکل گولیکی سے ہجرت کر کے فَفِرُّوا اِلَی اللہ پر عمل کرتے ہوئے قادیان دارالامان میں آبرانجماں ہوتے ہیں۔فرماتے ہیں۔

جی چاہتا ہے ہم بھی چلیں اے اکمل	یہ کون یہ گولیکی کی گلیاں چھوڑے

پھر فرماتے ہیں:۔

کیوں گولیکی میں رہنا کیا بے وفا تھا کوئی	ہم قادیان کے اکمل اور قادیان ہمارا

آپؓ کیا تھے۔حضرت مفتی محمد صادقؓ فرماتے ہیں۔''وہ ایک لائق ایڈیٹر،ہوشیار مینجر،زود نویس،فہیم منشی،محرر،تصنیف وتالیف کے قابل فخر عالم فاضل،ادیب،شاعر،محنتی،محتاط اسسٹنٹ، فاسٹ رائیٹر اور غیر مبائعین کے لئے ننگی تلوار۔حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات وکشوف جو بدر میں

شائع ہوئے غلطی سے مبراء ہیں یہ پُروف حضور کو دیکھا کر شائع کرتے۔ جماعتی اموال کی حفاظت اس قدر اور اس قدر محتاط۔

ایک مرتبہ کسی نے پین کا مطالبہ کیا گیا تو لکھ دیا۔''میں نے اپنا خریدا ہے اس کو کہو کہ اپنا خرید لو'' حضرت اکملؓ مجاہد دین تھے قلم سے خوب جہاد کرتے۔

جہاد اب زبان، قلم سے ہی ہو گا	کہ ہوئے بند غزوات سیفی سنانی

عظیم ادیب تھے، قلم برداشتہ لکھتے تھے۔ خواہش پر لکھا کمال کر دیا اور محبت پر لکھا تو دنیا عش عش کر اٹھی۔

شعر مے گوئیم اما شاعری مقصود نیست	یاراں سب غیر از طاعت معبود نیست

پہلا شعر چھٹی جماعت میں تھے تو لکھا: 1892ء میں وہ ذات الٰہی کی حمد و ستائش

کروں پہلے حمد الٰہی بیان	بنائے ہیں جس نے زمین و آسمان

1904ء کے بعد آپ کا موضوع سخن احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی تبلیغ اور ذکر مسیح موعودؑ بن گیا۔ آپ عربی، فارسی، اردو، کشمیری، ہندی، گورمکھی میں شعر کہتے ...... آپؓ نے حضرت مسیح موعودؑ کے سامنے اپنی پہلی نظم پڑھی۔

آتش فرقت محبوب نے جب گرمایا	جذبہ شوق زیارت مجھے پھر لے آیا
کیا کہوں ہجر کی گھڑیاں ہیں گزاریں کیونکر	اکمل شیدا کو تیری یاد نے کیا تڑپایا

فرماتے ہیں۔ آپؑ کی مسکراہٹ نے میرے خرمن صبر و قرار پر اور بھی بجلیاں گرائیں اور میں یہیں کا ہو رہا۔

کیوں گولیکی میں رہتا کیا بے وفا تھا کوئی	ہم قادیان کے اکمل اور قادیان ہمارا

جب حضرت مسیح موعودؑ کی بیماری کا سنا۔ تو یہ عاشق مہدی کی روح تڑپ...... اٹھی۔

صفحہ ارض پہ زریں ہے نشان لاہور	بڑھ گئی چرخ چہارم سے بھی نشان لاہور

مردہ قوم کو جلانے کو مسیح آیا	مژدہ صد مژدہ تمہیں زندہ دلانِ لاہور

جب مسیح پاکؑ کو یہ شعر مکرم اکملؓ کے سنائے تو فرمایا۔''انہیں جلدی بلوالو'' وفات حضرت مسیح پاکؑ پر ایک مرثیہ لکھا۔ اور نامکمل ہی چھوڑ دیا اور صدمہ فرقت سے اٹھی ہوئی قلم گر جاتی۔

وہ چہرہ منور کچھ اور دیکھ لیتے	وہ دلستاں و دلبر کچھ اور دیکھ لیتے

آخری شعر

جس نے پلائے اکمل بھر بھر کے جام وحدت	وہ معرفت کا کوثر کچھ اور دیکھ لیتے

تاریخ گوئی میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اکملا تاریخ گوئی میں تو ہیں استاد ہم آپ بے مثال شاعر تھے۔''نغمہ اکمل'' منہ بولتی تصویر ہے۔

خمخانہ جاوید صفحہ 394 پر لکھا ہے۔

لو دل کی لگی رہتی ہے کیوں شمع و خون سے	ان سے تو سوا داغ کے حاصل نہیں ہوتا
ہوا میں خاک پھر بھی آئینہ رو کو کدورت ہے	ستارہ خاک ساری کا میری اب بھی نہیں چمکا
گاہ بجلی مشعلہ زن ہے گاہ ہوا برباد کن	تختہ مشق ستم ہے آشیانِ عندلیب

ہجرت کے بعد''مولانا بدری'' کے نام سے لکھنا شروع کیا۔

17 ستمبر 1956ء میں لاہور سے ربوہ آ گئے۔ حضور نے آپ کو اور جنید ہاشمی صاحب......کو الگ الگ مکان دیا مجھے سعادت ہے کہ اس مکان میں میں نے بھی کچھ عرصہ قیام کیا۔ یہ صدر انجمن میں 93 نمبر مکان تھا۔ نغمہ اکمل کتاب کا وہیں تعارف ہوا میں اس وقت جامعہ میں پڑھتا تھا۔ آپ نے اپنی وفات سے پہلے کتبہ مزار لکھ کر رکھ دیا۔

مہاجر الی اللہ مسلمان اکمل	مسیح محمد پہ قربان اکمل
برس گزرے چالیس تو قادیان میں	تو ربوہ جانان کی دی جاں اکمل

ہے گولیکی مولد تو مدفن ہے ربوہ	دعا ہو کہ پا جائے غفران اکمل

27 ستمبر 1966ء کو وفات پائی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے جنازہ پڑھایا۔ الفضل نے لکھا۔ حضرت قاضی محمد ظہور الدین اکملؓ وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ربوہ 27 ستمبر نہایت افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ سلسلہ کے نامور صحافی و شاعر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دیرینہ قلمی رفیق کار و معاون حضرت قاضی محمد ظہور الدین اکملؓ آج مؤرخہ 27 ستمبر 1966ء بروز شنبہ صبح ساڑھے چھ بجے اچانک وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیمی صحابی حضرت مولوی امام الدین صاحب فیض آف گولیکی کے صاحبزادے تھے۔ آپ کو خود بھی حضور علیہ السلام کے صحابہ میں شمولیت کا شرف حاصل تھا۔ آپ 1897ء میں بعمر 16 سال حضور علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا تھا۔

(الفضل 28 ستمبر 1966ء صفحہ 1)

کم ہوا کرتے ہیں اس دنیا میں وہ مردانِ کار	زندگی اور موت دونوں کو ہو حق سے افتخار

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے یہ تعریفی کلمات آپ کے لئے فرمائے تھے۔

''قاضی اکمل صاحب بھی نہایت مخلص لوگوں میں سے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کام کے لحاظ سے بہتوں سے زیادہ قابلیت رکھتے ہیں اور باوجود بیمار رہنے کے زیادہ کام کر سکتے ہیں اور جلدی کر سکتے ہیں اس لحاظ سے سلسلہ کی بہت سی خدمات کا انہیں موقعہ مل جاتا ہے جو اوروں کو حاصل نہیں ہوتا اور یہ قابلِ قدر بات ہے۔'' (الفضل 22 جولائی 1923ء صفحہ 5)

اکمل تجھے ہے دولت جاوید کی طلب	کر اختیار دیں کی خدمت کی زندگی

آپ کی زندگی کو قلم بند کرنے کے لئے سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے خدا سے زیادہ تعلق مقبول دعائیں کرنے والے، سلسلہ کے شیدائی اور فدائی تھے۔ دست درکار و دل بایار کے مصداق تھے۔

فیروز نے کیا خوب کہا۔

تختہ چوبی پر بیٹھا عمر بھر	جو جہاد بالقلم کرتا رہا
لا محالہ ہے شہید قوم و دیں	صدقہ جس نے زندگی کا دیا

ایک شاگرد نے لکھا۔

سنتِ نبوی کا عالم باعمل	زہد و تقویٰ روح جس کی غذا
صابر و شاکر تھا خودار و غیور	چشمہ لطف و محبت بے ریا

مکرم ومحترم مولانا احمد حسین صاحب شاہد مربی سلسلہ مرحوم کے لئے بھی دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے جنہوں نے اس مقالہ کو بڑی محنت اور مشقت سے تحریر کیا اور اس خادم دین صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت کا موقعہ بھی پیا اور ایک ایسا خزانہ جمع کر گئے کہ آنے والی نسلیں ان کے لئے دعا گو رہیں گی۔ اللھم اغفر لحینا ومیتنا

مجھے یہ پیش لفظ لکھ کر اور سوانح اکمل پڑھ کر اپنی زندگی پر افسوس آ رہا ہے کہ میں نے کیا کیا۔ باوجود صحت تندرستی اور عقل و دانش کے علم و معرفت کے ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہ کر پایا۔ اللہ معاف فرمائے، انجام بخیر فرمائے اور رہتی زندگی فعال عطا فرمائے۔

صفدر نذیر جاوید گولیکی

واقفِ زندگی کینیڈا

24-7-2025

مقدمہ: سوانح اکملؒ

نعیم اللہ باجوہ

کبھی کبھی زمانے کے پردے پر ایسے اسماء جلوہ گر ہوتے ہیں جن سے وقت کے چہرے کو تازگی ملتی ہے۔ ایسے نفوس قدسیہ، جو اپنی ذات میں چراغِ راہ اور اپنے کردار میں آئینۂ صدق وصفا ہوں، ازل سے مقدر ہوتے ہیں کہ ان کی زندگیوں کے نقوش زمانے کی لوح پر ثبت رہیں۔ محترم قاضی ظہور الدین اکملؒ انہی منور ارواح میں سے ایک ہیں جن کی حیات، فکر، اور خدمت ایک ایسے عہد کی نمائندگی کرتی ہے جہاں قلم عبادت بن جاتا ہے اور علم عرفان کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ خاکسار یہ سطور لکھتے ہوئے بار بار ٹھٹھک جاتا ہے۔ مجھ جیسے کم فہم اور ناچیز شخص میں یہ جرات کہاں، یہ سکت کہاں کہ حضرت قاضی ظہور الدین اکملؒ جیسی آفتاب صفت ہستی کی حیات وسوانح پر چند لفظ رقم کر سکوں یہ تو وہ ذات ہے جس کے کردار کی وسعتیں لفظوں کے دائرے میں نہیں آتیں، اور میں وہ جس کے دامن میں فقط احساسِ ناتوانی ہے۔

خاکسار کے لیے یہ سعادت اور ساتھ ہی آزمائش کا لمحہ ہے کہ محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب جیسے صاحبِ نظر اور صاحبِ عرفان نے جانے کیوں اس عاجز کے بارے میں یہ حسنِ ظن فرما لیا کہ میں اس عہد آفریں شخصیت کی سوانح کا مقدمہ لکھنے کا اہل ہوں۔ ان کے اصرار میں محبت کی حرارت بھی تھی اور اعتماد کی روشنی بھی، سو میں نے اس بارِ امانت کو قبول کیا کہ اہلِ دل کی نگاہ میں یہ ایک قلمی ذمہ داری نہیں بلکہ روحانی نسبت ہوتی ہے۔

محترم رانا عبدالرزاق خان ایک غیر معمولی ادبی وفکری شخصیت ہیں جنہوں نے علم وادب کے افلاک کو روشن ستاروں سے منور کیا، اردو ادب کی محافل میں معیار و وقار کو بلند کیا اور اپنی بصیرت، نظم وترتیب، اور فکری گہرائی سے اردو زبان کے خزانے میں انمول اضافہ کیا۔ ان کی علمی وادبی خدمات

کی وسعت اور فکری گہرائی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے سترہ سے زائد کتب تصنیف و ترتیب دی ہیں ، لندن سے جاری ہونے والے ماہنامہ ''قندیلِ ادب انٹرنیشنل'' اور رسالہ ''قندیلِ حق انٹرنیشنل'' کے ذریعے اردو ادب میں نئی جہتیں پیدا کیں، پانچ سو سے زائد مشاعروں کا انعقاد کیا اور متعدد علمی، تربیتی و تحقیقی مضامین کے ذریعے معاشرتی و دینی فکر کو منور کیا۔ ان کے قلم کی طاقت، ان کی فکری وسعت اور ان کا بصیرت بھرا ذوق ہر قاری کو متاثر کرتا ہے۔ جہاں تک محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب تصنیف ''سوانح اکملؒ'' کا تعلق ہے، مصنف نے حضرت قاضی ظہورالدین اکملؒ کی حیات و خدمات کو جس فنی شعور، فکری بصیرت اور روحانی وقار کے ساتھ پیش کیا ہے، وہ محض سوانح نگاری نہیں، بلکہ ایک زندہ اور سانس لیتی روحانی تجربے کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ ان کی تحریر میں وہ لطافت ہے جو دلوں کی تہہ میں اُترتی ہے، اور وہ حرارت ہے جو قاری کو حضرت قاضی ظہورالدین اکملؒ کی حیات کے ایک ایک موڑ پر خود شاملِ سفر بنا دیتی ہے۔ ہر صفحہ، ہر جملہ، ایک آئینہ ہے جس میں حضرت قاضی ظہورالدین اکملؒ کی روحِ تسلیم، صبر، وفا اور عشقِ الٰہی جھلملاتے نظر آتے ہیں۔ گویا یہ سوانح نہیں، بلکہ ایک دلنشین مکالمہ ہے، بینِ روح و قلم، جہاں ماضی کی ساعتیں حال کی دھڑکن میں ضم ہو جاتی ہیں۔

مصنف نے اپنے اسلوب میں ایسی روحانی موسیقیت پیدا کی ہے کہ قاری محض الفاظ نہیں پڑھتا، بلکہ اُنہیں محسوس کرتا ہے۔ کہیں وہ حضرت قاضی ظہورالدین اکملؒ کے زہد و تقویٰ کے دریاؤں میں بہہ جاتا ہے، کہیں اُن کے قلم کی صلابت اور فکر کی کاٹ پر حیران رہ جاتا ہے۔ تحریر کی روانی میں وہ وقار ہے جو کسی درویش کی چال سے ملتا ہے، اور بیان میں وہ گہرائی جو سالکِ راہِ حق کے باطن سے پھوٹتی ہے۔ حضرت قاضی ظہورالدین اکملؒ کی زندگی مصنف کے قلم سے ایک روحانی منظر نامہ بن کر اُبھرتی ہے۔ قاری محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی شخصیت کی سوانح نہیں پڑھ رہا، بلکہ ایک درویشِ قلندر کے باطن میں جھانک رہا ہے، جس نے درد کو عبادت، اور خدمت کو بندگی کا روپ

دے دیا۔ مصنف نے اس بات کو نہایت لطیف پیرایے میں اُجاگر کیا ہے کہ حضرت ظہورالدین اکملؒ کی زندگی محض ایک عہد کی کہانی نہیں بلکہ ایک پیغام ہے کہ علم جب عشق کے ساتھ مل جائے تو وہ حرف نہیں رہتا، نور بن جاتا ہے۔ یہی نور اس کتاب کے ہر ورق سے پھوٹتا ہے۔ مصنف کے الفاظ گویا شبنم کے قطروں کی طرح ہیں شفاف، نازک، مگر اپنی تاثیر میں گہرے اور دیرپا۔ اُنہوں نے حضرت قاضی ظہورالدین اکملؒ کی شخصیت کو زمان و مکان کے دائرے سے نکال کر ابدیت کی وسعتوں میں رکھ دیا ہے، جہاں قاری کا دل ایک لمحے کے لیے بھی غیر حاضر نہیں رہتا۔

پڑھتے پڑھتے محسوس ہوتا ہے کہ قاری خود حضرت قاضی ظہیرالدین اکملؒ کے ساتھ قادیان کی گلیوں میں چل رہا ہے، اُن کی خاموش دعاؤں کی بازگشت سن رہا ہے، اُن کے قلم سے پھوٹتی صداقت کو اپنی روح میں جذب کر رہا ہے۔ مصنف نے اپنی بیان آفرینی سے ایک ایسا ادبی و روحانی فضانامہ ترتیب دیا ہے جس میں ہر سطر ایک تسبیح کا دانہ ہے، ہر لفظ ایک سجدہ شوق۔

یوں یہ کتاب محض مطالعہ نہیں، بلکہ ایک روحانی مشاہدہ بن جاتی ہے قاری لمحہ لمحہ حضرت قاضی ظہورالدین اکملؒ کی زندگی کے انوار میں نہاتا جاتا ہے کبھی اُن کی عاجزی میں فنا کا ذائقہ پاتا ہے، کبھی اُن کی خدمتِ دین میں جلالِ عرفان کی جھلک۔ اور جب کتاب اختتام کو پہنچتی ہے، تو قاری محسوس کرتا ہے کہ وہ خود بھی اس سوانح کا ایک حصہ بن چکا ہے کہ حضرت قاضی ظہورالدین اکملؒ کی روشنی اب اُس کے اندر بھی جاگ اُٹھی ہے۔ مصنف نے اپنے قلم سے حضرت قاضی ظہورالدین اکملؒ کی ذات کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ صرف تحریر نہیں بلکہ روح کی مجسم تصویر ہے۔ اس کی گہرائی میں ایک صوفی کی خاموش تسبیح سنائی دیتی ہے، ایک عارف کا وجد جھلکتا ہے، اور ایک عاشقِ حق کی آہنگِ وفا محسوس ہوتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ادب، سوانح اور عرفان ایک دوسرے میں گھل مل کر حیاتِ جاوداں کی خوشبو بن جاتے ہیں وہ خوشبو جو حضرت قاضی ظہورالدین اکملؒ کے نام سے اُٹھتی ہے اور مصنف کے قلم سے ابد تک پھیلتی چلی جاتی ہے۔

حضرت قاضی ظہور الدین اکملؒ کی زندگی ایک ایسا بحرِ عمیق ہے جس کے کنارے تلاشنا ممکن نہیں۔ وہ علم کے امین، عشق کے راہی، اور خدمتِ خلق کے سفیر تھے۔ ان کا قلم دین و دانش کے سنگم پر بہتا ہوا وہ چشمہ تھا جو دلوں کو سیراب کرتا رہا۔ وہ محض ایک مصلح نہیں بلکہ ایک مکتبِ فکر کے معمار تھے جن کے فیض سے کئی نسلیں روشنی حاصل کر رہی ہیں۔ ان کی تحریروں میں توازن، استدلال اور روحانیت کی ایسی آمیزش ہے جس سے ظاہر بھی منور ہوتا ہے اور باطن بھی۔ ان کی ذات کا ایک پہلو جماعتی خدمت میں نمایاں ہے جہاں انہوں نے امانت و دیانت، تنظیم و تدبیر، اور ایمان و یقین کے ساتھ اپنی خدمات انجام دیں۔ دوسرا پہلوان کی قلمی ریاضت کا ہے، جہاں وہ حرف کو نذرِ عشق کرتے ہیں۔ اور تیسرا پہلوان کا عارفانہ و روحانی مزاج ہے جو صبر، اخلاص، محبت، اور عرفانِ ذات کے سنگم سے جنم لیتا ہے۔ ن کے افکار میں شیخ اکبر ابن عربیؒ کی وسعتِ نظر، رومیؒ کی گرمیِ عشق، غزالیؒ کی بصیرت کی جھلک تو ملتی ہی ہے۔ مگر جوں جوں حضرت قاضی ظہور الدین اکملؒ نے عرفان کی منازل طے کیں، اُن کے قلب و نظر پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کا نور گہرے تر نقوش چھوڑتا گیا۔ اُن کے باطن میں جو روشنی تھی، وہ اسی منبعِ ہدایت سے پھوٹی، اور رفتہ رفتہ اُن کی پوری شخصیت اُس نور کی عملی تفسیر بن گئی۔

حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیمات نے اُن کی فکر کو وسعت، قلم کو جلا، اور روح کو ایک نئی پروازِ یقیں عطا کی۔ یہی عشق و نسبت اُن کے ادب کو روحانی انبساط میں بدل دیتی ہے اور اُن کے کردار کو صدق وصفا کا جیتا جاگتا نمونہ بنا دیتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اُن کی تحریریں صرف لفظوں کا مجموعہ نہیں بلکہ تجدیدِ ایمان کا بیان ہے، اور اُن کی زندگی اس دعوے کی زندہ تفسیر کہ محبتِ مسیح موعودؑ بندے کو خالق کے قریب کر دیتی ہے۔ مصنف محترم، رانا عبدالرزاق خاں صاحب نے اس کتاب میں وہ کمالِ ہنرمندی دکھائی ہے جو کسی فنکار کے لیے بھی نایاب صفت ہے۔ انہوں نے سوانح کو محض تاریخی خاکہ نہیں رہنے دیا، بلکہ اسے روحانی مکالمے میں بدل دیا ہے۔ ان کے قلم نے حضرت قاضی

ظہور الدین اکملؒ کی حیات کے واقعات کو اس مہارت سے کشید کیا ہے کہ قاری لمحہ بہ لمحہ اُن کی رفاقت میں سانس لیتا محسوس کرتا ہے۔ کہیں لفظوں کی نرمی سے دل کو چھوتے ہیں، کہیں استدلال کی شدت سے فکر کو جھنجھوڑتے ہیں، اور کہیں خاموشی میں وہ صدا سنائی دیتی ہے جو صرف اہلِ دل سن سکتے ہیں۔ یہ سوانح دراصل ایک فکری اور روحانی تسلسل کا بیان ہے، ایک ایسی داستان جس میں علم، عشق، اور خدمت ایک ہی دھارے میں بہتے ہیں۔ یہ کتاب صرف ایک فرد کی زندگی کا بیان نہیں، بلکہ ایک عہد کی فکری اور اخلاقی تاریخ ہے۔ محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب نے اس روایت کو جس انداز میں محفوظ کیا ہے، وہ ان کے علمی شعور، فکری ضبط، اور روحانی نسبت کی گواہی دیتا ہے۔ حضرت قاضی ظہور الدین اکملؒ کا ذکر کرنا گویا خود کو آئینہ دکھانے کے مترادف ہے۔ ان کی سوانح قاری کو صرف ان کی زندگی کے حالات نہیں دیتی بلکہ زندگی کی معنویت سکھاتی ہے۔ ان کی ذات کے آئینے میں ہم اپنے معاشرے، اپنی اقدار، اور اپنے باطن کی تصویر دیکھ سکتے ہیں۔ یہی تو اہلِ دل کی شان ہے کہ وہ خود مٹ کر دوسروں کو زندہ کر دیتے ہیں۔ آخر میں، یہ عاجز اس حقیقت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر اس مقدمے میں کوئی معنی، کوئی ربط، کوئی نور دکھائی دے، تو وہ محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب کے حسنِ ظن، حضرت قاضی ظہور الدین اکملؒ کے فیضِ روحانی، اور اہلِ قلم کی دعاؤں کا ثمر ہے۔ ورنہ میری حیثیت اس قافلے میں فقط ایک گردِ راہ سے زیادہ نہیں۔

خاکسار

نعیم اللہ باجوہ

میلبورن، آسٹریلیا

۲۹۔ اکتوبر ۲۰۲۵

پہلا باب

خاندانی حالات:

اس باب میں پانچ فصلیں ہیں۔

فصل اول: حضرت مولانا امام الدین فیض صاحبؓ

فصل دوم: حضرت مریم بیگم صاحبہؓ

فصل سوم: حضرت استانی سکینۃ النساء بیگم صاحبہؓ

فصل چہارم: حضرت مولوی محمد نور الدین صاحب اجمل گولیکی مدظلہ تعالیٰ

فصل پنجم: جماعت احمدیہ گولیکی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (سورۃ الصّف) اور وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ....(سورہ جمعہ) فرما کر اہل اسلام کے حوصلے بلند کئے ہیں کہ خدا جب مسلمان کمزور ہوں گے تو مسیحا کو مبعوث کرے گا اور اسلام دوبارہ کھوئی ہوئی شان وشوکت کو حاصل کرے گا اور یہی اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہوگی۔

اس زمانہ میں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کیا تو سعید ارواح آپ کے گرد اکٹھی ہوگئیں اور جلد ہی آپ کے فیض سے فیضان پا کر ما انا الیہ و اصحابی کا اسوہ پیش کر دیا۔ ان بزرگ ہستیوں میں ضلع گجرات کی ایک دور افتادہ بستی گولیکی کا ایک گھرانہ بھی شامل ہوا۔ جن کے جدّ اعلیٰ تو بغداد کے مشہور بزرگ تھے۔ اب گولیکی میں اپنے علم وعرفان سے لوگوں کی تشنگی بجھا رہے تھے۔

ہوا یوں کہ حضرت مولانا امام الدین صاحب شوق تصوف کی تکمیل کے لئے قادیان تک پہنچے اور یہ شوق آپ کی خوش قسمتی کا موجب بن گیا اور آپ ان ہستیوں میں شامل ہوئے جن کا وعدہ

خدائے تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو الہاماً دیا۔ ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء اس الہام کے تحت وہ لوگ بھی آئے جو اپنے تقویٰ وطہارت کی وجہ سے علاقہ میں خود ولی مانے جاتے اور خدا سے ان کا زندہ تعلق تھا اور خدا نے ان کو اپنے مسیح کے قدموں میں لا ڈالا۔ اس خاندان کے ایک گوھر نایاب حضرت قاضی اکمل صاحب کے سوانح مرتب کرنا مقصود ہے۔ آپ نجیب الطرفین تھے۔

حضرت قاضی اکمل صاحب ننھیال کی طرف سے گولیکی کی پیر فیملی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ خاندان بھی مہاجر ہے اور پشندور سے یہاں آیا ہے۔ شاہجہاں کا لڑکا دار اشکوہ جب پوٹھوار کے علاقہ میں آیا تو حضرت دیوان حاجی عبداللہ شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیوان شاہ صاحب بلاد عربیہ میں ایک عرصہ گذارنے کے بعد واپس وطن ہندوستان آئے اور پنشدور ضلع جہلم میں قیام کیا اور تبلیغ اسلام میں ایام گذارنے لگے۔ آپ حضرت پیراں پیر کے خلیفہ کہلائے۔ اس وجہ سے آپ کا حلقۂ عقیدت وسیع تھا۔

دار الشکوہ حاضر ہوا اور واپسی پر دہلی ساتھ چلنے کو کہا تو انکار کیا۔ اس پر اس نے کسی لخت جگر کو ساتھ بھیجنے کی درخواست کی تو آپ نے شاہ عبدالعزیز صاحب کو جو آپ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ساتھ بھیج دیا۔ آپ ایک عرصہ تک دہلی میں قیام پذیر رہے۔ پھر واپس ہوئے۔ واپسی پر آپ پتن خانکی سے دریا کو عبور کر کے بوقت عصر گولیکی پہنچے۔ لب دریا محمد عبدالرحمان عرف سائیں چپّو شاہ کا مکان تھا۔ جو ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ان کے ہاں قیام کیا۔ وہ آپ کی شخصیت سے متاثر ہوئے اور کچھ رقبہ پیش کر کے مستقل سکونت کی گزارش کی۔ آپ نے رضامندی کا اظہار کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ نے زمین سائیں صاحب کے سپرد کی اور خود اپنے والد دیوان شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ہجرت کی اور گولیکی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ ایک عرصہ کے بعد جب آپ کے بڑے بھائی شاہ رحمت اللہ صاحب گولیکی آئے تو آپ کے حلقۂ اثر کو دیکھ کر مسرور ہوئے۔ گجرات کا علاقہ آپ کے حلقۂ عقیدت میں آ چکا تھا۔ آپ کی وفات 1150ھ

میں ہوئی۔ اور آپ گولیکی میں ہی مدفون ہوئے۔ حضرت دیوان حاجی شاہ صاحب کا شجرہ نسب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادہ حضرت عباس سے ملتا ہے۔ اس طرح آپ علوی خاندان سے متعلق ہو کر سید کہلاتے ہیں۔

حضرت قاضی صاحب کا شجرہ نسب یہ ہوا

مریم بیگم بنت پیر نظام الدین ابن فقیر بخش صاحب ابن پیر نور محمد ابن پیر خیر دین ابن پیر محمد صدیق ابن پیر جلال شاہ ابن شاہ عبد العزیز صاحب۔ (شجرۂ نسب خاندان ہاشمیہ گولیکی مطبوعہ 1932ء) اس علاقہ میں اس خاندان نے شمع علم کو روشن رکھا۔ جب ذرا ماند پڑی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا بدرالدین صاحب کو بھیج دیا۔ آپ ایک علمی خاندان کے عالم و فاضل فرد تھے۔ آپ کے جد اعلیٰ حضرت دیوان حاجی عبد اللہ بغدادی تھے اور آپ کے والد محترم الحاج اکرام الدین صاحب مدینہ منورہ میں جنۃ البقیع میں مدفون ہیں۔ آپ ایک عرصہ دیار عرب میں تحصیل علم میں مشغول رہے۔ اس کے بعد ہندوستان کو لوٹے۔ یہاں دہلی میں مشائخ سے علم حاصل کرنے میں کوشاں رہے۔ دہلی میں مفتی صدر الصدور اور جالندھر بھارت میں ایک عالم فاضل محمد فاضل سے تحصیل علوم نقلیہ وعقلیہ فقہ و منطق کر کے واپس ہوئے۔ اس عرصہ میں آپ حضرت خلیفہ اول ؓ کے ہم سبق بھی رہے۔ حضرت استانی صاحبہ کی روایت ہے کہ حضرت خلیفہ اول نے فرمایا کہ میں آپ کے عالم فاضل خاندان سے واقف ہوں اور مولوی بدرالدین صاحب کو بھی جانتا ہوں بلکہ ایک قسم کے ہم سبق بھی رہے ہیں۔ (الفضل 23 مئی 1956ء صفحہ نمبر 6)

ہیڈ خانکی سے دریا عبور کیا اور گولیکی میں شب باش ہوئے لوگ آپ کی علمی شخصیت سے متاثر ہوئے اور مستقل قیام کی دعوت دی۔ آپ نے ان کی درخواست کو منظور کیا اور یہیں سکونت اختیار کر کے درسگاہ کی بنیاد ڈالی جو بہت جلد شہرت حاصل کر گیا اور علاقہ کے لوگ کثرت سے علم حاصل کرنے آتے۔ درسگاہ ترقی کرتی چلی گئی۔ آپ کے اخراجات کے لئے گاؤں والوں نے دس بیگھہ زمین

بارانی اور تین بیگھہ چاہی زمین دریا کے کنارے آپ کے نام کر دی۔حضرت مولانا کی علمی وجاہت سے متاثر ہو کر پیر بخش صاحب نے اپنی بیٹی آپ کے نکاح میں دے دی۔اس طرح آپ پیر فیملی سے متعلق ہو گئے۔

آپ اپنے علاقہ کے بزرگ ترین عابد وزاہد انسان تھے۔حلقۂ عقیدت نہایت ہی وسیع تھا۔دور دور سے لوگ مسائل دریافت کرنے آتے۔مشکلات کے لئے دعائیں کرواتے۔حضرت مولوی فیض صاحب فرماتے ہیں کہ آپ اس قدر مقرب الٰہی تھے کہ ہم پڑھ رہے ہوتے تو کسی کو آتے دیکھ کر فرماتے وہ شخص آ رہا ہے۔تمہارے سبق میں حارج ہوگا۔اس کو یہ جواب دے دو۔اور وہ اس کے سوال کا جواب ہوتا۔آپ کو تصوف سے شغف تھا۔وظائف کثرت سے کرتے مگر دیگر گدی نشینوں کی طرح تارک سنت نہ تھے۔قرآن وحدیث پر عامل تھے۔حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں:۔''حضرت ابی المکرم الفاضل الجلیل بدر الدین رضی اللہ عنہ اکثر مع اشغال تعلیم علوم عربی و فارسی میں مجرد فقراء اور صاحب کرامت اولیاء سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ان کے استاد مولانا سید شمس الدین صاحب جالندھری بڑے ولی اللہ اور صاحب کرامت تھے۔آپ اکثر ان کی کرامات سناتے تھے۔مگر اس عقیدت کے باوجود آپ گدی نشین مشائخ کے سلسلہ میں داخل ہونا ہرگز پسند نہ کرتے تھے اور نہ کسی سلسلہ میں شامل ہوئے۔''اس زمانہ میں مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی شمس العلماء کنجاہ میں ہیڈ ماسٹر ہو کر متعین ہوئے۔آپ کی شہرت علمی سن کر ملاقات چاہی اور نصف راستہ میں آ کر عریضہ لکھا۔آپ نے انکار کر دیا کیونکہ آپ غیر مسلموں کی نوکری پسند نہ کرتے۔اس لئے ملنا بھی مناسب نہ سمجھا۔

مگر دوسری دفعہ آپ خواہش کو رد نہ کر سکے اور آپ سے ملاقات کی۔وہ آپ کی علمی شخصیت سے متعارف ہوئے اور گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی استاد کی ملازمت دلوانے کا وعدہ کیا۔مگر آپ نے انکار کر دیا۔اور اپنی درسگاہ کو جاری رکھا۔دیہات میں مسجد کے ساتھ درسگاہ تھی۔مسجد کو وسیع کیا

اور درویشوں کے قیام کے لئے کمرے بنوائے۔ آپ مستعد طلبا کو پڑھا دیتے۔ وہ دوسروں کو پڑھاتے۔ یہی وہ درسگاہ ہے جس سے احمدیت سے منور وہ وجود بابرکات فارغ التحصیل ہوئے کہ نہ صرف وہ خدا کے نور سے منور ہوئے بلکہ دوسروں کو بھی منور کیا۔

آپ ایک عرصہ عوام کی علمی تشنگی کو بجھاتے رہے اوران کو زیور علم سے مزین کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ آخر 1286ھ بمطابق 1869ء میں یہ شمع علم بجھ گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔ ’’یکم شعبان 1286ھ کی رات کے وقت میرے والد صاحب مولوی بدرالدین رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔‘‘

حضرت مولوی امام الدین فیض رضی اللہ عنہ

انسان تو دنیا میں روز پیدا ہوتے اور خدا کو پیارے ہوتے ہیں مگر کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ جن پر انسان تو کجا فرشتے بھی رشک کرتے ہیں اوران کی خدمت میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا میں خدا کی توحید کی منادی کرتے اور لوگوں کو ضلالت کی ظلمات سے نکال کر خدا کی شریعت کے نور سے منور کرتے ہیں۔

ان خدا نما وجودوں میں ایک حضرت مولوی فیض صاحب بھی ہیں۔ آپ کا سن پیدائش 4 ماہ محرم 1268ھ بروز سہ شنبہ ہے۔ آپ اپنے مشہور عالم والد کی واحد نرینہ اولاد تھے۔ آپ کا نام امام الدین تجویز ہوا۔ مگر تاریخی نام چراغ دین ہے۔ آپ کا گھرانہ پہلے ہی علم کے نور سے منور تھا۔ اس ماحول میں پرورش پانے والا ہونہار بچہ کیوں نہ دنیا کو اسلام کے نور سے روشناس کرنے والا، شریعت غرا کی اشاعت میں دن رات کوشاں رہنے والا اور علم سے پیاسی روحوں کو علم کے شیریں آب سے سیر کرنے والا ہوتا۔ پھر وہ بچہ جس کی قسمت میں ازل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت اور اس تاریک زمانہ میں اسلام کی اشاعت کا کام لکھ دیا ہو۔ اس علمانہ ماحول میں پرورش پا کر ایک عالم باعمل انسان بن جائے۔

آپ کے لڑکپن کے زیادہ حالات نہیں ملتے۔ بزرگوں کی روایات سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ بچوں میں اسلامی اخلاق میں نمایاں ہوتے تھے اور بچپن کی فضول کھیلوں سے متنفر اور فضولیات ولغویات سے پرہیز گار رہتے تھے۔ جب آپ سن شعور کو پہنچے تو والد صاحب سے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا۔ جلد ہی ناظرہ پڑھ لیا اور پھر ترجمہ اور مختصر تفسیر بھی والد صاحب سے پڑھی اور آپ نے اپنے والد ماجد سے ہی تکمیل نصاب نظامیہ کی۔ خیالی پڑھ رہے تھے کہ آپ کے والد محترم اس جہان فانی سے اللہ کو پیارے ہوئے۔ والد تو والد ہی ہوتا ہے مگر جس کا والد ایک عالم دین اور اپنے زمانے کا مانا ہوا عالم باعمل، خدا نما انسان ہو تو اس کے صدمہ کی کیفیت کا اندازہ لگانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اور پھر چھوٹی عمر میں یہ صدمۂ عظیمہ برداشت کرنا خدا والوں کا ہی کام ہے۔ آپ کی عمر اس وقت اٹھارہ سال کے قریب تھی جیسا کہ خود فرمایا۔

''اور یکم شعبان 1286ھ کی رات کے وقت میرے والد صاحب مولوی بدرالدین رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور عمر اٹھارہ سال سات ماہ کی تھی۔''

گھر کے پاکیزہ ماحول اور فطری لگاؤ کی وجہ سے آپ کو تصوف سے کافی شغف تھا۔ چھوٹی عمر سے ہی اس طرف مائل تھے۔ والد محترم کی وفات سے قبل ان کی ذات گرامی سے مستفید ہوتے رہے۔ آپ کی وفات کے بعد صوفیائے کرام کی تلاش ہوئی اور اسی جستجو میں لمبے لمبے سفر سے بھی دریغ نہ کیا۔ حضرت اکمل صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔'' آپ کو تصوف کا بہت شوق تھا۔ مختلف صوفیاء اور سجادہ نشینوں سے فیض حاصل کرنے کی کوشش کی۔ سیان ''شاہ پور'' بھی گئے اور گئے بھی پا پیادہ۔''

شوق تصوف کے متعلق حضرت مولوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔''الحمد للہ میری طبیعت ابتدائی ایام سے ہی فقر اور تصوف کی شائق اور روحانیت کی مشتاق تھی اور ساتھ ہی ظاہر شریعت پر شوق بھی تھا۔ چنانچہ وظائف خوانی اور صوم وصلوٰۃ کی پابندی کی دھن لگی ہوئی تھی جو فقیر صورت ملتا اس سے ذکر وفکر پوچھ کر اس میں مشغول ہو جاتا۔'' (الحکم 7 جون 1934ء)

جب تک آپ کے والد گرامی بقید حیات رہے اس وقت تک آپ نے ہر قسم کا علم ان سے حاصل کیا اور تصوف بھی آپ سے پڑھا اور انہی کی طرز پر وظائف کرتے یا ان سے دریافت فرمایا کرتے۔لیکن والد صاحب کی وفات کے بعد علاقہ میں صوفی منش نہ ملا تو تلاش ہوئی۔آخر سیال شریف میں پہنچے اور بیعت سے مشرف ہوئے۔ایک عرصہ تک ان کی بیعت میں رہے اور ان کی فرمودات کے مطابق وظائف میں مشغول رہے۔

فرماتے ہیں:۔"والد صاحب کی وصیت کے مطابق اور لوگوں سے سن کر ایک رویاء کی بنا پر خواجہ شمس الدین سیال کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی اور ان کے فرمودہ وظائف اور ذکر وفکر شروع کر دیئے۔دو بار ان کے حضور میں گیا ہوں۔اشغال فقیرانہ، ذکر قلبی ولسانی ،فکر جہر کلمہ طیبہ وہ بہت فرماتے تھے۔میں کرتا رہا۔اورشوق وذوق کچھ بڑھا۔مگر چونکہ میں نے سیال شریف میں شریعت کی پابندی کچھ ایسی نہ دیکھی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع سنت بڑے اہتمام سے نہ پایا۔ چنانچہ نماز ظہر عصر کے وقت میں ہوتی تھی اور صبح کی نماز قریب طلوع شمس اور تقویٰ کا بھی کچھ ایسا خیال نہ تھا۔یعنی اتباع سنت اور اجتناب فی البدعت کے لئے پیر بھائیوں کو فرمان نہیں کیا جاتا ہے۔ ہاں عشق الٰہی کے لئے راگ اور غزلیں،عشق مجازی کے قصے اور مثنوی شریف، دیوان حافظ اور وظائف اور تصوف شیخ ذکر جہر پر بہت زور دیا جاتا تھا۔میرے ایک پیر صحبت حضرت خواجہ صاحب کے خلیفہ عشق مجازی کے فوائد باطنی بیان فرماتے تھے۔ع

متاب از عشق رو گرچہ مجازی ست
کہ آن بہر حقیقت کارسازی ست

میں نے عرض کی کہ خاکسار مبتلائے تعشق ہو گیا ہے اور میرے لئے ایسا امر علاوہ خوف خدا کے اپنی عزت پر حرف آنے کا بھی ڈر ہے۔تو آپ نے حضرت جامیؒ کا وہی بیت سنا کر محبت کو بڑھنے دینے کا امر فرمایا۔لیکن دل میں آتا تھا کہ قرآن کریم میں تو"قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم۔"

لیکن حافظ رحمۃ اللہ کا شعر: ؎

بے سجادہ رنگین کن گرد پیر مغان گوید
کہ سال بے خبر نبود ز راہ رسم منزلہا

فتویٰ جواز دے کر دلیر کر دیا تھا۔

غرض مریدوں میں ایسے امور بدعت کا ارتکاب جوگیانہ اشغال کا رواج تھا۔ ایک پیر بھائی مولوی نے مجھے یہ وظیفہ بتایا کہ ''یا خواجہ شمس الدین سیال'' بے حساب پڑھا جائے تو بڑا فائدہ ظاہر ہوتا ہے۔ گو میں ایسی باتوں سے دل میں بیزار ہوتا تھا۔ مگر حسن ظن سے پیر بھائیوں کی محبت اور شوق وذوق اور وظائف اور صوم وصلوٰۃ اور ذکر وفکر سے محظوظ بھی ہوتا تھا۔ اسی اثناء میں کئی اور فقراء کے پاس بھی جا کر استفادہ کرتا تھا۔ فقر حاصل کرنے کے لئے رند فقیروں اور مستانوں کے حضور بھی حاضر ہوتا۔ غرض اس قسم کے فقراء اور اولیاء کہلانے والوں کی زیارت کرنے سے مجھے کوئی عار نہ تھی اور اس شعر پر عمل کرتے ہوئے کہ:۔ ع

سوزد در مسجد و میخانہ یکساں دیدم
من تعبدانم کہ کافر یا مسلمانست شمع

الغرض چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور رندوں، ہندوؤں مسلمانوں کے سجادہ نشینوں میں یک منتیوں کو بھی دیکھا اور بعض کو اہل کشف بھی پایا۔ اکثر مستانہ فقیر ایسے دیکھے اور ایسے بھی جو ظاہری شریعت کی پابندی کو غیر ضروری جانتے تھے۔ مگر ذکر وفکر کے مشتاق اور باطن کے مشتاق تھے۔

پھر مجھے حیرت ہوتی تھی کہ یہ نعمت فقر اور ولایت کی متشرح سجادہ نشینوں اسلام کے پابندوں میں کیوں کم ہے۔ پھر جو منزلیں اور مراقبات اور مشاہدات تصوف کی کتابوں میں بزرگوں نے لکھے ہیں ان کا ذکر قرآن اور حدیث میں کیوں نہیں کیا۔ ان درجات کو صحابہ کرام باوجود

صحبت حضرت خاتم النبیینؐ نہیں پہنچے تھے۔کیا ان لوگوں کو صحابہؓ کی نسبت زیادہ معرفت یا قرب الٰہی حاصل تھا؟ مَیں اس بے اطمینانی میں چونکہ ہر قسم کے فقراء کی خدمت میں جاتا تھا لوگ مجھے ہرجائی اور بلکہ پھرت گھرت کہا کرتے تھے۔مگر ہزاروں ہزار شکر ہے اس رب العالمین کا کہ میں ایسا تھا ورنہ احمدیت کی نعمت کب حاصل ہوتی۔اگر میں ایک ہی سجادہ نشین کے پاس آتا جاتا رہتا تو میں بھی خلیفہ بن جاتا۔مگر بفضل الٰہی میری اصل طبیعت فقر محمدی کی طلبگار تھی۔اس واسطے میں آخر نقشبندی خاندان کے ایک سید صاحب متشرع متورع کی خدمت میں حاضر ہو کر توجہات لینے لگا۔ ان کی خدمت میں یہ فائدہ تو ہو گیا کہ شرک و بدعت سیئہ سے نفرت پیدا ہو گئی اور توجہات میں مزا آنے لگا۔مگر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص فقر ولایت کا پتہ نہ لگا کہ سلوک نقشبندی میں عبادت اسلامی کو کیا دخل ہے اور نیز یہ کہ مقصود اصل ان مجاہدات فقیرانہ یا ان توجہات صوفیانہ سے کیا ہے۔ یہی کہ کچھ مزا آجاتا ہے یا قلب کی حرکت یا تصور شیخ یا شوق الٰہی یا صفائی باطن یا کشف قلبی یا کشف قبور یا رویاء میں بزرگوں کی زیارت۔ایسی امور تو جوگیوں ہندوؤں اور رند فقیروں میں بھی ہوتی۔

ہاں مسلمان فقراء میں ان کے عقائد اور ہنود وغیرہ میں ان کے ایمانی امور، ان کی باتیں سن سن کر تاثر ہو جاتا اور تخیلات ان کے رویاء یا مکاشفات میں نظر آجاتے ہیں۔مگر حق باطل میں تمیز یقیناً کچھ بھی نہیں۔وجود کسے کہتے ہیں؟ ''**سبحان الذی خلق الاسماء و ھو عینھا**'' اور **انا ھو ھو انا** کا ذکر کرتے اور خالق و مخلوق میں کوئی فرق نہیں بتاتے ....۔میں نے ایک دھریہ سے سنا کہ ایک بڑے شیخ گدی نشین کا معالجہ کر کے فقر کا راز تحقیق سے دریافت کیا کہ وہ عینیت کے قائل ثابت ہوئے اور اس ہستی کو جو ہمیں نظر آرہی ہے اس کو خدا فرماتے ہیں۔

ایک مسمریزم کا استاد مجھے ملا تو اس نے بھی یہی بتایا کہ وہ نور یا اور جس کے حصول کے لئے ہم لوگ مشق کرتے ہیں اور حالات کسی کے دریافت کر لیتے ہیں اور ازالہ امراض اور دیگر تصرفات کر لیتے ہیں۔یہی خدا ہے اور کوئی خدا نہیں۔پھر میں حیران تھا کہ اس تصوف رائجہ عام اہل اسلام اور

لوگوں وغیرہ میں کیا فرق ہوا؟ یقین کس طرح کیا جائے؟ میں نے ایک بزرگ نفس کشی کرنے والا جو کہ کشف القبور کا بڑا ماہر بھی تھا نام سنا۔ تو اس کے پاس بھی استفادہ کے لئے گیا تو اس کے ہم نشینوں کی زبانی معلوم ہوا کہ ان حضرت کے کئی مرید نماز اور روزے کی کوئی پرواہ نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ نمازوں میں کیا رکھا ہوا ہے؟ گو فرمان پیغمبر کے لئے اچھا ہی ہے مگر تصوف اور فقر میں اس شریعت ظاہری کا کچھ دخل نہیں۔ فقر اور ولایت کچھ اور ہی چیزیں ہیں۔ مگر مجھے پورا یقین تھا کہ آنحضرت ﷺ اگر خدا کے وصل اور بقا کا طریق نہیں بتاتے تھے اور انسان کو کامل اور صاحب عرفان نہیں بناتے تھے تو وہ کس لئے مبعوث ہوئے۔ اس لئے سب اطراف سے دل کی توجہ پھیر کر کسی ایسے راہنما کی تلاش میں جو اسلام کا خاص فقر بتلائے اور منزل مقصود تک پہنچائے اور ادھر کسی مجدد کی بعثت کا وقت بھی آ گیا یعنی 1300ھ پورا ہو گیا۔ لوگوں میں چرچا ہوا۔ تو میں بھی تلاش میں نکلا۔ چونکہ میں نے حضرت اقدس مسیح موعود کو سنا ہوا نہ تھا۔ اس لئے اپنے منقبوں، گدی نشینوں، نقشبندیوں، قادریوں سے پوچھتا تھا کہ کوئی اس صدی کا مجدد غوث وقطب کہیں ہے تو جواب نفی میں یا بے خبری میں ملتا تھا۔''

آپ کے شوق تصوف خداوند کریم کے فضل (جس کی وجہ سے آپ کو احمدیت جیسی عظیم نعمت ملنا تھی) کی وجہ سے اور آپ کے والد محترم کے صوفیاء طرز عمل کی وجہ سے پیدا ہوا۔ گھر کا صوفیانہ ماحول سونے پر سہاگہ کا کام کر گیا۔ اور آپ کا یہ جذبہ روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ ابتدا میں حضرت والد صاحب کے واقعات جو صوفیانہ رنگ میں رنگین ہوتے آپ کے شوق کو بیدار رکھتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ آپ والد محترم سے سبق پڑھ رہے ہوتے اور کوئی حاجتمند ادھر آتا نظر آتا تو فرماتے کہ وہ شخص ادھر آ رہا ہے۔ تمہارے سبق میں حارج ہوگا۔ اس کو یہ جواب دے دو جو بعد میں پورا ہو جاتا۔ ساتھ ہی اخفاء کی تاکید شدید کر دی جاتی۔ ایسے ہی واقعات آپ پر اثر انداز ہوئے اور آپ تصوف کے حصول میں کوشاں ہوئے۔ والد صاحب سے تو احترام کی وجہ سے کچھ نہ دریافت فرماتے مگر وہ

صوفی منش احباب جو آپ کے والد صاحب کے حلقہ اثر میں تھے اور اکثر آیا کرتے تھے۔ان سے والد صاحب کی غیر موجودگی میں وظائف دریافت کرتے اور حتی المقدور ان کو بجالاتے۔فرمایا:۔

''میں ڈر اور شرم کے مارے کبھی کچھ نہ پوچھتا تھا۔مگر فقر وتصوف کا شوق دل میں بڑھتا جاتا تھا اور صوفی لوگ درویشانہ صورت کے ہمارے ہاں آتے تھے۔حضرت ابی المکرم سے پوشیدہ ان سے وظائف پوچھتا اور حسب استطاعت اللہ اللہ کرتا اور پاس انفاس وغیرہ سیکھتا تھا۔''

مگر والد صاحب کی وفات کے بعد آپ اکثر صوفیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے شوق کی تکمیل چاہی۔اس جذبہ کے تحت آپ سہال شریف دو بار تشریف لے گئے اور اس طرح سید پیر حیدر شاہ صاحب کی خدمت میں جلال پور کیکناں کئی بار تشریف لے گئے۔اور جو کچھ وہ بتاتے اس پر عمل کرتے مگر اطمینان قلب حاصل نہ ہوتا۔اس کے حصول کے لئے آپ جس کا بھی تصوف میں نام سنتے حاضر ہوتے اور یہاں تک کہ آپ مشہور ہو گئے اور لوگوں نے پھرت گھرت آپ کا نام رکھ دیا۔

بیس پچیس سال تک آپ صحیح اسلامی تصوف کی تلاش میں پھرتے رہے۔مگر صحابی رضی اللہ عنہ کی زندگی کا عکس نظر نہ آیا جس کی وجہ سے آپ کو اطمینان قلب حاصل نہ ہوتا۔آپ نے اس مدت میں یہ تو سمجھ لیا کہ صوفی ہر فرقہ میں موجود ہیں۔کیا مسلم اور کیا غیر مسلم۔مگر آپ حیران تھے تو اس بات پر کہ وہ کون سی بات ہے جو صرف اسلام ہی سے خاص ہے۔

آخر انفرادی طور پر کسی صوفی کو صحیح اسلامی حالت میں نہ پا کر آپ نے انجمن حمایت اسلام کی مجموعی ہیئت کو مجدد تصور کر لیا۔مگر جلد ہی ممبروں کی عملی زندگی کے حالات سن کر آپ نے سمجھ لیا کہ ''گو اسلام کے علوم کی ترقی تو ان کے مدنظر ہے مگر روحانیت کے آثار یہاں نظر نہیں آتے۔''

اس سے بھی مایوس ہو گئے تو لوگوں میں عام چرچا امام مہدی کے نزول کا سن کر آپ کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی۔ 1300ھ کا زمانہ تھا اور تیرھویں صدی کے آغاز کی وجہ سے آپ نے دیگر صوفیاء کی زیارت کرنا چھوڑ دی۔صرف ایک بٹالہ والے پیر صاحب ہی تھے جن سے عقیدت رکھتے

تھے۔وہ بھی شایداس وجہ سے کہ وہ غوث کے نزول کے منتظر تھے۔

اس میں خدا کا فضل شامل حال نظر آتا ہے۔اس طرح قادیان کا قرب حاصل ہوا اور اسی بہانے گولیکی سے قادیان پہنچے اور وہ جس کے انتظار میں لاکھوں ہی گزر گئے اور آپ جس کی تلاش میں خانقاہوں کے چکر لگاتے رہے۔وہ جس میں آپ کو نور محمدی نظر آیا اور اس کے اصحاب صحیح تصوف اسلامی میں رنگین نظر آئے۔جس کی پہلی ملاقات نے آپ کو متاثر کر دیا اور آخر آپ اسی کے ہی ہو گئے۔آپ کا یہ جذبہ طلب المولیٰ آپ کو ورثہ میں ملا۔آپ ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جو پشت ہا پشت سے اپنے تصوف وعلم کی وجہ سے قابل اعتبار چلے آتے تھے۔آپ کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت دیوان حاجی عبداللہ بغدادی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں جو اپنے زمانہ میں عالم اسلامی کے مسلمہ بزرگ مانے جاتے تھے۔آپ فرماتے ہیں:۔’’میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں اور الحمد للہ رب العالمین پڑھتا ہوں جس نے میری تربیت اس صفت کے ماتحت فرمائی اور بشارت رویاء میں اپنی تمثیل صورت ....نوری جدہ ماجدہ کی طرح ہیئت عظمہ میں عندالعرش دکھائی اور میری فطرت طلب المولیٰ ہونے میں اپنے جداعلیٰ حضرت دیوان حاجی عبداللہ بغدادی رضی اللہ عنہ اور جدامجد الحاج اکرام الدین المدفون فی جنۃ البقیع کے مشابہ بنائی۔‘‘

جب آپ احمدیت کے نور سے منور ہوئے اور صحیح اسلامی تصوف سے آگاہ ہوئے تو آپ کی زندگی میں ایک انقلاب آ گیا۔سب طریق چھوڑ سلوک مہدی کو اپنایا اور اس کی تعلیم دینے میں آپ مگن ہو گئے۔آپ کے زمانہ میں علم وفضل اور تصوف کا رنگ ہی اور تھا۔معجزات انبیاء اور اولیاء کی کرامات کا معیار کچھ اور ہی تھا۔ولی اور بزرگ وہ سمجھا جاتا تھا جو انسان کے سامنے ہوتے ہی دل کی بات بتا دیتا۔بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس کے مدعی بیان کرتے۔بلکہ اس کے سامنے آنے سے بھی قبل اس کے متعلق صحیح اطلاع دے دیتا اور پھر جو وہ مقاصد دنیاوی رکھتا ہو اس میں تصرف کر کے فوراً دلا دے۔

آپ بھی ایسے ہی تصوف کے قائل تھے اور ایسے ہی واقعات جو آپ کے والد محترم کے ظہور میں آتے۔ شوق و تصوف کو اور زیادہ کرنے کا موجب ہوئے۔ مگر احمدی ہونے کے بعد اس میں نمایاں تبدیلی کر دی۔ تلامذہ کو احمدیت کی تبلیغ کرتے اور آہستہ آہستہ ان کے دلوں کو بھی اس طرف متوجہ کیا اور انہیں قبول حق پر آمادہ کیا اور وظائف جو بالالتزام پڑھا کرتے چھوڑ دیئے اور الصلوٰۃ ہی کو تمام مدارج روحانی کا معراج قرار دیا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ گولیکی کے عوام سے معلوم ہوا کہ آپ احمدیت سے قبل بہت عبادت کیا کرتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں دوپہر کے وقت گاؤں کے قریب ایک کنواں پر اور رات کی تنہائیوں میں گاؤں کے جنوب مغربی بے آباد خطۂ زمین میں خدا کے حضور میں مناجات کرتے۔ احمدیت کے قریبی زمانہ میں حضرت مولانا راجیکی صاحب بھی آپ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جو پہلے ہی ایک صوفی منش اور عامل خاندان سے متعلق تھے۔ آپ دونوں صبح کی نماز کے بعد مسجد کے صحن میں چادر اوڑھ کر بیٹھ جاتے اور ظہر کی نماز تک اس حالت میں ذکر الٰہی میں مشغول رہتے اور دیگر مجاہدات شاقہ کی وجہ سے حضرت مولوی صاحب کے ساتھ حضرت مولوی صاحب راجیکی صاحب بھی مشہور ہو گئے۔ مگر خلائق کا رجوع حضرت مولوی صاحب کی طرف ہی تھا اور ایک قسم کی پیری مریدی تھی کیونکہ عوام آپ کے علم و فضل کے ساتھ ساتھ تقویٰ و طہارت کی کثرت سے معتقد تھے۔

جب آپ ہجرت کر کے قادیان تشریف لائے تو قادیان کا ماحول اور بزرگوں کا تصوف اس درجہ تک نہ پایا جس پر دیگر صوفیاء دعویٰ کیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے آپ اکثر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے سوال کرتے۔ اس کے متعلق حضور کے الفاظ یہ ہیں:۔

حضرت قاضی ظہور الدین اکمل صاحبؓ کے والد مولوی امام دین صاحب کو تصوف سے بہت شغف تھا۔ احمدی ہونے سے پہلے وہ صوفیاء کے مرید تھے۔ اس لئے جب بھی انہیں موقعہ ملتا مجھ سے وہ یہ بات کہتے کہ فلاں صوفی صاحب کہتے تھے کہ انہوں نے عرش پر سجدہ کیا............فلاں

آسمان پر سجدہ کیا۔فلاں سجدہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔مگر احمدیت میں یہ بات نظر نہیں آتی۔ میں اس کے متعلق ان کوکئی دلائل دیتا۔مگر سال چھ ماہ کے بعد پھر یہی سوال کر دیتے کہ وہ چیز ابھی نہیں ملتی۔ جو صوفیاء بتاتے چلے آئے ہیں۔ایک دن اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا جواب سمجھایا۔میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ وہ جو عرش پر سجدہ کرتے ہیں یا آسمان پر کرنے والے ہیں وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے درجہ میں چھوٹے ہیں۔وہ کہنے لگے میں جانتا ہوں کہ احمدیت میں سب کچھ ہے مگر عرش پر سجدہ کرنا بھی تو بہت بڑی بات ہے۔میں نے کہا میں مانتا ہوں کہ وہ عرش پر سجدہ کرتے ہوں گے۔مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے تعلق کا کوئی ظاہری ثبوت بھی تو ہونا چاہئے۔ ایک انسان بھی اپنے ساتھ ادنیٰ جوڑ یا تعلق رکھنے والوں کو ذلیل نہیں کرتا۔میں نے ان سے کہا کیا آپ دیکھتے نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کتنا بار تھا۔ابتداء میں بیسیوں اور بعد میں سینکڑوں تک مہمان روزانہ لنگر سے کھانا کھاتے تھے اور مہمان نوازی کا خرچہ پندرہ سو سے اڑھائی ہزار روپے ماہوار تک تھا۔مگر آپ کی کوئی آمدنی مقرر اور متعین نہ تھی۔بے شک جماعت کے دوست چندہ دیتے تھے لیکن یہ کوئی مقرر اور معین آمد تو نہ تھی۔مگر دیکھئے باوجود اس قدر کثیر اخراجات کے اور آمد کی معین صورت نہ ہونے کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ پر کیسا توکل تھا اور خدا تعالیٰ کس طرح آپ کی ضرورتوں کو پورا کرتا تھا۔کیا یہ عرش پر سجدہ کرنے والے لوگ بھی اس توکل کے مقام پر تھے۔؟

مولوی صاحب اس بات کو سن کر کچھ سوچ میں پڑ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگے کہ آج میری سمجھ میں یہ بات آ گئی ہے کہ یہ عرش پر سجدہ دھوکہ ہی تھا۔ یا عرش پر سجدہ کرنے والے صاحب غلہ نکلنے کے زمانہ میں زمینداروں سے کہا کرتے تھے کہ کچھ غلہ ہمیں بھی بھجوانا۔میں نے ان سے کہا کہ بس دیکھ لیں کہ یہی فرق سچے متوکل اور جھوٹے متوکل میں ہوتا ہے۔

(تفسیر کبیر جلد 6 نمبر 4 صفحہ 179-180)(الفضل 18 نومبر 1942ء صفحہ 4)

''بیعت حضرت مولوی صاحب''

آپ کو بچپن سے تصوف کا شوق تھا۔والد صاحب کی زندگی میں سے فیض حاصل کرتے رہے اور جو اہل اللہ آپ کے گھر آتے جاتے رہتے تھے ان سے وظائف وغیرہ بھی دریافت فرما کر ورد کرتے رہے۔مگر والد صاحب کی وفات کے بعد اس شوق کی خاطر آپ نے اولیاء کے گرد چکر لگانے شروع کر دیئے۔جس کی وجہ سے آپ کو گھرت پھرت کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ جس کے پاس بھی جاتے وہاں اتباع سنت نہ ہونے کے برابر پاتے اور ان کے مراقبات ومشاہدات کا قرآن وحدیث میں نہ ذکر ہونے کی وجہ سے آپ اکثر سوچا کرتے ''ان درجات کو صحابہ کرام باوجود صحبت حضرت خاتم النبیینؐ نہیں پہنچے تھے۔کیا ان لوگوں کو صحابہ کی نسبت زیادہ معرفت یا قرب الٰہی حاصل تھا۔میں اس بے اطمینانی میں چونکہ ہر قسم کے فقراء کی خدمت میں جاتا لوگ مجھے ہرجائی بلکہ پھرت گھرت کہا کرتے تھے۔مگر ہزاروں ہزار شکر ہے اس رب العالمین کا کہ میں ایسا تھا ورنہ احمدیت کی نعمت کب حاصل ہوتی۔''

آپ اس بے اطمینانی میں سرگرداں تھے کہ بٹالہ کے پیر سید ظہور الحسن صاحب سے آپ کی ملاقات ہوئی اور ان سے آپ کو عقیدت ہوگئی۔وہ سید عبدالقادر جیلانی کے خلیفہ کہلاتے تھے۔پھر انہوں نے ایک موقعہ پر کہا'' کہ ملاء اعلیٰ میں بڑا جوش وخروش ہے۔کوئی غوث مقرر ہونے والا ہے۔''اور تیسری وجہ یہ تھی کہ آپ کو اولاد کی بشارت دی اور ایک سال قبل نام بھی بتادیا جو کہ پوری ہوئی۔ان وجوہات کی وجہ سے آپ کو ان سے بہت زیادہ عقیدت ہوگئی اور آپ ان کے عرس میں بھی بٹالہ جا کر شامل ہوا کرتے تھے۔اس طرح آپ قادیان کے قریب پہنچ گئے۔ ع

دنیا تیرے حوادث پیہم کا شکریہ
پہنچا دیا ہے منزل عرفان کے آس پاس

انہی پیر صاحب کے عرس یازدہم ربیع الثانی پر ان کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ایک روایت کی

روسے اس پیر صاحب نے غوث مقرر ہونے کو کہا جب دریافت کیا کہ وہ کون ہے تو خاموش رہے۔ پھر بتایا کہ یہاں سے قریب ہی قادیان ہے۔ وہاں کے ایک رئیس زادہ نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ کیونکہ حضرت مولوی صاحب کو اہل اللہ کے دیکھنے اور اس سے فیض حاصل کرنے کا بہت شوق تھا اور اس کے لئے کسی بڑے خطرے اور سفر سے بھی نہ گھبراتے تھے۔ جب آپ کو علم ہوا تو آپ خاموشی سے نکل آئے۔ اڈہ پر پہنچتے ہی قادیان کا راستہ معلوم ہو گیا۔ ایک یکہ بان غفارا نامی قادیان کے لئے آواز دے رہا تھا۔ آپ نے اس سے کہا کہ میں قادیان جانا چاہتا ہوں مگر میرے پاس صرف واپسی گھر جانے کا کرایہ ہے۔ اس کو بھی کوئی سواری نہ مل رہی تھی۔ اس نے کہا کہ نہاری کے پیسے دے دیں میں لے چلتا ہوں۔ اس طرح آپ قادیان پہنچے۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے پیر صاحب سے جب سنا تو قادیان جانے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے یہ سمجھ کر کہ ہمارا معتقد ہے۔ مرزا صاحب کو کہاں ماننے والا؟ اور اجازت دے دی۔ آپ نے بھی ارادہ کیا کہ دو تین باتیں کر کے واپس آ جائیں گے۔ آپ یکہ پر ظہر کے وقت قادیان پہنچے اور اس کو کہہ دیا کہ یہاں ہی ٹھہرنا۔ مجھے ابھی واپس جانا ہے۔

مسجد مبارک میں حاضر ہوئے۔ معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز ظہر ادا فرما کر اندرون خانہ جا چکے ہیں۔ اب نماز عصر کے وقت باہر تشریف لائیں گے۔ مگر آپ نے زور دیا کہ میں نے بھی واپس جانا ہے۔ اس پر کسی نے ایک کاغذ پر لکھ کر اطلاع کر دی۔ حضور باہر تشریف لائے۔ مسجد کے ساتھ چھوٹی سی کوٹھری میں ملاقات ہوئی۔ سلام کیا اور عرض کی کہ علیحدہ دو تین باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

حضور نے فرمایا کہ آپ ٹھہریئے۔ فرصت کے وقت باتسلی مکالمہ کر لیں۔ یہاں آرام کیجئے۔ اس پر آپ نے عرض کی کہ ملازم ہوں۔ رخصت نہیں ہے۔ واپس جانا نہایت ضروری ہے۔ اس پر حضرت مسیح موعود نے فرمایا یہاں کوئی بیگانہ نہیں۔ آپ نے جو پوچھنا ہے پوچھ لیں۔ اس پر آپ نے

عرض کی کہ آپ کی کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کو وحی ہونے کا دعویٰ ہے اور یہ تو خاصہ نبوت و رسالت ہے۔

حضور نے فرمایا وحی تو شہد کی مکھی کو بھی ہوتی ہے۔ اور قرآن کریم سے مریم اور ام موسیٰ اور حواری عیسیٰ کی وحی کا ذکر کیا۔ پھر حضرت سید عبدالقادر کی فتوح الغیب اور حضرت شیخ احمد سرہندی کے مکتوب سے بھی ثابت ہے کہ مکالمات الٰہیہ کامل اولیاء اللہ سے بھی ہوتے ہیں۔ اس پر حضرت مولوی صاحب نے کہا کہ وحی تو سوائے انبیاء کے کسی کو نہیں ہوسکتی۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ خیر میں بحث کرنے نہیں آیا۔ میں تو ایک صوفی مشرب ہوں۔ عرض یہ ہے کہ باطنی طور پر اپنی صداقت مجھ پر ظاہر فرماویں۔ حضور نے فرمایا کہ صداقت آپ خدا تعالیٰ سے پوچھیں۔ اس بات کا مولوی صاحب کے دل پر اثر ہوا اور پوچھا کیوں کر پوچھوں؟ حضور نے فرمایا ''دعا اور استخارہ کیا کرو۔'' اس پر عرض کی کونسا استخارہ؟ حضور نے فرمایا ''جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔'' یہ تیسری بات تھی جس کا آپ کے قلب مطہر پر گہرا اثر ہوا۔ رخصت چاہی۔ آپ نے غالباً رسالہ نور القرآن دینے کا ارشاد فرمایا۔ اس گفتگو کے دوران حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی بھی موجود تھے۔ جب آپ نے مولوی صاحب کی مودبانہ طرز گفتگو سنی تو فرمایا کہ ''یہ شخص تو سعید معلوم ہوتا ہے۔'' آپ نے نماز عصر با جماعت ادا کی۔ غالباً مولوی قطب دین صاحب یا حکیم فضل دین صاحب امام تھے۔ قادیان سے باہر آ کر آپ نے نماز دھرالی کہ یہ نماز بحکم علمائے وقت جائز نہیں ہوئی۔ اس کے بعد آپ واپس وطن تشریف لے گئے اور دعا استخارہ کرنے لگ گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو پیر ظہور الحسن سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پہلی دفعہ علم نہیں ہوا بلکہ گولیکی ہی میں آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کا علم ہوگیا تھا۔ دو تین واقعات ملتے ہیں جو اس کی تائید کرتے ہیں۔

ایک موقعہ پر آپ کے چچازاد بھائی حافظ کامل الدین مرحوم کا لڑکا محمد حسین نابینا حافظ آپ کو ملنے کے لئے گولیکی آیا۔ اس نے آپ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر کیا اور آپ کے دعویٰ

کے متعلق گفتگو کی کیونکہ دعویٰ اور دلیل صوفیانہ طرز پر نہ تھی۔ اس لئے آپ کی دلچسپی کا موجب نہ ہوئی۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر وہ آپ کو ملنے آئے اور حضرت مسیح موعود کی کتاب ازالہ اوہام آپ کو دے گئے۔ وہ بھی کیونکہ صوفیانہ طرز پر نہ تھی اس وجہ سے زیادہ دلچسپی نہ لی۔

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت کا علم تھا۔ کتب اور چچازاد بھائی کے لڑکے کی گفتگو سے تو آپ کو دلچسپی پیدا نہ ہوئی۔ مگر مخالفت سن کر آپ کے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عالم فاضل ہونے کا اثر ہوا۔ فرماتے ہیں:۔ ''ہاں فکر لگ گئی اور علماء اور مشائخ کی مخالفت سن سن کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عالم فاضل ہونا دل میں آتا تھا۔'' اس عرصہ میں ایک پیادہ گولیکی میں فرشتہ رحمت بن کر وارد ہوا۔ حضرت مولوی صاحب مسجد میں حضرت قاضی اکمل صاحب اور حضرت مولانا راجیکی صاحب کو پڑھا رہے تھے کہ وہ مسجد میں آیا اور نماز پڑھنے لگا۔ مولانا راجیکی صاحب کی روایت کے مطابق مولوی صاحب نے اس کے صافہ میں بندھی ہوئی ایک کتاب دیکھی تو آپ نے پڑھنے کے لئے اسے لینا چاہی۔ مگر اس سپاہی نے آپ کو روک دیا۔ مولوی صاحب نے وجہ دریافت فرمائی تو اس نے کہا یہ کتاب جس بزرگ ہستی کی ہے وہ میرا پیشوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم لوگ اسے پڑھ کر میرے پیشوا کو برا بھلا کہنے لگ جاؤ۔ جسے میری غیرت برداشت نہیں کر سکے گی۔ مولوی صاحب نے کہا کہ آپ بے فکر رہیں ہم آپ کے پیشوا کے متعلق کوئی برا لفظ زبان پر نہیں لائیں گے۔ تب اس سپاہی نے کہا اگر یہ بات ہے تو آپ بڑی خوشی سے اس کتاب کو دیکھ سکتے ہیں بلکہ تین چار روز کے لئے اپنے پاس بھی رکھ سکتے ہیں ....۔ چنانچہ مولوی صاحب نے وہ کتاب سنبھال لی اور جاتے ہوئے گھر ساتھ لے گئے۔ حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن کوئی ہرکارہ تحصیل کتاب ہاتھ میں لئے ہوئے ہماری مسجد میں جبکہ میں شرح ملا وغیرہ پڑھا رہا تھا آ بیٹھا اور یوں گویا ہوا کہ ایک شخص مدعی مسیحیت کہتا ہے انا انزلناہ قریبًا من القادیان۔ قادیان میں ہو کر کہتا ہے قریبًا من القادیان۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ کو اس الہام کا علم اس سے قبل تھا۔ اثنائے درس میں آپ

نے اس پر اعتراض کیا اور ساتھ تمسخر بھی کیا۔مگر اس کو اس پیادہ نے برا مانا اور کہا کہ مولوی صاحب آپ نے مرزا صاحب کی کوئی عربی کتاب بھی پڑھی ہے یا نہیں اور یونہی بلا سوچے سمجھے کسی بزرگ کی بابت ایسے الفاظ بولنے مناسب نہیں۔ اس پر حضرت مولوی صاحب نے اس سے کہا کہ آپ کے پاس یہ کتاب کیسی ہے؟ اس نے وہ کتاب آپ کو دے دی۔ جو پادری عماد الدین صاحب کے جواب تحدی میں عربی رسالہ تھا۔مطالعہ کے لئے مطالبہ کیا تو اس نے ایک ماہ کے لئے دے دی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے حضرت مولوی صاحب پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فاضل علوم عربیہ اور اعلیٰ درجہ کا مناظر مذہب اور ماہر کتب عربیہ ہونا واضح ہو گیا۔مگر اس کے باوجود آپ کو دعویٰ نبوت کے متعلق شرح صدر نہ ہوا۔اس دوران ایک دن آپ کے چچا شمس الدین صاحب آپ کی خبر گیری اور حال پرسی کے لئے گولیکی میں آئے۔ رات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق گفتگو ہوئی۔تو آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق الفاظ مخالفانہ سخت رویہ میں استعمال کئے جس پر انہوں نے کہا ’’عزیز یاد رکھ کہ مرزا صاحب کے حق میں کوئی کلمہ ہتک آمیز نہ بولنا۔ وہ بڑا ولی اور بزرگ آدمی ہے۔ میں اس کا مرید تو نہیں ہوں مگر میں نے دیکھا کہ وہ بڑا صالح اور عالم فاضل، حامیٔ اسلام ہے۔ ورنہ مصیبت آجائے گی۔ العیاذ باللہ۔‘‘ اس قول سے حضرت مولوی صاحب کے دل پر بڑا گہرا اثر ہوا اور آپ ڈر گئے۔ اس کے ساتھ آپ کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ ایک بار اس مرد خدا کو دیکھ تو لوں۔ اس شوق میں آپ قادیان پہنچے اور حضور سے ملاقات ہوئی۔ گولیکی جا کر استخارہ شروع کر دیا اور ساتھ مطالعہ کتب مسیح موعود بھی شروع کر دیا۔اس دوران آپ کو کوئی خواب نہ آئی۔ مگر آپ کو اطمینان قلب حاصل نہ ہوا جس کی وجہ سے آپ بہت پریشان خاطر رہنے لگے۔ کیونکہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخالف و موافق باتیں سنتے رہتے تھے۔ اس پر آپ نے دعاؤں میں کئی مرتبہ نہایت ہی تضرع والحال سے بہت دعائیں کیں کہ اے مولیٰ اگر مجھے استخارہ میں کچھ نہ بتایا گیا تو قیامت کے دن جب مہدی کی تصدیق کا سوال ہوا تو میں عرض کر دوں گا کہ میں

نے بڑی الحاح سے دعائیں کی تھیں کہ مرزا صاحب کے صدق و کذب سے آگاہ فرمایا جاوے۔تو اب اگر عذاب یا عتاب ہوتو کیا یہ عدل ہے یا کیا؟

آخر تخمیناً چار ماہ کے بعد خواب آئی کہ کوئی شہر ہے(غالباً قادیان دارالامان ہی ہے) اس میں حضرت مسیح موعود نے صبح کی نماز پڑھائی۔نماز سے فارغ ہوا۔حضور دالان میں بیٹھ گئے۔نہایت نورانی چہرہ، ریش مبارک کو خضاب، سفید لباس، سر پر عمامہ۔عرض کی (دوسری روایت میں ہے دل میں خیال کیا) کہ مدت ہوئی سوال کرتے ہوئے مگر جواب کا انتظار ہے۔آپ کے دہن مبارک سے یا کسی فرشتہ کے منہ سے یہ بلند آواز نکلی۔''جس آونا سی اوہ تاں آ گیا''

ایک روایت کے مطابق یہ 1897ء کے آغاز کی رویاء ہے جس کی روشنی سے شک اور وہم کی تاریکی سب دور ہوگئی اور علم بالیقین ہوگیا کہ جس مسیح و مہدی کا انتظار تھا وہ یہی ہے۔صبح کا وقت اور مسجد چہرہ مبارک نورانی اور آواز وحی کی تاثیر دل نشین ہوگئی۔

لیکن صبح جب کتب مخالفانہ دیکھیں تو اس کے جواب کو دل نے پا لیا۔ اس کے ساتھ اکثر دوستوں اور شاگردوں کے رویاء نے بھی یقین کو ترقی دی۔آپ کے چچا مرحوم کے پوتے گل حسن رحمت اللہ نے آپ کو بتایا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ میں کعبہ شریف گیا ہوں اور حضرت مسیح موعود کو دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ میری بیعت منظور فرمائی جاوے تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب مسیح موعود ہی تمہاری بیعت لیں گے۔اور اس طرح حضرت مولانا راجیکی صاحب جو آپ کے پاس اس زمانہ میں پڑھا کرتے تھے اور آپ ان کو اکثر دعا کے لئے کہا کرتے تھے۔بتایا کہ میں نے گیارہ بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرزا صاحب کی صداقت سنی ہے۔ان کے علاوہ دیگر بہت سے احباب نے آپ کے یقین کو ایسی ہی رویائے صادقہ سے امداد دی۔جس سے آپ نے بیعت کر لی۔فرمایا''الحمدللہ پھر میں نے غالباً 1897ء میں بیعت کر لی'' ۔ (الحکم 31 اگست 1935ء) اس بیعت کی آپ نے تصریح نہیں کی کہ دستی بیعت تھی یا تحریری۔

حضرت مولانا ساٹری صاحب کے بیان کے مطابق یہ بیعت دستی تھی۔ فرمایا:

''میں نے متعدد بار آپ سے سنا کہ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق سنا تو خدا تعالیٰ سے دعا کرنا شروع کی۔ ایک دن فجر کی نماز کی دوسری رکعت کے دوسرے سجدے میں مجھے آواز آئی کہ جو آنے والا ہے وہ آ گیا ہے۔ وہ سجدہ لمبا ہو گیا اور نماز کے اختتام پر لوگوں نے پوچھا کہ اس سجدہ کے لمبا ہونے کی کیا وجہ ہے۔ تو آپ نے اس وقت لوگوں کے سامنے بیان فرمایا کہ مجھے اللہ نے اس سجدہ میں یہ صاف طور پر بتا دیا ہے کہ حضرت امام مہدی جن کا انتظار تھا وہ آ گئے ہیں اور وہ یہی حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام ہیں اور فرمایا کہ میں تو اب قادیان جانے والا ہوں۔ جو دوست میرے ساتھ جانا چاہیں وہ تیار ہو جائیں چنانچہ وہ اور چند اور آدمی روانہ قادیان ہو گئے اور بیعت سے مشرف ہوئے۔'' (از مضمون مولانا ساٹری صاحب غیر مطبوعہ) حضرت قاضی اکمل صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''آپ دسمبر کی تعطیلات میں گئے اور بیعت سے مشرف ہو گئے۔ یہ 1895ء کا واقعہ ہے۔ ان دنوں امام مہدی کے ظہور کا بڑا چرچا تھا۔ ماہ رمضان میں سورج اور چاند گرہن ہو چکا تھا یعنی 1894ء/ 1311ھ۔''

اس کے علاوہ آپ کی تحریرات سے 1897ء بھی سن بیعت معلوم ہوتا ہے۔ 1896-97ء میں امرتسر اور بٹالہ آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ملاقات ہوئی۔ واپس جا کر استخارہ کیا۔ چار ماہ بعد خواب آئی۔ یہ غالباً 1897ء کے آغاز کی رویاء ہے۔ اس کے ساتھ لیکھرام کے قتل کے قبل یا بعد کا ذکر ہے۔ بیانات اور دیگر حالات پڑھنے سے تاثر یہ ہوتا ہے کہ یہ لیکھرام کے قتل سے قبل کی بات ہے۔

اس کے علاوہ آپ کے دست مبارک کی تحریر ملی ہے۔ جس میں آپ نے سن لکھ کر والد صاحب کی عمر اپنی ہجرت سے قبل کی عمر اور والد صاحب کی وفات کے وقت اپنی عمر نکالی ہے اور ماہ اور دن بھی نکالے ہیں۔ اس تحریر کے نیچے چند اشعار ہیں۔ جس میں سن بیعت لکھی ہے: ع

شکر حق میں ہو مہاجر قادیان میں آ گیا
اور خلافت ثانیہ کا عہد برکت پا لیا
میری بیعت حضرت اقدس مسیح پاک کے
ہاتھ بابرکت پہ ہے سن ستانوے
میں نے بیعت کی مسیح و مہدی موعود کی
جب صداقت ان کی رویائے صادقہ سے دیکھ لیا

اور اس طرح آپ کا سن بیعت رجسٹر فہرست صحابہ میں 1897ء لکھا ہے۔ جس پر آپ نے دستخط بھی فرمائے ہوئے ہیں۔

مکرم ملک صاحب نے لیکھرام کے قتل پر بنیاد رکھ کر حضرت مولانا راجیکی صاحب کے بیان کو ترجیح دی ہے۔ مگر اس بیان میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ قتل کے بعد آئے۔ بلکہ زیادہ اشارے اس سے قبل کے حق میں ہیں۔ حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں ”1893ء“ میں جب میں کنجاہ میں داخل ہوا اس وقت ہیڈ ماسٹر صاحب نے والد صاحب سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کا ذکر کیا اور کہا کہ تم اکثر بٹالہ جاتے ہو اس کا پتہ کرنا۔“ وہ تصوف کا متلاشی انسان جس کو عوام ”پھرت گھرت“ کہیں۔ عقل سے بعید ہے کہ اس کے متعلق گمان کیا جائے کہ وہ پھر پانچ سال تک اس مرد خدا کی طرف رجوع نہ کرے۔ جب مزید برآں وہ خانقاہوں سے دل برداشتہ ہو چکا ہو۔ ان کے تصوف کو غیر اسلامی تصوف، صحابہ رضوان اللہ عنہم کے عمل سے الگ عمل قرار دیتا ہو اور تلاش تصوف میں پیدل سفر کرتے۔ کاروبار کا خیال نہ کرتے اور پھر سونے پر سہاگہ کہ بٹالہ میں آپ پیر ظہور الحسین کی خدمت میں عقیدت کی وجہ سے حاضر ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ 1893ء دسمبر میں پہلی دفعہ قادیان تشریف لائے۔ یہ جو آپ نے لیکھرام کا ذکر کیا ہے میرے نزدیک ضعف پیری کی بناء پر فرمایا۔ دوسرے صوفی لوگ تاریخ کی طرف کم توجہ دیتے ہیں۔ یہ لیکھرام نہیں آتھم کا واقعہ ہے

کیونکہ ان دنوں آتھم کی پیشگوئی کا چرچا تھا۔ اس وجہ سے شائد حضرت مسیح موعود علیہ السلام اجنبی لوگوں سے خلوت میں ملاقات نہ فرماتے ہوں تا کہ مخالف کو کسی بھی رنگ میں اعتراض کا موقعہ نہ ملے۔ میں نے طلباء سے سوال کئے تو اکثر کو یہ غلطی لگ جاتی ہے آتھم اور لیکھرام کے سنوں میں۔ اس طرح ممکن ہے کہ حضرت مولوی صاحب کو بھی غلطی لگ گئی ہو۔ آپ قادیان حاضر ہوئے اور شہادۃ القرآن آپ کو ملی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو خاص طور پر ارشاد فرمایا کہ انہیں شہادۃ القرآن یا نور القرآن دے دو۔ ان سے قبل براہین احمدیہ اور آئینۂ کمالات اسلام وغیرہ کتب بھی شائع ہو چکی تھیں۔ وہ کیوں نہ دیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کے اس اعتراض کی بناء پر کتاب کا ارشاد فرمایا: ''میں تو ایک صوفی مشرب ہوں۔ عرض یہ ہے کہ باطنی طور پر اپنی صداقت مجھ پر ظاہر فرماویں۔''

حضرت قاضی اکمل کی روایت کے مطابق آپ نے یہ کہا: ''آپ نے عرض کیا کہ علم ظاہری میں نے بہت پڑھا ہے۔ میں تو باطنی علم تعلق باللہ کا خواہاں ہوں۔'' اس گذارش کے جواب میں آپ نے استخارہ مطابق سنت کا ارشاد فرمایا اور رخصت کے وقت کتاب کا ارشاد فرمایا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس مضمون کی کتاب کون سی ہے اور وہ شہادۃ القرآن ہی ہے اور یہ 1893ء کی تصنیف حنیف ہے۔ یہ کتاب عطا محمد نامی شخص کے اس خواب کے جواب میں تصنیف فرمائی۔ ''یہ کیسے ثابت ہو کہ آپ ہی فی الواقع مسیح موعود ہیں۔ یا اُمت میں ضرور مسیح موعود کا آنا لازم ہے۔ مسیح کی آمد ثانی کا علم صرف احادیث سے ہوتا ہے۔ وہ میرے نزدیک پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔''

اس کے جواب میں قرآن سے اس پیشگوئی کے دلائل اور پھر اپنے مسیح موعود ہونے کے ثبوت دیئے ہیں۔ یہی چیز حضرت مولوی صاحب نے چاہی تھی۔ لہٰذا شہادۃ القرآن کتاب ہی ہو سکتی ہے نہ کہ نور القرآن جس کا مضمون مولوی صاحب کی گذارش کے مطابق نہیں۔ کیونکہ نور القرآن اور شہادۃ القرآن کے نام ملتے ہیں۔ اس لئے آپ کو غلطی لگ جانا ممکن ہے۔

مکرم ملک صاحب نے تحریر کیا ہے کہ 11 ربیع الثانی کو 1897ء میں آئے۔ اس میں معین تاریخ جس سے اعتماد جھلکتا ہے وہ 11 ربیع الثانی اور دسواں عرس ہے۔ 1897ء اس مفروضہ کی بناء پر ہے کہ آپ لیکھرام کے قتل کے سال آئے۔ اگر آپ کے قتل کے بعد آئے تو آپ کو یاد رہ جانا زیادہ امکانی بات تھی کیونکہ لیکھرام کی تین سالہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی تھی۔ اس وجہ سے اخبارات میں تذکرہ تھا۔ اب انتظار مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کا تھا۔ لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ آپ قتل لیکھرام سے قبل آئے۔ اس طرح مکرم مولوی غلام رسول صاحب نے اپنے بیان میں حضرت مولوی صاحب کی بیعت کا ذکر نہیں کیا۔ وہ اس وجہ سے کہ آپ نے ان سے قبل بیعت کر چکے تھے۔ اس طرح حضرت مولوی صاحب کے خاندان کے ہر فرد کی یہ شہادت ہے کہ حضرت مولوی صاحب پہلے احمدی ہیں۔ ان کے بعد خاندان میں احمدیت آئی۔

حضرت میاں احمد دین صاحب صحابی آف گولیکی کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ ہم چند نوجوانوں نے 1896ء میں بیعت کی۔ ان میں صرف آپ نے حضرت قاضی صاحب کا ذکر کیا ہے۔ روایت درج ذیل ہے۔ ''میرے ساتھ تین اشخاص میرے علاقہ کے قادیان آئے ....حضور نے نماز کے بعد فرمایا کہ اگر کسی دوست نے بیعت کرنی ہو تو وہ کر لیں۔ ہم دوستوں نے بیعت کی ....میرے ساتھ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل اور دو دوست اور تھے۔'' (رجسٹر روایات صحابہ نمبر 7 صفحہ نمبر 50) پھر حضرت قاضی صاحب کی والدہ محترمہ کی بیعت کے متعلق حضرت قاضی صاحب کی وفات پر ان کے ایک عزیز نے لکھا: ''میری خالہ جان اور آپ کی دادی جان کا اسم گرامی مریم بیگم دختر پیر نظام الدین ہاشمی تاریخ پیدائش 1860ء تاریخ وفات مارچ 1929ء عمر 64 سال۔ صحابیہ یقیناً تاریخ بیعت 1897ء کے لگ بھگ ہوگی۔ تاریخ وفات مریم بیگم 1342ھ ہے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے 97-1896ء سے قبل بیعت کی ہے کیونکہ گھر کے آپ

سب سے پہلے احمدی فرد ہیں۔اس کے علاوہ خط تائید کرتا ہے۔مکرم ملک صاحب نے صرف اتنا لکھا ہے:۔''حسن اعتقاد والا بھی ایسا خط لکھ سکتا ہے۔دیگر قرائن تو یہ صادقہ ہی خط کے متعلق فیصلہ کر سکتے ہیں۔'' (اصحاب احمد یہ جلد ہشتم اب مولوی صاحب کے دونوں بیان غور سے پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ آپ نے کسی اور شخص سے ملاقات نہیں کی۔مسجد گئے۔ملاقات کی اور واپس ہوئے۔دو بزرگوں کا ذکر ہے۔وہ بھی صرف امامت کروانے کا۔ان سے ملاقات وتعارف کا بھی ذکر نہیں اور اگر کسی سے تعارف ہوتا تو اس کا ذکر بھی لازمی کرتے جیسا کہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا ہے اور ملاقات کے وقت حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ موجود تھے۔جیسا کہ حضرت قاضی صاحب کی مذکورہ بالا روایت سے متشرح ہے۔اس خط کا مضمون یہ تھا۔

''و ادع فی حضرت اللہ الرحیم ان یھبنی العشق و العرفان و العلم باسرار القرآن و العمل بالاحسان........... نیز عربی کے ام الالسنہ ہونے اور تقریر جلسہ مذاہب عالم قیمتاً بھجوانے کے ذکر کے ساتھ آخر میں حکیم الامت مولانا نور الدین کو سلام سنت الاسلام۔''اور خط پر قادیان کی مہر 13 جنوری 1897ء کی ہے(اور 11 جنوری 1897ء کی مہر ڈاکخانہ کی لگی ہوئی ہے) (الفضل 19 نومبر 1922ء صفحہ 5)

ایک قرینہ تو یہ ملتا ہے کہ بیعت سے قبل حضرت خلیفۃ المسیح اول سے آپ کا تعارف نہ تھا۔اس لئے سلام عرض کرنا کیسے ممکن تھا۔اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ جو خطوط بھی حضور علیہ السلام کی طرف سے ارسال کئے گئے۔وہ سب حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ کے تحریر کردہ ہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے دست مبارک کا ایک بھی خط نہیں لکھا ہوا۔اور نہ ان خطوط میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا ذکر ہوتا۔اور بیعت سے قبل صرف ایک دفعہ آنا ثابت ہے۔لہٰذا یہ خط شاہد ناطق ہے کہ آپ بیعت کر چکے تھے کیونکہ دوسری بار جب آپ آئے تو بیعت سے مشرف ہوئے۔

اس کے علاوہ گولیکی کے بزرگوں سے میں نے دریافت کیا جن میں سے کوئی بھی 55 / 60 سال سے کم عمر کا نہیں اور ان کی صحت عمدہ ہے اور یادداشت پر شبہ کرنے کا مجھے گفتگو میں موقعہ نہیں ملا۔ وہ سب یہ متفق طور پر کہتے ہیں کہ گولیکی میں سب سے پہلے احمدی مولوی صاحب ہیں بلکہ اس علاقہ کے پہلے احدی ہی وہ ہیں کیونکہ وہ اکثر اہل اللہ کی تلاش میں پھرتے رہے۔ اس کی صورت اس طرح پیدا ہوئی کہ مکرم نواب دین صاحب جٹ ابن میاں محمد دین صاحب نے کہا کہ گولیکی میں سب سے پہلے بیعت کرنے والے ان کے والد میاں محمد دین صاحب اور میاں قطب الدین صاحب تھے۔ جیسا کہ مکرم قریشی عبدالحق گولبازار کے بیان سے بھی عیاں ہے۔ باقی رہا حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ کو گیارہ دفعہ صدق مسیح موعودعلیہ السلام کا معلوم ہونا اس کے متعلق حضرت قاضی صاحب کا اقتباس درج ہے:۔ ’’والد صاحب کا تبلیغ کے لئے دستور عام تھا کہ وہ جن کو علم ظاہری کا دعویٰ ہوتا۔ ان سے کوئی عربی کتاب پڑھنے کو کہتے۔ بعض اوقات یہ بھی کہ اس کے معنی کرتے جاتے اور جو تصوف کی طرف مائل ہوتے اور علم باطنی کے شائق ان سے کہتے کہ آپ حضرت مرزا صاحب کے باطنی حال کے لئے توجہ ودعا کر کے مجھے بتائیں۔ غالباً اس طرح بھی کسی صاحب کو یہ غلطی لگی ہو کہ خود بھی متردد ہیں۔‘‘ (الفضل 19 نومبر 1944ء)

حضرت قاضی صاحب نے سخت الفاظ بھی استعمال کئے کہ یہ ہتک آمیز الفاظ وغیرہ ہیں اور اس پر حضرت مولانا راجیکی صاحب کا خاموشی اختیار کر لینا اور جواب نہ دینا۔ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپ کو اس امر کا احساس تھا کیونکہ اگر غلط فہمی کا احساس نہ ہوتا تو آپ لازمی طور پر یہ امر ثابت کر دیتے اور اس کے حق میں شواہد لاتے۔ مگر آپ نے ایسا نہ کیا اور حضرت قاضی صاحب برملا حضرت مولوی صاحب کی بیعت 1895ء لکھتے رہے اور کہتے رہے۔ مکرم سید بہاول شاہ صاحب (لاہور) بھی تائید کرتے ہیں کہ حضرت مولوی صاحب کی بیعت پہلے کی ہے اور مکرم مولانا راجیکی صاحب نے حضرت قاضی اکمل صاحب کے جواب میں جو چٹھی لکھی اس میں اس مفہوم کا فقرہ تھا کہ

مجھے ذھول ہو گیا ہے۔ ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا امام الدین صاحب فیض آف گولیکی اپنے علاقہ کے پہلے آدمی اور آپ کا سن بیعت 1895ء ہی درست ہے۔ **و اللہ اعلم بالصواب**

''تحصیل علوم''

آپ ایک علمی خاندان کے جگر گوشے تھے۔ ایک عالم باعمل کے نور چشم تھے۔ آپ نے عالمانہ اور صوفیاء ماحول میں آنکھ کھولی اور اس ماحول میں پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم والد صاحب سے ہی حاصل کی۔ درس نظامیہ ختم کیا اور خیالی پڑھ رہے تھے کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اس پر درس گاہ بھی آپ کو چلانا تھا اور اس شمع علم کو روشن رکھنے والا آپ کے علاوہ اس علاقہ میں کوئی نہ تھا۔ آپ نے سلسلہ درس شروع کیا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ خود بھی علم حاصل کرتے چلے گئے اور خدا کے فضل سے ہر قسم کے علم سے بہرہ ور ہوئے۔ حتیٰ کہ فارسی کی انشاء پرداشی اور شاعری بھی سیکھی اور علوم وھمیہ، رمل، نجوم، مسمریزم یعنی علم توجہ، وظائف وتعویذات بھی مطالعہ کئے۔

آپ فرماتے ہیں:۔ میں نے علوم مذکورہ کو بدرجۂ کمال تو حاصل نہیں کیا مگر اس سے میری اصل مراد تکمیل انسانیت تھی اور حصول حقانیت وروحانیت بناءعلیہ سلوک وتصوف اور مردان خدا کی صحبت کا شوق دامن گیر رہتا تھا۔ اس زمانہ میں علم حاصل کرنا آسان نہ تھا۔ کتب نہ ملتی تھیں۔ خود نقل کرنی ہوتیں مگر آپ نے ان تکالیف کا مقابلہ کیا۔ خدا کے فرشتوں نے آپ کی تائید کی جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ آپ کے دست مبارک کی متعدد نقل کردہ کتب آج بھی محفوظ ہیں اور گولیکی میں آپ کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ دو نسخے قرآن مجید کے قلمی بھی ہیں۔ جس سے آپ کے عشق قرآن کا علم ہوتا ہے۔ باوجود طبع شدہ قرآن کے آپ نے خود قرآن مجید کو لکھا۔ آپ نے صرف لفظی حفاظت کی طرف ہی توجہ نہیں کی بلکہ معنوی حفاظت بھی کی۔ قرآن کریم کے علوم سیکھنے میں آخر عمر تک کوشاں رہے اور قرآن کے مطابق زندگی بسر کرنے میں آخری سانس تک کوشاں رہے۔ آپ نے چھوٹی عمر

سے تحصیل علم شروع کیا اور آخری بیماری تک آپ علم حاصل کرنے کے شائق رہے۔ بیماری کے باوجود بھی تبلیغی و علمی مجالس میں تکلیف اٹھا کر بھی شامل ہوئے۔آپ کا جذبہ حصول علم اس حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عین مطابق تھا۔

''طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة ''''الحکمة ضالة المومن''اس کوشش کی وجہ سے خدا نے آپ کو ایک متبحر عالم بنا دیا۔اس بارہ میں حضرت مولانا سماٹری صاحب فرماتے ہیں:۔''علاقہ میں ان کی علمیت مسلمہ تھی۔ ہر قسم کے لوگ آپ کے پاس آتے تھے۔دور دور سے لوگ آپ کے پاس آتے تھے۔''

حضرت قاضی اکمل صاحب فرماتے ہیں:۔''میں نے 36 کتب تو گولیکی ہی میں تصنیف و تالیف کردی تھیں۔پھر 12 / 10 یہاں آ کر لکھیں۔اور سینکڑوں مضامین لکھے۔میں نے کبھی لغت کی کتاب نہیں دیکھی، نہ کسی کتاب کی ورق گردانی کی۔میرے لئے وہی سب کچھ تھے۔جو بھی قابل تحقیق بات ہوتی انہی سے گفتگو کر کے طے کر لیتا۔''

''درس وتدریس کا سلسلہ''

آپ کے جد امجد کی قائم کردہ دینی درسگاہ جو آپ کے والد محترم کے زمانہ میں اپنے علاقہ کی واحد دینی درسگاہ تھی جس میں زمانہ کی دجالیت کا بہت ہی کم اثر تھا اور جو کافی حد تک صحیح اسلامی رنگ میں تعلیم کا انتظام تھا اور فیج اعوج میں ایک شمع علم تھی جس میں اتباع سنت پر بہت زور دیا جاتا تھا۔ اس درسگاہ کا انتظام آپ کے خاندان کے سپرد تھا۔والد محترم کی وفات پر آپ نے اس کا انتظام خود سنبھال لیا اور درس وتدریس کے سلسلہ کا آغاز کیا۔اس زمانہ میں عالم کہلانا اور علم سکھانا آسان کام نہ تھا۔عالم وہ تصور کیا جاتا جو درسی کتب کے حواشی اور باریک در باریک نکات کو حل کردے اور فقہی مسائل کی جزئیات کا ایسا حافظ ہو کہ مسئلہ دریافت کئے جانے پر کسی پچھلی کتاب کا حوالہ نکال لے۔ مختلف علاقوں کے اہل علم نصاب نظامیہ کی اعلیٰ کتب پڑھنے کے لئے مسجد میں پندرہ بیس موجود

رہتے تھے۔لیکن اس درسگاہ میں نسبتاً کچھ جدت تھی۔قرآن وحدیث،کتاب وسنت کا بھی چرچا اور احترام تھا اور بوجہ تصوف ہاوھو کا بھی شغل رہتا تھا۔

اس کے علاوہ آپ کی علمی وجاہت کی وجہ سے آپ کو 1881ء میں دھاروو الی جوگولیکی سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے ایک پرائمری سکول میں تدریسی خدمات سپرد کی گئیں جو آپ نے نہایت دیانتداری اور محنت سے سرانجام دیں اور کبھی کسی کو شکایت کا موقعہ نہ دیا۔اس زمانہ میں آپ نے طلباء کی دینی حالت کی بھی اصلاح فرمائی۔ان کا رجحان ابتداء ہی میں مذہب کی طرف کرنے کی پوری پوری کوشش فرماتے رہے۔آپ کی توجہ اور محنت اور تقویٰ وطہارت کی وجہ کافی قابل اور مذہب سے لگاؤ رکھنے والے نوجوان میدان میں آئے اور مسلمانوں کی دینی وتعلیمی خدمات کا ان کو بیش از بیش موقعہ ملا۔اور ان میں سے اکثر اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہوئے اور کچھ انسپکٹر آف سکولز بھی مقرر ہوئے۔اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی درسگاہ کو بھی جاری رکھا۔آپ صبح کے وقت مدرسے جانے سے قبل پھر راستہ میں آتے جاتے درویشوں میں سے بعض کو نصاب نظامیہ عربیہ کا سبق پڑھاتے اور بعض کو عشاء کی نماز کے بعد۔غرض اس طرح آپ کے روز وشب علم کی اشاعت میں گذرتے چلے گئے۔اس کے ساتھ جماعت کی تربیت کا بھی خیال رکھا۔اس کے لئے صبح کی نماز کے بعد قرآن مجید کا درس شروع کر دیا اور جب تک گولیکی میں رہے کئی مرتبہ اسے ختم کیا۔اس کے ساتھ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی درس دیتے اور بخاری شریف کو درس میں ترجمہ وتشریح کے ساتھ دودفعہ ختم کیا۔ایک دو احادیث پڑھ کر ترجمہ کے بعد مختصر جامع تشریح فرماتے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد حسب ایماء راجہ احمد خان صاحب ڈسٹرکٹ انسپکٹر جو آپ کے شاگرد بھی تھے گولیکی میں مدرسۃ البنات جاری کیا۔اس سے قبل رات کو دینی مسائل مستورات کو سکھاتے تھے۔اس زمانہ میں جس میں لڑکیوں کی تعلیم جرم کے مترادف تھی اور زمینداروں کا اس پر راضی ہونا ممکن نہ تھا۔مگر کیونکہ آپ پر اعتماد تھا اس لئے مدرسہ بہت جلد بارونق ہوگیا۔آپ کی محنت وتوجہ سے

جلد ہی ان میں سے بعض لڑکیاں استانی ہونے کے قابل ہوگئیں۔تو آپ نے مدرسہ کا انتظام ان کے سپرد کردیا۔اس کی وجہ سے آج گولیکی کی اکثر خواتین تعلیم یافتہ ہیں۔خودزیورتعلیم سے آراستہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے اپنی اولاد کوتعلیم دلوائی اور آج اکثر اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہیں اور دیگر دیہات سے گولیکی میں اعلیٰ تعلیم کی نسبت بہت زیادہ ہے۔اس کے علاوہ آپ فارغ وقت میں لوگوں کوقرآن کریم پڑھاتے۔حضرت قاضی صاحب تحریرفرماتے ہیں:۔

’’آپ نے اپنے گاؤں میں بلکہ اردگرد کے دو چار گاؤں میں بھی قرآن مجید باترجمہ کئی رجال و نساءکو پڑھایااورسنایا۔‘‘1925ء میں آپ ہجرت کر کے قادیان تشریف لے آئے تو اس وقت آپ کی ایک آنکھ میں نزول الماء کی تکلیف تھی اور عارضہ فتق بھی لاحق ہوگیا تھا۔حضرت قاضی نے آرام کرنے کا مشورہ دیا۔کیونکہ اس تکلیف کے ساتھ ضعف بھی بڑھ رہا تھا مگر تھوڑے دنوں کے بعد آپ کے اردگرد بہت سے شاگرد جمع ہوگئے اوراس طرح لیل ونہار گزرنے لگے۔کئی خوش نصیب حضرات نے آپ سے مولوی،مولوی عالم اورمولوی فاضل کا کورس ختم کیااورامتحان امتیاز سے پاس کیااوربعض کومنشی عالم اورمنشی فاضل کروایا۔مردوں کے علاوہ کئی ایک خواتین بھی آپ سے تعلیم حاصل کرتی رہیں اوراس طرح انہوں نے مولوی اورادیب کے امتحان پاس کئے۔

اس کے علاوہ متفرق کلاس میں نظامت تعلیم وتربیت کی طرف سے استادمقرر ہوئے اور بعض احباب کوخودحضرت خلیفۃ المسیح الثانی آپ کے پاس بھیج دیتے۔جب مکرم حضرت نذیر احمد صاحب نے 1928ء میں زندگی وقف کی اور قادیان میں تشریف لائے توحضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حضرت مولوی صاحب کوعربی تعلیم دینے پرمقرر کیا۔آپ ایک کامیاب مبلغ بنے اور میدان عمل میں وفات پاکرشہید ہوئے۔غرض قادیان میں بھی ضعف پیری کے باوجودعلم سکھانے میں کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔یہ آپ کاروزوشب کامحبوب مشغلہ تھا جب کبھی زیادہ محنت سے روکا جاتا تو فرماتے:’’یہ تو میری غذا ہے۔‘‘حضرت مولانا سماٹری صاحب فرماتے ہیں:’’اورآپ کا یہ شوق کبھی

کم نہیں ہوا کہ لوگوں کو علم سے فائدہ پہنچایا جائے۔'' (خالد جون 1955ء)

مکرم استاذی المکرم مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی بیان کرتے ہیں: ''حضرت مولوی صاحب کو دیکھنے کا موقعہ 14 / 15 سال ملا۔ان 15 سالوں میں مسجد اقصیٰ میں کسی نہ کسی طالب علم کو پڑھاتے یا مسجد مبارک میں جب بھی ان کو دیکھا۔اس حالت میں دیکھا کہ کوئی نہ کوئی طالب علم ساتھ ہوتا۔بفضل تعالیٰ آپ پرانے زمانہ کے دروس نظامیہ میں ماہر تھے۔تفسیر،حدیث اور فقہ کے پڑھانے میں آپ کا زیادہ وقت صرف ہوتا۔ان دنوں میں مدرسہ احمدیہ کے طلباء بھی آپ سے فیض اکّا دکّا رنگ میں اور مہمان خانہ میں آنے والے اور دارالشیوخ کے ذریعہ رہائش رکھنے والے جو باقاعدہ مدرسہ احمدیہ میں رہائش نہ رکھ سکتے وہ بھی آپ سے فیض حاصل کرتے۔لیکن کبھی آپ نے کسی لالچ کے تحت علم نہ پڑھایا۔آپ نے لوگوں کو محض للہ علم سکھایا۔حضرت مولانا سماٹری فرماتے ہیں:۔آپ کو کبھی بھی میں نے ایسی بات کرتے نہیں دیکھا کہ جس سے طمع اور حرص کا پتہ چلتا ہو۔آپ بےنفس انسان تھے اور آپ جو تعلیم دیتے تھے وہ محض للہ دیتے تھے۔بڑے ہمدرد اور مخلوق کے خیر خواہ تھے۔خصوصاً طلباء سے ان کا تعلق نہایت شفقت اور احسان کا تھا۔کچھ وصول کرنے کی بجائے طلباء کی مدد کرتے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتے اور جو خدمت کرتا اسے صلہ دیتے۔نیز حضرت مولانا سماٹری صاحب فرماتے ہیں:

''مجھے اللہ تعالیٰ نے ان سے علم سیکھتے ہوئے کچھ ان کی خدمت کا بھی موقعہ دیا ہے۔ایک دفعہ میں نے خود اپنے کانوں سے سنا حضرت مولانا صاحب اپنی اہلیہ سے فرمانے لگے کہ یہ بچہ بڑا کام کرتا ہے۔اس کو روزانہ کچھ دودھ دینا چاہئے۔اسی دن سے مجھے کھانے کے بعد دودھ ملنا شروع ہوا۔''

اس کے علاوہ کتب وغیرہ بھی ان کو دیتے۔ہر سہولت کا خیال رکھتے۔تا کہ وہ علم حاصل کرتے رہیں۔اگر کسی سے غلطی ہو جاتی تو اس پر غصہ میں نہ آتے بلکہ نہایت نرمی سے اس غلطی کے نقصانات سے آگاہ کرتے اور اس کے برعکس نیکی کے فوائد ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتے اور ایسے عمدہ

طریق سے غلطی پر تنبیہ کرتے کہ آئندہ وہ طالب علم ایسا کرتے ہوئے شرم محسوس کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی درسگاہ میں اسلامی رنگ نظر آتا ہے اور طلباء میں وہ کمزوریاں نظر نہیں آتی تھیں جو اس وقت کی دوسری درسگاہوں میں تھیں اور اس وجہ سے طالب علم توجہ سے علم حاصل کرتے اور جلد ہی فارغ التحصیل ہو جاتے۔ آپ کی شفقت کی وجہ سے کبھی کسی شاگرد نے آپ کے خلاف کوئی بات نہ کہی اور نہ کبھی آپ کی شکایت کسی سے کی بلکہ ہمیشہ آپ کی تعریف کی۔ بلکہ یہاں تک کہ آپ کے ایک شاگرد جو ساتھ کے گاؤں میں رہتے تھے۔ آپ کی ہجرت کے بعد آپ کے لڑکے کو آپ کے گاؤں میں آکر پڑھاتے رہے کہ میں نے آپ کے والد سے علم حاصل کیا تھا۔

حضرت مولانا ساٹری صاحب فرماتے ہیں:۔ ''اگر کسی سے غلطی ہو جاتی تو آپ نہایت شفقت اور مہربانی سے اس کو سمجھاتے اور اس کی اصلاح کرتے۔ میں خود جانتا ہوں کہ بعض دفعہ بچپن کی وجہ سے مجھ سے کئی دفعہ ایسی حرکتیں ہوئیں جو بچپن کا ہی نتیجہ وہ سکتی ہیں۔ لیکن آپ نے نہایت نرمی اور احسن طریق سے مجھے سمجھایا۔ جس کی وجہ سے آج تک آپ کی عزت اور محبت میرے دل میں قائم ہے'' (از مضمون مولانا غیر مطبوعہ)

آپ علم کا سمندر تھے۔ جو بھی آیا تشنہ کام نہ رہا۔ علماء بھی آپ سے استفادہ کرتے۔ حضرت قاضی صاحب تحریر کرتے ہیں:۔ ''مولوی محمد صادق صاحب کنجاہی (ساٹری) پہلے گولیکی آپ سے بطور درویش پڑھتے رہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ 1925ء میں جب والد صاحب ہجرت کر کے قادیان آئے تو محمد صادق صاحب علم و فضل میں بہت ترقی کر چکے تھے۔ مگر باوجود اس کے آپ سے ایک کتاب پڑھ رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ اب آپ کو کیا ضرورت ہے؟ تو کہنے لگے کہ مولوی صاحب کا علم دریا ہے۔ اس سے کچھ نہ کچھ حاصل کر لینا چاہئے۔''

آپ کے شاگرد:

آپ کی ساری عمر علم کی اشاعت میں بسر ہوئی۔ اس لئے شاگردوں کے اسماء لکھنا ناممکن ہے۔

صرف انہیں کا ذکر کروں گا جنہوں نے سرکاری عہدے حاصل کئے یا جماعت احمدیہ میں اپنا مقام پیدا کیا۔ان میں آپ کے خاندان کے افراد شامل نہ ہوں گے۔

1۔حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ۔2۔حضرت مولوی غلام رسول صاحب وینسؓ

3۔حضرت مولوی محمد صادق صاحب سماٹری۔4۔حضرت مولوی نذیر احمد علی صاحبؓ

5۔مکرم عبداللہ ناصرالدین صاحب۔ماہر سنسکرت۔وید

6۔حافظ کرم الدین صاحبؓ۔گجرات۔7۔حضرت حافظ محمد رمضان صاحبؓ

8۔مولانا محمد اسماعیل صاحبؓ سکنہ گولیکی 9۔مولوی عنایت اللہ صاحب لنگے کی

’’غیراز جماعت‘‘

1۔راجہ احمد خان ڈسٹرکٹ انسپکٹر۔2۔قاضی فضل حق صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج

3۔اکبر علی شاہ سکنہ دھاروواله۔4۔سید احمد شاہ سکنہ جسوکے

جذبۂ تبلیغ:

ابتدا میں آپ نے احمدیت کی تبلیغ اپنے حلقہ تلامذہ تک محدود رکھی۔انہی کو مسائل سے آگاہ کرتے اور احمدیت کی طرف مائل کرتے۔پیر محمد عبداللہ صاحب کی روایت کے مطابق ان کے والد صاحب کو جب اس کا علم ہوا تو ان کو جوش آگیا۔انہوں نے کہا مولوی صاحب ڈرتے کیوں ہو۔اگر حق ہے تو ہمیں بھی سمجھاؤ۔آپ نے ان کو مسائل سے آگاہ کیا اور استخارہ کرنے کو کہا۔آخر وہ استخارہ کرنے کے بعد احمدی ہو گئے۔

اب آپ نے کھلے طور پر تبلیغ شروع کر دی۔آپ کی شدید مخالفت بھی ہوئی۔مگر آپ نے قرآن ہاتھ میں لے کر اس کی آیات پڑھ پڑھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کی حقانیت بیان کی۔سعید ارواح تو آپ کے جذبہ اور تقویٰ وطہارت سے متاثر ہو کر اور دلائل کے وزنی ہونے کی وجہ سے اس طرف مائل ہو گئیں۔مگر مخالفت پھر بھی جاری رہی۔ایک دفعہ آپ قرآن کریم ہاتھ

میں لے کر گاؤں کی دوسری مسجد میں تبلیغ کر رہے تھے کہ ایک صاحب اٹھے اور کہا کہ ''یہاں سے چلے جاؤاوراپنا قرآن بھی لے جاؤ۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔'' مگر آپ نے مخالفت کی پرواہ نہ کی اور دعوۃ وتبلیغ، تعلیم وتربیت میں رات دن کا اکثر حصہ مشغول رہتے تھے۔آپ نے کسی کو احمدیت کے ماننے پر مجبور نہ کیا۔حضرت مولانا سماٹری صاحب فرماتے ہیں کہ میری موجودگی میں غیر از جماعت احباب آپ سے تعلیم حاصل کرتے مگر آپ نے کبھی کسی کو احمدیت میں شامل کرنے کے لئے مجبور نہ کیا۔ خداوند کریم نے اپنا فضل کیا اور احمدیت گولیکی اور دیگر دیہات میں پھیل گئی۔ حضرت قاضی اکمل صاحب فرماتے ہیں:۔''ادھر والد ماجد کی جانب سے دعوت وتبلیغ، اصلاح و ارشاد کا کام برابر ہو رہا تھا۔جس کے نتیجہ میں ہمارے گھر سے مسجد تک جو گلی آتی ہے۔اس کے ساکنین احمدی ہو گئے۔''

1903ء میں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام جہلم مقدمہ میں پیشی کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کی تحریک پر بہت سے احباب گجرات گئے اور زیارت سے مشرف ہوئے اور داخل سلسلہ ہوئے۔

آپ کے پاس کثرت سے لوگ تعویذ لینے، دم کرانے اور دعائیں کرانے آتے تھے۔آپ حکمت عملی سے سب کو ان کے مذاق کے مطابق اور حالات کے موافق امام الزمان کے ظہور کی خبر دیتے اور جو اپنے آپ کو بزرگ اور صوفی سمجھتے ان سے کہتے کہ میاں توجہ کر کے معلوم کرلو کہ مرزا صاحب کا کیا درجہ ہے اور علماء کہلانے والوں سے ازالہ اوہام کے دلائل پیش کر کے ان سے آراء طلب کرتے۔عوام سے تو آپ اکثر فرمایا کرتے کہ اب تعویذ وغیرہ بے اثر ہیں۔فیوضات الٰہی ایک مامور کے ذریعہ نازل ہوتے ہیں۔ان سے رجوع کرو۔غرض جو کسی بھی غرض سے آپ کے پاس آتا آپ اس کو اس کے حالات کے اور ذوق کے مطابق تبلیغ ضرور کیا کرتے تھے۔ذاتی نقصان، دکھ تکلیف وغیرہ کسی کا خیال آپ کو اس فریضہ سے نہ روک سکا۔آپ نے ابتداء اپنے گھر سے کی۔ جب بیعت کر کے واپس آئے تو گھر والوں کو اس نور سے منور کیا اور جلد ہی آپ نے اپنی والدہ،

بیوی، تینوں بہنوں اور دونوں لڑکوں کے نام بیعت کے لئے بھیج دیئے۔آپ کے سب سے چھوٹے برادر نسبتی پیر بہاول شاہ جو آپ کے پاس پڑھا کرتے تھے بیعت کی۔اسی طرح پیر شیر عالم صاحب نے آپ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر بیعت کی۔

حاجی پیر غلام غوث محمد صاحب جو بغیر اطلاع گھر سے چلے گئے اور پا پیادہ بمبئی پہنچے وہاں سے بحری جہاز کے ذریعہ مکہ معظّمہ پہنچے وہاں سے 1894ء میں لوٹے۔انہوں نے بھی آپ کی تبلیغ سے بعد از استخارہ 1897ء تک کسی وقت میں قادیان حاضر ہو کر دستی بیعت کی۔اس طرح پیر خاندان میں سے نصف احمدیت سے مشرف ہوگئے اور گولیکی میں احمدیت مستحکم ہوگئی۔

حضرت مولوی صاحب نے تبلیغ ہر اس شخص کو کی جس سے آپ کا کسی بھی قسم کا تعلق تھا۔اس وجہ سے جسوکی، سدوکی، دھارووالہ، خوجیانوالہ اور سعد اللہ پور دیہات میں احمدیت پھیل گئی۔قریب کے موضع میں ایک بزرگ شاہ صاحب رہتے تھے۔ان سے آپ کے تعلقات تھے۔آپ ہر اتوار کو ان کے پاس جایا کرتے۔آخر ان کو بھی خدا نے احمدیت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

حضرت قاضی اکمل صاحب فرماتے ہیں:۔’’دعوت و تبلیغ، تعلیم و تربیت میں رات دن کا اکثر حصہ مشغول رہتے۔‘‘ جب آپ ہجرت کر کے قادیان تشریف لے آئے تو یہاں آکر یہ جذبہ اور بڑھ گیا۔حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں:۔’’ہر ایک وعظ ہر جلسہ میں اول سے آخر تک اپنی شمولیت ضروری سمجھتے اور یوم التبلیغ وغیرہ میں حصہ لیتے۔میں نے بارہا کہا کہ آپ باہر کسی گاؤں میں نہیں جا سکتے۔قدم تو آپ کے لڑکھڑاتے ہیں۔مگر فرماتے ’’یہ ضروری ہے‘‘ اور کمر کس کر مضافات کے کسی گاؤں میں پہنچ ہی جاتے۔گو واپسی میں تھکان کی وجہ سے کئی دن بیمار رہتے۔‘‘

(الفضل 27 اپریل 1940ء)

آپ جذبہ تبلیغ سے دوسروں کو بھی سرخرو دیکھنا چاہتے تھے۔اپنے دونوں لڑکوں کو تبلیغ کی طرف توجہ دلاتے رہتے۔جب آپ ہجرت کر کے قادیان چلے گئے تو وہاں سے مولوی اجمل صاحب کو

خط لکھا جس میں تبلیغ کی طرف توجہ دلائی۔فرمایا:۔''نماز دینیات قرآن کریم لازم کرو۔میں تو اب قبر میں جانے کو تیار ہوں تم روزگار بھی کرو اور نماز، تعلیم، تعلم سلسلہ کے کام میں لگ جاؤ۔تبلیغ کیا کرو۔''اس خط کے ایک فقرہ سے آپ کے جذبہ تبلیغ کا ایک ہلکا سا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کوئی موقعہ تبلیغ کا خالی نہ جانے دیتے تھے۔فرمایا''میری طرف سے تبلیغ کے لئے ایک سورہ''ایک حدیث ملفوظات سنا دیں''۔

''ہجرت''

ہجرت تکمیل ایمان کا ذریعہ بھی ہے اور علامت بھی۔آپ نے اکتوبر 1925ء میں ہجرت کی۔ ابتداء میں آپ نے ہجرت اس وجہ سے نہ کی کہ جماعت کی تعلیم وتربیت پر اثر پڑتا ہے۔اور اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے آپ کو ہجرت کی اجازت نہ دی اور آپ کا قیام گولیکی میں ضروری قرار دیا۔مارچ 1924ء میں جب آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوا۔آپ بھی ضعیف ہو چکے تھے اور جماعت بھی مستحکم ہو چکی تھی۔آپ پر زور بھی دیا جا رہا تھا کہ اب آپ ہجرت کر کے قادیان تشریف لے آئیں۔حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کا آپ کے نام ایک خط ملا ہے۔

'بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قادیان 14-10-6 مخدومی حضرت مولانا المکرم السلام علیکم۔

گولیکی میں آپ بہت کچھ لے دے چکے۔اب وہاں کا بہی کھاتہ ختم کیجئے اور قادیان کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز کیجئے۔ارض مسیح کو آپ جیسوں کی ضرورت اور آپ کو ارض مسیح میں رہنے کی ضرورت۔سونے پر سہاگہ۔کہتے ہیں دنیا چند روزہ ہے اور آپ کو تو معلوم نہیں اس سے بھی کتنے باقی ہیں۔گولیکی چھوٹا گاؤں ہے۔مشعل نور اس کے واسطے کافی ہوگی۔آپ یہاں آ جائیں۔ برہمن بھی آخری عمر بنارس میں جا گزارتا ہے۔آپ تو موحد ہیں۔والسلام۔''

اس پر آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہجرت کی اجازت طلب کی۔

اجازت ملنے پر آپ اکتوبر 1925ء میں ہجرت کر کے آ گئے اور پھر یہیں کے ہو گئے۔

ابتداء میں آپ حضرت قاضی صاحب کے پاس ٹھہرے۔ پھر تکمیل ہجرت کا خیال آیا تو ایک روز قاضی صاحب کو کہا کہ ایک فرزند گولیکی ہے اور دوسرے تم یہاں ہو۔ اگر میں تمہارے پاس رہوں تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں نے ایک لڑکے سے جدا ہو کر دوسرے کے پاس رہائش اختیار کر لی ہے۔ اس پر حضرت قاضی صاحب نے حقوق والدین کے کافی دلائل دیئے۔ مگر آپ نہ مانے اور حسب منشاء پاس ہی ایک مکان کرایہ پر لیا اور اس میں سکونت اختیار کر لی۔ علم کے متلاشی آپ کے گرد جمع رہتے اور ان کے آنے کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ جس وقت چاہتے آ جاتے۔ یہ لوگ آپ کی خدمت بھی کیا کرتے تھے۔ آپ نے ایک آرام دہ زندگی چھوڑ کر ہجرت کی اور پھر اپنے لڑکے کے پاس بھی نہ ٹھہرے الگ مکان میں درویشانہ زندگی بسر کی اور وہ بھی آخری عمر میں۔ یہ وہی کر سکتا ہے جس کو خدا پر زندہ ایمان ہو اور اس کا سینہ نور یقین سے منور ہو۔ میرے مطالعہ میں کسی اور مہاجر صحابی نے ایسا نہیں کیا کہ قادیان میں عزیز کو چھوڑ کر تکمیل ہجرت کی خواہش میں الگ رہیں ہوں۔

حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں:۔ ''جن حالات میں شب و روز اپنے وطن میں رہتے تھے۔ ان کو چھوڑ کر اس عمر میں بخوشی مسافرت میں رہنا ایک بہت بڑی قربانی تھی۔ جس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جو آپ کو اپنے وطن سابقہ میں دیکھ چکے تھے۔ یہاں بالکل درویشانہ حالت میں رہے''۔ اس امر کی شہادت حضرت مولانا ساٹری صاحب کے مضمون کے اس اقتباس سے ملتی ہے۔ بیان کرتے ہیں: ''اپنی عمر کے آخری سالوں میں آپ قادیان ہجرت کر کے تشریف لے آئے اور میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے اپنی خوشحال اور آرام کی زندگی کو ترک کر کے قادیان شریف میں بڑی تکلیف کی زندگی بسر کی۔ لیکن آپ کی زبان سے کبھی حرف شکایت نہیں سنا''۔

تقویٰ

آپ ایک عابد، زاہد، متقی و پرہیز گار، مستجاب الدعوات اور صوفی منش بزرگ صحابی تھے۔ آپ

نے صوفیانہ ماحول میں آنکھ کھولی اور سن شعور سے آپ کو تصوف کا شوق پیدا ہوا۔اس کے حصول میں مختلف وظائف کرتے رہے۔مگر دیگر اولیاء کہلانے والوں کی طرح آپ نے اتباع سنت کو ترک نہیں کیا بلکہ شدت سے اس کی پیروی کی اور دیگر صوفیاء سے متنفر ہونے کی ایک اور وجہ تھی کہ وہ اتباع سنت کو وقعت نہ دیتے تھے اور آپ کے نزدیک یہ ممکن نہ تھا کہ سنت کو چھوڑ کر انسان خدا کو پا سکے۔

اس لئے ابتداء سے ہی آپ وظائف کے ساتھ عبادت بھی بہت کرتے اور کرتے بھی عین سنت کے مطابق۔بچپن، جوانی اور پیری، ساری عمر کے کسی حصہ کا مطالعہ کریں تو آپ کو عبادت کا جذبہ موجزن ملے گا اور انتہائی کوشش نظر آئے گی اس کو پورا کرنے کے لئے۔بچپن میں فرائض ونوافل کے علاوہ قرآنی علوم حاصل کرنے میں دن رات کا خیال نہ کیا اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے میں کوشاں رہے۔ابتداء شباب میں والد صاحب وفات پا گئے۔گھریلو ذمہ داریوں کے علاوہ درسگاہ میں تعلیم دینا بھی آپ کے سپرد تھا۔مگر اس زمانہ میں بھی ان دونوں کی کماحقہ ادائیگی کے ساتھ آپ اکثر عبات کرتے نظر آتے ہیں۔صبح کی نماز کے بعد مسجد کے صحن میں مراقبہ میں بیٹھنا اور ظہر کے بعد گاؤں کے شمال کی جانب کنوئیں پر جا کر ٹھنڈی چھاؤں میں آرام کرنے کی بجائے ذکر الٰہی میں مشغول رہنا اور رات کو عشاء کی نماز کے بعد فجر تک گاؤں کی جنوب مغربی فضا میں ساری ساری رات سجدوں میں گزار دینا۔غرض ''دست بکار، دل بیار'' والا معاملہ تھا۔لوگ آپ کی عزت کرتے۔

حضرت مولانا ساٹری صاحب بیان کرتے ہیں:۔''آپ بڑے متقی انسان تھے۔میں ڈیڑھ دوسال تک آپ سے تعلیم حاصل کرتا رہا۔میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی شخص نے آپ کے خلاف کبھی کوئی بات کی ہو۔مرد کیا عورتیں کیا سب آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔جب آپ کوئی بات کسی کو کہتے تو میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کو کبھی رد کیا ہو''۔(از مضمون مولانا غیر مطبوعہ)

قادیان میں جب کہ آپ ضعف پیری کے علاوہ مختلف عوارض میں بھی مبتلا تھے۔یہ حال تھا کہ بلاناغہ ہر نماز باجماعت مسجد مبارک کی صف اوّل میں ادا فرماتے۔

گیارہ بجے رات نوافل سے فارغ ہوکر بستر استراحت پر جاتے اور لازمی طور پر تین بجے تہجد کے لئے بیدار ہوتے۔اس بارہ میں حضرت قاضی اکمل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

’’میں نے اپنے ہوش میں کبھی نہیں دیکھا کہ اس میں ناغہ ہوا ہو۔لیکن مہینے میں کئی راتیں ایسی بھی آتیں جب وہ نصف اللیل اور گاہے گاہے 3/2 رات نماز وقرآن مجید پڑھتے رہتے تھے‘‘۔

ظاہری طور پرآپ قوی اور مضبوط معلوم نہ ہوتے تھے مگر ریاضت وعبادت کا جذبہ وبرکت تھی کہ وہ مسجد مبارک کی دو منزلہ چھت پر بلا کسی سہارے چڑھ جاتے اور اتر آتے۔صلوات خمسہ کے علاوہ جمعہ کے دن حجامت اور غسل اور کپڑوں کی تبدیلی میں کبھی کسی موسم میں ناغہ نہ کرتے تھے۔ اگرکسی وجہ سے گرم پانی نہیں ملا تو ٹھنڈے پانی سے بھی دریغ نہ کیا کرتے تھے۔طہارت کا اس قدر خیال تھا کہ عمر کے آخری ایام میں بھی وضو سے نماز پڑھنا پسند فرماتے اور تاکید فرماتے کہ مجھے غسل کرادو تاکہ میرا بدن ناپاک نہ ہو۔حضرت مولانا ساٹری صاحب بیان کرتے ہیں’’باوجود نہایت کمزور اور بڑھاپے کے آپ کی کوشش یہی ہوتی کہ نماز باجماعت مسجد مبارک میں ادا کی جائے۔‘‘عید کے روز حصول ثواب کے لئے نماز فجر کے بعد عیدگاہ کو پیدل چلے جاتے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کر کے واپس تشریف لاتے۔باوضو رہنے کی بہت کوشش کرتے۔دن کو باوضو رہتے اور رات تازہ وضو کر کے بستر پر جاتے۔

تلاوت قرآن پاک

قرآن آپ کی جان تھی اور تلاوت قرآن روح کی تسکین۔ابتداء سے ہی عاشق قرآن تھے۔ باوجود دیگر وظائف کے آپ نے تلاوت قرآن میں ناغہ نہ کیا۔اکثر قرآن کا مطالعہ کیا اور صوفیاء کے اقوال وافعال کو معیار قرآن پر پرکھا۔آپ کثرت سے تلاوت کیا کرتے تھے اور تدبر کیا کرتے۔ تلاوت کا یہ عالم تھا کہ ہر ماہ کی 29 تاریخ کو قرآن ختم کر دیتے تھے۔آپ تبلیغ ہمیشہ قرآن سے کرتے اور اس سے ہی ان پر مسئلہ واضح کر دیا کرتے۔

روزے واعتکاف

خدا کے فضل سے آپ سن شعور سے ہی عبادات صحیح رنگ میں بجالانے میں کوشاں رہتے تھے۔ ماہ رمضان میں روزے رکھتے اوراعتکاف ہر سال بیٹھتے تھے۔

حضرت قاضی اکمل صاحب فرماتے ہیں:۔''اعتکاف گولیکی میں تونہیں چھوڑا۔قادیان میں بھی یہ دستور جاری رکھا۔'' آخری عمر تک آپ روزے خاص اہتمام سے رکھتے۔آخری پانچ چھ سالوں میں جب آپ سے کہا جاتا کہ آپ شیخ فانی ہیں اور''**والذین یطیقونه** ....'' کے حکم میں آتے ہیں تو ایسا کیا کرتے کہ ایک ماہ قبل ہی حساب کرکے پانچ روپے فدیہ طعام مساکین کے لئے ادا فرما دیا کرتے اور جب رمضان کا مبارک مہینہ شروع ہوتا تو روزے رکھنا شروع کردیتے۔ جب آپ سے کہا جاتا کہ آپ شیخ فانی ہیں اور فدیہ بھی دے چکے ہیں تو آپ فرماتے''**و ان تصوموا خیر لکم**''۔ایک روز شام گھر تشریف لائے اور حضرت قاضی صاحب سے کہا کہ آج مولوی سرور شاہ صاحب نے مجھے جھڑکا ہے۔حضرت قاضی صاحب کو تعجب ہوا اور فکر بھی دامنگیر ہوئی کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ کس وجہ سے جھڑکا گیا ہے؟ تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ متواتر روزے رکھنے اور شب عبادت میں بسر کرنے کی وجہ سے مسجد میں غش آگیا۔مگر افطار نہ کرتے تھے۔اس پر حضرت مولانا سرور شاہ صاحب نے فرمایا''کہ مولوی صاحب آپ کیوں تکلیف مالا یطاق کرتے ہیں اور شریعت کی اجازت سے فائدہ نہیں اٹھاتے''۔مومن کا ہر قدم آگے کو بڑھتا ہے۔آپ بھی اس پر قانع نہ ہوتے بلکہ ہر روز ایک نئے جذبہ اور ولولہ سے اس میں ترقی کرتے اور حدیث میں **استواہ یومین فھو معنون** کے خلاف ہر روز ایک نئی امنگ، نئے جذبات خدمت و جوش عبادت کے ساتھ بیدار ہوتے۔

''انفاق فی سبیل اللہ''

صدقہ وخیرات بھی آپ بہت کیا کرتے تھے۔حدیث کے مطابق اس قدر اخفاء ہوتا کہ اولاد کو

بھی علم نہ تھا۔ آپ کی وفات پر علم ہوا کہ کئی یتیم لڑکوں کی آپ مدد کیا کرتے تھے اور کئی بیوہ اور غریب عورتیں ہیں جن کی مالی امداد فرمایا کرتے تھے۔ اور آپ کا یہ جذبہ اس قدر تھا کہ صدقہ وخیرات کے لئے قرض لے لیتے اور پھر ادا کر دیتے۔ آپ نے ان بچوں کے لئے دن مقرر کئے ہوئے تھے۔ وہ اس دن آتے اور مقررہ رقم لے جاتے۔ اس کے علاوہ سال میں دو تین بار اپنی سب اشیاء لباس، جوتا، بستر، کتابیں حتیٰ کہ چھڑی بلا تامل فقیروں کو دے دیتے۔ مساکین کو کھانا کھلانے کا اس قدر خیال تھا کہ گھر سے کھانا منگواتے اور کبھی لنگر سے اور ان کو کھلاتے۔ اسی طرح اپنے کھانے میں سے کتے کو بھی ضرور ڈالتے اور فرمایا کرتے **وفی اموالھم حق للسائل والمحروم**۔

چندے

اس کے علاوہ آپ ہر ایک چندہ جس کی تحریک سلسلہ کی طرف سے ہو اس میں حصہ لینا اپنا فرض سمجھتے اور اس کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے۔ ایک موقعہ پر ریزروفنڈ کی تحریک پر آپ نے اپنے تمام شاگردوں کو خطوط لکھے اور مصمم ارادہ کیا کہ ایک سو روپیہ جمع کرانا ہے۔ اسی طرح تحریک جدید میں برابر حصہ لیتے رہے اور آخری سال جلسہ سالانہ سے قبل قاضی صاحب سے کہا کہ اب میرا وقت ختم ہو رہا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ باقی پانچ سال کا چندہ بھی یکمشت ادا کر دوں۔ نیز فرمایا کہ میں نے ایک کشفی نظارہ دیکھا ہے جس میں یہ اعلان ہوا ہے کہ ''مولوی امام الدین بیس روپے''۔ اس لئے بیس روپے میری جانب سے جمع کروا دو۔ اس پر قاضی صاحب کو جدائی کا احساس ہوا اور محبت کی وجہ سے اس کی یہ تاویل کی ''کہ کم از کم شرح پانچ روپے سالانہ کے حساب سے ابھی چار سال اور آپ زندہ ہیں''۔ اس پر آپ نے فرمایا ''کہ بہانے نہ سکھاؤ اور دفتر میں رقم ادا کر کے مجھے رسید لا کر دو''۔ جلسہ کے بعد جنوری میں اچانک کچھ ایسے بیمار ہو گئے کہ چار پائی سے خلاف معمول اٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس وقت آپ کو پھر چندہ تحریک کی فکر ہوئی اور سختی سے تاکید کی کہ بیس روپے ادا کر دو۔ اس پر حضرت قاضی صاحب نے آئندہ سالوں کی رقم جمع کرا کے رسید پیش کر دی۔ تو آپ کو

اطمینان قلب ہوا۔اس کے علاوہ آپ کی وصیت 7 / 1 حصہ کی تھی۔اس کے لئے ایسا التزام تھا کہ وفات کے بعد جب ان کا حساب دیکھا تو حصہ جائیداد بھی ادا کر چکے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے کتب خانہ کی قیمت ڈالی اوراس کا حصہ زکوٰۃ ادا کر دیا۔اسی طرح ماہوار آمد کا حساب بھی باقاعدہ ختم تھا۔

''تربیت اولاد''

آپ نے اپنے گھر کا ماحول ہی سنت کے مطابق بنا دیا تھا اور ابتدا سے اولاد کے دل میں علم کی قدر پیدا کر دی اور اتباع سنت کی فضیلت۔جس سے آپ کی اولاد بچپن سے ہی دوسروں سے ممتاز رہی اور حصول علم کے شوقین۔آپ نے قول کی بجائے فعل سے تربیت کی۔اس کے علاوہ اپ نے اپنی اہلیہ محترمہ کو صحیح اسلامی رنگ میں رنگین کر دیا۔جس کی وجہ سے آپ کو تربیت اولاد میں زیادہ تگ ودو نہیں کرنی پڑی۔لیکن اولاد کے جوان ہونے پر آپ نے واعظانہ رنگ بھی اختیار کیا اور کبھی کبھی زجر کی ضرورت پڑی تو زجر بھی کی۔گھر سے باہر واعظانہ رنگ اختیار نہ کرتے مگر گھر میں آکر کچھ نہ کچھ نصائح پر زور فرماتے۔ہجرت کے بعد حضرت قاضی صاحب کو تو زبانی نصائح فرماتے لیکن مولوی نور احمد صاحب کو خطوط میں ضرور نصائح فرماتے تھے۔بلکہ خطوط پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ حالات ومحبت کا اظہار کم اور نصائح زیادہ فرماتے تھے۔ان خطوط میں سے ایک دو اقتباس نقل کرتا ہوں۔

18۔اپریل 1938ء کے خط میں فرمایا:''خدا تعالیٰ کے حضور تم بھی اور لڑکیاں محمودہ عبدالسلام عاجزی سے دعا کرو۔نمازیں بحضور دل سب پڑھیں۔..................محنت کرو۔پڑھانا، ہاتھ سے کام کرنا چاہئے۔پھر اپنی محنت کر کے مانگو اور کسی سے سوائے خدا تعالیٰ کے حاجت نہ مانگو۔اللہ کے بے انت خزانے ہیں۔وہ ارحم الراحمین ہے۔دیتا ہے۔'' دوسرے خط میں کام کرنے اور تبلیغ کرنے کا ذکر ہے:''لڑکے لڑکیاں کام کرنا سیکھیں۔ہوسکے تو بھینس خریدو، مرغیاں رکھو، صابون، ادویہ بنا کر

تجارت کرو۔نماز دینیات قرآن کریم لازم کرواور نماز،تعلیم،تعلم،سلسلہ کے کام میں لگ جاؤ۔تبلیغ کیا کرو۔''

ایک خط میں اپنے پوتے عبدالسلام مرحوم کو نصیحت فرمائی ہے ''............تو کسب لوہارا، ترکھانا، درزی، جلد سازی، خوشخطی، برتن سازی، دکانداری، کاشتکاری وغیرہ سیکھے۔کیا لعنتی کام سوال از الانام میاں کیا کرو گے۔''

آخری دو تین سالوں میں آپ نے نصائح کا رنگ تبدیل کرلیا۔اوراب صرف قرآن کی آیت یا حدیث یا مناسب حال کوئی فارسی شعر پڑھ دیتے جیسا کہ حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں:۔

''اب دو تین سالوں سے میرے ساتھ ان کا یہ معاملہ تھا کہ جو کہنا مناسب سمجھتے اس کے مطابق کوئی نہ کوئی آیت یا حدیث یا فارسی شعر پڑھ کر چلے جاتے۔ **ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیر ما بانفسھم** تو اکثر مجھ پر تلاوت فرمائی۔''

عشق رسول و مسیح موعود و خلفاء

ابتداء سے ہی آپ کو خدا اور رسول سے محبت تھی۔کیونکہ گھر کا ماحول اسلامی تھا۔آپ نے قرآن کو بڑے شوق سے سیکھا اور سکھایا کہ خدا کے احکام معلوم ہوں اور اس کے مطابق عمل کیا جائے اور احمدیت کا مطالعہ کیا کہ تا سنت کے مطابق عمل کرسکوں۔آپ سنت کے خلاف عمل نہ دیکھ سکتے اور نہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف کوئی ہتک آمیز الفاظ برداشت کر سکتے۔ایسے موقعوں پر جذبات میں آجاتے۔سنت پر عمل نہ دیکھ کر آپ نے بڑے بڑے اولیاء وصوفیاء اور فقراء کی ہم نشینی چھوڑ دی۔حالانکہ آپ ان کے خلیفہ بن سکتے تھے۔مگر اس امر نے آپ کو ان سے بیزار کر دیا۔فرماتے تھے جب ان اعمال کو قرآن وحدیث بیان نہیں کرتے تو میں ایسا کیوں کروں؟ صحیح اتباع سنت کی تلاش میں اس قدر سفر کئے کہ ہرجائی کہلائے۔اس شوق کو دیکھ کر خداوند کریم نے آپ کو ایک گمنام بستی سے لاکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دیا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے خاص

عشق تھا۔ آپ کی کتب بڑے پیار وشوق سے مطالعہ کرتے۔ جس مجلس میں بیٹھتے آپ کے محامد بیان فرماتے۔ ہر سال آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کبھی خالی ہاتھ ملاقات نہ کی۔ آپ کو قادیان سے بہت محبت تھی۔ ایک موقعہ پر قاضی اکمل صاحب نے خط میں صحرائے بیوطنی لکھ دیا۔ جس پر آپ نے تحریر فرمایا: ''مجھے تعجب ہوا۔ آپ نے دارالامان میں ہو کر صحرائے بیوطنی میں رہنا بیان کیا۔ جانِ من! قادیان کو صحرائے بیوطنی قرار دینا ایک محبت رسول کے شان سے بہت بعید ہے۔ واللہ! مدینۃ الرسول یعنی قادیان ہر ایک وطن عزیز سے خوشتر اور زیادہ محبوب ہے۔ کیا آپ صحرائے بیوطنی میں ہیں جنت فردوس میں؟'' اس کے ساتھ ایک نظم بھی اس مضمون کی لکھی۔ یہ عشق تھا کہ آپ نے آرام دہ زندگی چھوڑ کر آخری عمر میں قادیان میں قاضی صاحب کے مکان کو چھوڑ کر درویشانہ زندگی بسر کی اور کبھی کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عشق کے متعلق حضرت مولانا سماٹری صاحب کی روایت ہے: ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر آنے پر آپ پر ایک عجیب قسم کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی''۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے زمانہ میں بھی ہر سال حاضر خدمت اور آپ کے ہر فرمان پر عمل کرتے۔ اس طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ذات بابرکات سے ازحد عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ جب بھی کسی مجلس میں بیٹھے یا گھر میں تشریف رکھتے حضور کے محامد میں سے کچھ نہ کچھ بیان فرماتے۔ باوجود ہر روز مسجد میں زیارت کر لینے کے پندرھویں بیسویں دن حضور کی ملاقات کے لئے قصر خلافت میں جاتے اور ہاتھ سے حضرت قاضی صاحب کو اشارہ کرتے کہ مجھے کچھ نقدی دے دو کیونکہ آیت تقدموا بین یدی صدقة کے مطابق خالی ہاتھ ملنا جائز نہ سمجھتے تھے۔ حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں: ''اور اکثر فرماتے کہ مجھے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا مقام و مرتبہ درجہ خود نہایت واضح طور پر بتایا گیا ہے اور مجھے اس پر علی وجہ البصیرۃ ایمان

ہے۔‘‘

''سادگی ولباس‘‘

آپ کی زندگی بہت سادی تھی۔تکلفات سے دور رہتے اور نمائش سے متنفر تھے۔آپ کی سادہ زندگی پر حضرت مولانا سماٹری صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔’’حضرت مولانا کی زندگی بڑی سادہ تھی۔ آپ کو عام طور پر کرتا اور چادر پہنے دیکھا ہے۔کبھی پاجامہ پہنے نہیں دیکھا۔البتہ قادیان میں میں نے دیکھا کہ سردیوں میں انہوں نے گرم پاجامہ پہنا ہوا ہے۔آپ ہمیشہ پگڑی استعمال کیا کرتے تھے۔ جہاں تک میرا مطالعہ ہے کہ آپ کا کھانا بھی سادہ تھا۔دہی،لسی اور گھی اور دودھ جو دیہاتی زندگی میں عام استعمال ہوتا ہے۔جب میں آپ کے پاس پڑھنے کے لئے گیا تو میں نے دیکھا کہ آپ ہر جمعہ کے دن مہندی کا استعمال کیا کرتے تھے۔داڑھی اور سر کے بال لمبے تھے۔البتہ جب بالکل کمزور ہو گئے تو قادیان میں دیکھا کہ مہندی کا استعمال چھوڑ دیا۔‘‘استاذی المکرم مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی کی روایت سے بھی ان بیان کردہ اوصاف کی تائید ہوتی ہے۔

انکساری

آپ بڑے منکسرالمزاج تھے۔کبھی اپنی علمیت کا رعب ڈالنے کی کوشش نہ کی اور نہ اپنی بزرگی کا اظہار کیا۔باوجود عالم وفاضل ہونے کے چھوٹے سا چھوٹا مسئلہ دوسرے سے خواہ وہ اپنے شاگرد کا بھی شاگرد ہو نہایت متواضع رنگ میں پوچھ کر پھر اس پر عمل کرتے۔

وفات

اس طرح آپ صاحب کشف والہامات اور مستجاب الدعوات تھے۔لیکن انکساری کا یہ عالم تھا کہ کبھی اپنے متعلق زیادہ ذکر نہیں فرمایا اور نہ اپنی باطنی حالت ظاہر کی۔سوائے اپنی عمر کے متعلق پیش از وقت بتا دیا۔فرمایا خدا کے فرشتے نے مجھے بوضاحت بتایا ہے کہ اور میرے سامنے ایک کاغذ پر لکھا ہے کہ 87....91۔ جس سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ 91 سال عمر ہے۔آج کل 87 سال ہے۔

خاندان کی تاریخ میں لکھا ہے کہ میری وفات کی تاریخ چراغ دین کامل ہے۔

حضرت قاضی اکمل صاحب فرماتے ہیں:۔''1927ء میں غالباً مجھے فرمایا کہ مجھے 13 کا ہندسہ اپنی عمر کے متعلق دکھایا گیا ہے۔'' اس کے تیرہ سال بعد 12 اپریل 1940ء سوا آٹھ بجے شام نہایت طمانیت وسکون کے ساتھ واصل حق ہوئے۔ **اللھم اغفر لہ واکرم نزلہ**

ہر آنکہ زاد نا چار بایدش نوشید
زمام دھر منے کل من علیھا فان

آپ کی وفات پر حضرت اکمل صاحب نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:۔ ع

ابی حضرت امام الدین فاضل
جو خاص اصحاب مہدی میں تھے شامل
معلم متقی، عابد، مہاجر
شریعت کے طریقت کے بھی عامل
ادا حق خوب فرمایا ہے اس کا
وہ جس بار امانت کے تھے حامل
دعائیں مستجاب ان کی تھیں اکثر
کہ تھے خاصان حق میں آپ شامل

چراغ دین ہے تاریخ ولادت 1268ھ
وفات ان کی چراغ دین کامل 1351ھ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مرجوع الی اللہ نے آپ کی وفات کے بعد فرمایا:۔

''قاضی اکمل صاحب کے والد مولوی امام الدین صاحب جو چند سال ہوئے فوت ہو چکے ہیں۔ بہت مخلص آدمی تھے۔ ضعیف العمری کے زمانہ میں بھی نماز باجماعت کا شوق رکھتے تھے۔''
(الفضل 18 نومبر 1942ء ص4)

حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:۔

آہ مولوی امام الدین صاحب مرحوم

حضرت مولوی امام الدین صاحب ساکن گولیکی سے میرا تعارف، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات میں ہوا۔ جبکہ ان کے بیٹے اکمل صاحب کے مضامین اخبار بدر میں چھپنے لگے۔ اور اس کے بعد جلد اکمل صاحب کے خود بدر کے ایڈیٹوریل سٹاف میں شامل ہو جانے کے ساتھ حضرت مولانا صاحب کے ساتھ تعلقات اور بڑھ گئے۔ اور آخر تک قائم رہے۔ حضرت مولانا صاحب اس عاجز پر بہت ہی شفقت و محبت رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ میں ہر نماز میں آپ کے واسطے دعا کرتا ہوں۔ ان کی دعائیں میرے لئے ایک بڑا سہارا تھیں۔ اور ان کی وفات میرے واسطے ایک بڑے صدمہ کا موجب ہوئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

حضرت مولانا صاحب ایک جید عالم اور عارف تھے۔ اور حضرت مسیح موعود کی صداقت پر ایک عالمانہ و عارفانہ یقین کے ساتھ نہایت پختگی سے قائم تھے۔ پہلے گولیکی میں رہائش تھی پھر ہجرت کر کے قادیان چلے آئے۔ اور یہاں متفرق جماعت میں اور اس کے علاوہ بھی مولوی فاضل کلاس اور اس کے اوپر دینیات کی جماعت کے طلباء کو پڑھانے میں مصروف رہتے تھے۔ باوجود پیرانہ سالی اور ضعیفی کے ہر نماز باجماعت ادا کرتے۔ اور باقاعدگی سے تہجد پڑھتے۔ آپ صاحب کشف و الہامات تھے۔ مجھے جب بھی کبھی کسی امر کے واسطے استخارے کی ضرورت ہوئی۔ تو خود استخارہ کرنے کے علاوہ ان سے بھی استخارہ کراتا۔ اور ان کے کشوف و الہامات سے ہمیشہ راہنمائی اور اطمینان حاصل ہوتا۔ ان کا وجود ہمارے واسطے بہت ہی برکتوں کا موجب تھا۔ اللہ تعالیٰ ایسے بابرکت وجود جماعت میں بہت سے پیدا کرے اور ان کی اولاد کو ان کے نقش قدم پر چلنے اور قرب الٰہی حاصل کرنے اور روحانیت میں اعلیٰ ترقیات پانے کی توفیق بخشے آمین۔ (الفضل 20 اپریل 1940ء)

حضرت مولوی صاحب ایک خدا ترس عبادت گذار، منکسر المزاج بے ریا طبیعت کے مالک

تھے۔ اسلام کی تبلیغ کے لئے کوشاں، عالم باعمل، معلم درس وتدریس کو غذا کے طور پر اپنانے والے مدرس صوفی منش عظیم انشان تھے۔

آپ کے اوصاف احاطہ تحریر میں لانے دریا کو کوزہ میں بند کرنے کے مترادف ہے۔

آپ کے یہ حالات مندرجہ ذیل ماخذوں سے اخذ شدہ ہیں۔ آپ کے قلم سے تحریر شدہ حالات ، (الحکم 21 اگست 1935ء اور 7 جون 1934ء) حضرت قاضی صاحب کے تحریر کردہ اور قاضی صاحب کے تحریر کردہ (الفضل 27 اپریل 1940ء بدر 23 نومبر 1965ء) اور قاضی صاحب کے تحریر کردہ غیر مطبوعہ حالات زندگی (الفضل 19 نومبر 1942ء اور زبانی روایات)

حضرت مسیح موعود کے مکتوب

(1) حضرت مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت اقدس میں ایک منظوم خط لکھا۔ جس کا جواب حضور علیہ السلام نے نثر میں دیا۔ دونوں درج ہیں۔

یا مسیح الخلق عدوانا فاحس بالالیم	انھنی من سوء عادانی بامراض سقیم
نفس الامارۃ السوء تغلبنی لسوء	قلبی المغلوب یعمی عن صراط مستقیم
یک نظر از رحمتے فرما بحال زار من	دستگاری یابم از بد عادت طبع لئیم
در حضور قادر غفار رحمان العباد	دست برداری دعا را بر این عاجز اثیم
ناتواں را دہ توانائی بہمت از دعا	تا کہ باشد صالح صادق بافضال رحیم
نورے از عشق دل افروز و ہوا سوزم بنجس	رحمتے بر ظمتم اے نیر نور عظیم
متے بشافتم در جستجوئے مرد حق	تا............ بشناختم مہدی مسیحائی کریم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نصیحت اس سے بڑھ کر اور کیا نصیحت ہوسکتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ان اللہ مع الذین اتقوا و الذین ھم محسنون۔ترجمہ یہ ہے۔کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں جو مجھ سے ڈرتے اور میرے احکام پر چلتے ہیں۔یعنی وہ جو صرف بدی سے پرہیز نہیں کرتے بلکہ بدی کو ترک کر کے نیک اعمال بھی بجالاتے ہیں سو خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ میں پرہیز گاروں اور نکوکاروں کے ساتھ ہوں۔اس کے یہ معنے ہیں کہ ایسے لوگ مورد مراحم اور الطاف اور فیوض الٰہیہ ہیں۔جس شخص کے ساتھ صرف چراغ ہو۔اس کی راہ کی تاریکی دور ہوجاتی ہے۔پس جس کے ساتھ خدا ہو وہ کیونکر تاریکی میں رہ سکتا ہے۔مگر تقویٰ شعاری اور نکوکاری ہی مشکل ہے۔درحقیقت ایک موت ہے۔اور یہ مرتبہ کثرت استغفار سے میسر آسکتا ہے۔پھر بھی خدا کا فضل شرط ہے۔بجز فضل کے نہ دنیا درست ہوسکتی ہے اور نہ زبان اور نہ دل۔فضل ہر یک توفیق کی جڑ ہے۔

والسلام

دستخط (مرزا غلام احمد) بدر 30 اپریل 1908ء ص 7

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔دعا تو پنج وقت کی جاتی ہے۔پھر بہت دعا کروں گا۔جب بلا نازل ہوجاتی ہے تو اس وقت سنت اللہ کے موافق دعا کم اثر کرتی ہے۔بہرحال دعا کروں گا۔آج تہجد اور صبح کے وقت بھی بہت دعا کی تھی۔مگر یہ وقت امتحان ایمان کا وقت ہے۔بہت مضبوطی سے خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں اور خود بھی دعا کرتے رہیں۔

والسلام ۔مرزا غلام احمد عفا اللہ عنہ

بہتر ہے۔وہ جگہ چھوڑ دیں۔باہر میدان میں چلے آئیں۔ (5 مئی یہ خط 1906ء کا ہے۔

روایات حضرت مولوی صاحب

''میرے نقشبندی پیر سید غلام محی الدین شاہ لکھوو الی رحمۃ اللہ مجھے قادیان آتے جاتے فرماتے تھے کہ مجھ سے ملاقات کر کے وہاں جایا کرو۔اور مرزا صاحب کو میرا اسلام دیا کرو۔اور میرے لئے دعا کرایا کرو۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت اقدس کے حضور عرض کرنا کہ میں سب کچھ مانتا ہوں مگر نبوت کا مسئلہ میں شک ہے۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت مبارک میں عرض کر دیا۔حضور نے فرمایا کہ ''کہ میری مراد نبوت سے مکالمات الٰہیہ کی کثرت ہے۔یعنی دعوئے نبوت ہے اوراس کی حقیقت مکالمات الٰہیہ جو اخبار بالغیب پر شامل ہوں اور واقع سے شہادت پائی جائے یہ نبوت ہے۔'' میں نے گھر آ کر شاہ صاحب سے کہا۔انہوں نے خاموشی اختیار کر لی۔''حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب سیالکوٹ لیکچر دینے کے لئے تشریف لے گئے تو میں بھی مدرسہ سے رخصت لے کر سننے کے لئے گیا۔جس مقام پر حضور اترے ہوئے تھے۔دروازہ پر جا کر دربان سے درخواست کی۔تو اس نے کہا کہ حضور اس وقت کام میں مشغول ہیں۔اجازت نہیں مل سکتی۔میرے ساتھ نواب خان تحصیلدار جوان دنوں گجرات میں ملازم تھے ملاقات کے لئے موجود تھے۔انہوں نے کسی خاص ذریعہ سے پیغام بھیجا تو حضور نے صرف مصافحہ اور سلام کی اجازت دی۔اور بالا خانہ سے سیڑھیوں تک تشریف لائے۔ہم نے سلام اور مصافحہ کیا۔تو میں نے فرط اشتیاق میں جناب کے پائے مبارک کو چومنے کے لئے ہاتھ لگائے تو فوراً آپ نے میرے ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔

''یہ بڑا گناہ ہے۔توبہ کرو'' ''مولوی غلام رسول صاحب راجیکی جن دنوں میرے پاس پڑھتے تو ایک عریضہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور بایں مضمون لکھا۔''میں حضور کے تصور میں بڑا حظ پاتا ہوں۔اور ذکر اللہ اور عبادات اور نماز کے وقت میں اس سے بہت لذت آتی ہے۔''اس کے جواب میں (جو کارڈ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کا لکھا ہوا تھا) حضور نے فرمایا ''یہ شرک ہے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔''

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر خطوط میں۔''نمازوں کو سنوار سنوار کر پڑھنے کی تاکید فرمایا کرتے ہیں۔''

عزیزم قاضی محمد ظہور الدین اکمل مڈل فارسی پاس کر کے گجرات انٹرنس پاس کرنے کے لئے

گیا۔ اسے وہاں محنت اور اچھی غذا نہ ملنے سے حرارت شروع ہوگئی۔ آخر ایک حاذق طبیب نے مجھے اور میری والدہ کو علیحدگی میں کہا کہ تمہارا لڑکا مدقوق ہوگیا ہے اور دوسرے درجہ میں بیماری ترقی کرگئی ہے۔ اس لڑکے کو نہ بتانا۔ معمولی علاج کرتے رہنا اور صبر کرنا۔ یہ بات سنتے ہی میری کمر ٹوٹ گئی اور مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کو ساتھ لے کر قادیان آیا۔ حضور مسجد مبارک کی چھت پر مع اپنے صحابہ اور معزز مہمانوں کے ساتھ دن کا کھانا تناول فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کی حضور میں نے سنا ہے کہ سؤر المؤمن شفاء۔ میرا لڑکا مدت سے سخت بیمار ہے۔ یہ سنتے ہی حضور نے گوشت کی رکابی اور موجودی روٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اٹھالو'

مولوی غلام رسول صاحب نے جھٹ حضرت کا پس خوردہ سنبھال لیا اور باوجود مطالبہ کے اور کسی کو نہ لینے دیا۔ روٹی کے ٹکڑے کر کے شوربے میں ملا کر کپڑے میں باندھ لئے پھر ہم وہ پس خوردہ لے کر گھر گئے اور عزیز اکمل کو آہستہ آہستہ کھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حضرت اقدس کی برکت سے اس کی بیماری گھٹتے گھٹتے ناپید ہوگئی۔ ہاں ضعف اب تک نشان کے لئے باقی ہے۔

پھر میرا دوسرا فرزند محمد نورالدین اجمل طاعون کے دنوں میں بشامت اعمال اسی بیماری سے سخت بیمار ہوگیا۔ اور اعدائے سلسلہ کے مخالفین تاڑنے لگے کہ کب موقع طعن و تشنیع ہاتھ آئے۔ اور اس کی بیماری حد سے متجاوز ہوگئی۔ وہاں ایک مجذوب فقیر رہتا ہے۔ اس نے بھی کہا کہ ''اب ملاں دئیاں فاتحہ ئی کھالیں گے۔ میں نے مضطرب ہوکر حضرت کے حضور گولیکی سے خط لکھا کہ حضور بڑی توجہ سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے اور محمد نور کو زندگی باصحت بخشے۔ وہ بیماری سے دیوانہ ہوگیا تھا۔ اور دمبدم حالت بگڑ رہی تھی۔ یکا یک بفضل ایزدی وہ اچھا ہو گیا۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے صاحب اولاد ہے۔ اور اچھا بھلا قادیان دارالامان میں آتا جاتا ہے۔ اور جماعت احمدیہ گولیکی کا امام تعلیم و تربیت کا کام کرتا ہے۔ (الحکم 21 اگست 1935ء)

فصل دوئم

والدہ ماجدہ حضرت اکمل صاحب کا ذکر خیر

آپ کا اسم گرامی مریم بیگم تھا۔آپ نے مذہبی ابتدائی تعلیم گھر کے ماحول کے مطابق حاصل کی۔اوراس کے ساتھ دوسری تعلیم کی سدھ بدھ حاصل کی۔

مولوی صاحب نے بیعت کر لی تو آپ کا بھی نام بیعت کے لئے بھیج دیا۔لیکن حضرت قاضی اکمل صاحب کی ایک اور روایت کے مطابق آپ نے ایک رویائے صالحہ کی بناء پر 1901ء میں بیعت کی۔مگر آپ نے ابتدا میں کبھی احمدیت کی مخالفت نہیں کی اور نہ مولوی صاحب کو تنگ کیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مولوی صاحب کے معاً بعد بیعت کا خط لکھ دیا تھا۔یا کم از کم احمدیت کی دل سے قائل ہوگئی تھیں۔اور 1901ء میں رویاء کی وجہ سے دوبارہ بیعت کی۔جسے بیعت ارشاد کہہ سکتے ہیں۔

آپ نے طبیعت بہت سادہ پائی تھی۔گھر کا تمام کام خود کرتیں۔مولوی صاحب تدریس میں مشغول رہتے۔اس وجہ سے آپ بھینس کے چارے اور گتاوے کا خود بندوبست کرتیں۔اورخود ہی دودھ دھولیتیں۔خود چکی پیس کر آٹا تیار کرتیں۔آپ تین بجے سحری کے وقت بیدار ہوتیں۔اور رات دس بجے تک گھر کے کاموں کی سرانجام دہی میں مشغول رہتیں۔بے کار بیٹھنا یا خود کام نہ کرنے سے سخت نفرت تھی“غرض اس طرح آپ تمام دن گھریلو کام کاج میں مصروف رہتیں۔آپ میں خدمت خلق کا جذبہ بھی نمایاں تھا۔آپ ہر ایک کی مدد کرتیں اور اس کی ضرورت کے وقت کام آتیں۔دیہاتی ماحول کے مطابق دودھ بلو کرلسی ایک برتن میں رکھ کر حاجتمندوں میں تقسیم کرنے میں خوشی محسوس کرتی۔اور خدا کا شکر کرتی کہ اس نے اس نعمت سے نوازا اور مخلوق کی خدمت کا موقع دیا ہے۔

آپ شریعت اسلامیہ کی پابند تھیں اور صوم وصلوٰۃ کی عادی۔آپ ہمیشہ تین بجے سحری کے

وقت بیدار ہوتیں۔ اور گھریلو کام میں مشغول ہو جاتیں۔ نماز و تلاوت سے وقت پر فارغ ہوتیں۔ آپ کی تبلیغ اور اسوہ کو دیکھ کر بہت سی خواتین احمدیت میں داخل ہوئیں۔

آپ حضرت خلیفۃ المسیح اول کے زمانہ میں قادیان حضرت قاضی صاحب کے بچے جنید صاحب کی ولادت پر ایک ماہ کے قریب رہیں۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کو اطلاع ہوئی۔ تو آپ بچہ کے کان میں اذان کہنے کے لئے تشریف لائے تو آپ نے پردہ میں ہو کر پانچ روپے نقد اور دستار پیش کی۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول نے فرمایا۔ یہ کیا آپ کی رسم ہے۔ تو جواب دیا یہ شکرانہ ہے اس موقعہ پر حضرت خلیفۃ المسیح اول نے آپ کی طرز پردہ کو بہت سراہا۔ اور فرمایا اصل پردہ یہ ہے۔ اس وقت آپ نے ایک بڑی سفید چادر سر سے پاؤں تک اوڑھی ہوئی تھی اور سر پر سے چادر کو نیچے لٹکا کر گھونگھٹ نکالا ہوا تھا۔ حضرت قاضی اکمل صاحب سے آپ کو بہت پیار تھا۔ ایک تو شادی سے دس بارہ سال بعد ولادت ہوئی دوسرے آپ چھوٹی عمر میں بیمار ہو گئے تھے۔ مگر آپ نے اپنی محبت کا ناجائز استعمال نہ کیا۔ آپ نے صحیح اسلامی رنگ میں آپ کی تربیت کی۔ اور خدمت اسلام کا جذبہ پیدا کیا۔ جیسا کہ حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں: ”میں سب سے پہلا فرزند ہوں۔ میرے اندر جو کیریکٹر ان کی تربیت نے پیدا کیا۔ اس نے مجھے بہت ہی فائدہ پہنچایا۔ باوجود اس کے کہ میری پیدائش ان کی شادی سے دس بارہ سال بعد اولیاء اللہ سے بہت سی دعائیں کرانے کے بعد ہوئی۔ اور اس وجہ سے میں والدین کا لاڈلہ بچہ تھا۔ مگر تاہم انضباط اوقات کفایت شعاری اطاعت، دینداری کا بیج انہی کا بویا ہوا ہے۔ اور میری زندگی کو بہتر بنانے میں ان باتوں نے میری بڑی مدد کی۔“

حضرت قاضی اکمل صاحب آخری عمر میں فرمایا کرتے تھے کہ ”میں بچپن میں بیمار پڑ گیا اور پورے دس سال صاحب فراش رہا۔ جس استقلال و محبت سے میری خبر گیری میری والدہ نے کی وہ میں عمر بھر نہیں بھول سکتا۔“ اکلوتا فرزند اور وہ بھی بیمار، اس صورت میں ماں کی مامتا کا تیمارداری کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی روح پیدا کرنا اور مامتا کے جذبات سے بے قابو ہو کر لاڈ پیار میں بچہ

کی تربیت کی طرف سے سستی نہ کرنا۔ایک عظیم ماں کا ہی کام ہے۔جس نے اسلام کو سمجھا اور اسلام کو اولاد و جذبات پر بھی مقدم رکھا۔آپ کی محبت کا یہ عالم تھا مسلسل کئی کئی راتیں قاضی صاحب کے پاس بیٹھی رہتیں اور کبھی نہ گھبرائیں اور باوجود اکیلی ہونے کے پرہیزی کھانا ہمیشہ علیحدہ پکایا کرتیں۔ اس قدر لمبی تیمارداری کے باوجود آپ کی محبت میں کوئی فرق نہ آیا۔ بلکہ جب دوسرا بچہ پیدا ہوا تو اس وقت جب بھی دوسرے بچہ کو بلاتیں تو قاضی صاحب کا نام ہی بے اختیار زبان پر آ جاتا۔اور بیماری کا ذکر بار بار کرتیں تو گھر والے اکثر کہتے کہ تمہیں خبط ہو گیا ہے۔آپ کبھی آپ کو گھر سے باہر نہ جانے دیتیں۔اور خود سے جدائی گوارا نہ کرتیں۔ایک موقعہ پر قاضی صاحب سورہ یوسف کی تفسیر لکھ رہے تھے کہ آپ آئیں اور دریافت کیا کہ کیا لکھ رہے ہو؟ حضرت قاضی صاحب نے جواب دیا کہ سورہ یوسف کی تفسیر۔آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا ''اب جدائی نزدیک اور ضروری ہو گئی ہے۔ اچھا جہاں رہو خوش رہو۔ہمیں خیریت معلوم ہوتی رہے۔''

کچھ عرصہ کے بعد جب قاضی صاحب کو کچھ افاقہ ہو گیا تو آپ نے قادیان ہجرت کر جانے کا ارادہ کیا۔اس پر آپ سے اجازت چاہی کہ میں قادیان ہجرت کر کے جانا چاہتا ہوں۔اس وقت آپ کی مامتا اور دین کا مقابلہ تھا۔مگر آپ نے اس وقت اجازت دی اور کسی قسم کا ملال ظاہر نہیں کیا بلکہ بشاشت سے رخصت کیا اور فرمایا کہ ''خدا کی راہ میں تمہارا جانا میرے دل کی مراد ہے''۔بعد کے حالات شاہد ہیں کہ یہ آپ کی دلی آواز تھی۔حضرت قاضی صاحب کے قادیان ہجرت کر کے آنے کے بعد ان کے دولڑکے خورشید عاقل اور جمشید احسن یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے۔آپ نے اس صدمہ کو برداشت کیا اور قاضی صاحب کو بھی حوصلہ دلایا۔اور واپس آنے کے متعلق اشارہ تک نہ کیا بلکہ کچھ عرصہ کے بعد قاضی صاحب کی بیوی کو جو آپ کا بہت خیال رکھتیں۔اپنے آرام پر آپ کے آرام کو مقدم کرتیں۔قادیان بھیجا تو انجمن نے استانی صاحبہ کی خدمات زنانہ سکول کے لئے حاصل کر لیں۔اس پر بھی آپ نے کسی قسم کے تامل کا اظہار نہیں کیا بلکہ ایک روحانی سرور محسوس

کیا۔ جب آپ مکرم جنید صاحب کی ولادت پر دارالامان تشریف لائیں تو قاضی صاحب ان دنوں حضرت خلیفہ اول کے باورچی خانہ میں قیام رکھتے تھے۔ ایک رات بارش آ گئی۔ مکان تنگ تھا۔ حضرت قاضی صاحب دفتر میں جا کر سو رہے۔ اور آپ رات بھر باہر چھاتے کے نیچے بیٹھیں رہیں۔ صبح جو حضرت قاضی صاحب کو معلوم ہوا تو بڑا دکھ ہوا اور جب افسوس و معذرت کا اظہار کیا تو اس وقت آپ رات بھر بے آرام رہنے اور گاؤں میں تین چار کھلے کھلے مکان ہونے کے باوجود آپ نے یہ نہیں کہا کہ گاؤں چلے چلو۔ یہاں تو مکان بھی نہیں ملتا۔ آپ نے اس شکوہ کے بجائے آپ کو نہایت درد بھرے دل سے دعا کہ ''اللہ تعالیٰ تمہیں فراخ اور اپنا مکان دے۔''

خداوند کریم نے آپ کی یہ دعا محض اپنے فضل سے قبول فرمائی اور قاضی صاحب کو نہایت ہی نامساعد حالات میں ذاتی مکان بنانے کی توفیق دی۔ اس وقت آپ کی تنخواہ 17 یا 16 روپے صرف تھی۔ جو خرچ اور خوراک کے لئے بھی ناکافی تھے۔ مگر آپ کی دعا اور مالی امداد کی وجہ سے ایک پختہ، وسیع اور خوبصورت مکان بنایا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو دوسرے فرزند سے محبت نہ تھی بلکہ ان کا بھی پورا خیال رکھتیں۔ جب قاضی صاحب قادیان ہجرت کر کے آ گئے تو وہ اکیلے ہی آپ کے پاس تھے۔ حضرت مولوی صاحب تو اکثر سفر پر رہتے اور گھر ہوتے ہوئے بھی تدریس میں مشغول رہتے۔ آپ ایک مستجاب الدعوات ہستی تھیں اور استجاب دعوات پر کامل یقین رکھتیں تھیں۔ ہر مشکل میں انسان کی بجائے خالق انسان کے دروازے پر دستک دی۔ اور اس کے سامنے مدعا بیان کیا جو مشکل کشا ہے۔ خدا کے فضل سے اقتصادی حالت اچھی تھی۔ اس کی طرف سے پریشانی نہ تھی مگر مخالفت کے دوران بھی آپ کبھی پریشان نظر نہیں آتی تھیں اور ان تمام کا حل ان کی نظر میں صرف ایک تھا۔ خود دعا کرنا اور حضور علیہ السلام اور اس کے بعد ان کے خلفاء سے دعائیں کروانا۔

ایک موقعہ پر مولوی محمد نور الدین صاحب اجمل طاعون سے سخت بیمار ہو گئے اور لوگ طعن کرنے لگے اور اس وفات سے سلسلہ کی ترقی پر اثر پڑنے کا خطرہ تھا۔ جب ہر طرف سے مایوس ہو

گئیں تو آپ نے اپنا تمام زیور اتار کر ایک پوٹلی میں بند کر کے حضرت قاضی صاحب کو دیا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پیش فرما کر درخواست دعا کریں۔حضرت قاضی صاحب نے وہ پوٹلی حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی۔ پہلے تو حضور نے فرمایا ''دفتر انجمن میں دے دو''۔مگر پھر قاضی صاحب کا چہرہ دیکھ کر خود پوٹلی لے لی اور فرمایا''ہم دعا کریں گے''۔اس کے بعد مولوی نور صاحب غیر معمولی طور پر بچ گئے اور مخالفین کو طعن کرنے کا موقعہ نہ ملا۔آپ حتی المقدور چندے ادا کرتیں۔آپ نے 16 مارچ 1907ء میں حسب ارشاد الوصیت وصیت فرمائی۔آپ ایک دیانتدار اور مخلصہ خاتون تھیں۔حضرت مسیح موعود اور ان کے خلفاء سے عقیدت عشق کا رنگ اختیار کر گیا تھا۔جب آپ کی وفات ہوئی تو حضرت قاضی صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں جلسہ مجلس مشاورت میں اطلاع دی تو حضور نے قاضی صاحب کو اسی وقت لکھ بھیجا:۔''مکرمی قاضی صاحب ۔ السلام علیکم ۔انا للہ و انا الیہ راجعون۔گو آپ کے والدین قادیان میں نہیں رہتے۔مگر ان کے اخلاص اور محبت سے میں خوب واقف ہوں اور میرے دل میں ان کی خاص محبت ہے۔اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔''وفات سے قبل مارچ کے مہینہ میں متواتر تین چار خطوط میں قاضی صاحب کو لکھا کہ میں قادیان آ رہی ہوں۔مگر افسوس زندگی نے وفا نہ کی اور 18 مارچ کو بیمار ہو گئیں اور 20 مارچ کو انتقال فرما گئیں۔آخر میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول کا ارشاد جو آپ نے ایک موقعہ پر آپ کو مخاطب کر کے فرمایا، درج کرتا ہوں:۔'' آپ بہت ہی خوش نصیب بی بی ہیں جن کا خاوند، بیٹے، بہوئیں سب ہی احمدی، دیندار اور سلسلے کے خدمت گذار ہیں۔''

آپ کا مزار گولیکی ہی میں خانقاہ پیراں میں ہے۔آپ کی تاریخ وفات قاضی صاحب نے آپ کے نام سے استخراج کی مریم بیگم 1342ھ

''ماخذ''::آپ کے حالات حضرت قاضی صاحب کے تحریر کردہ مطبوعہ الفضل یکم اپریل 1924ء صفحہ نمبر 7و8 اور آپ کے تحریر کردہ غیر مطبوعہ حالات زندگی

فصل سوئم

حضرت استانی سکینۃ النساء بیگمؒ

ابتدائی حالات

آپ حضرت قاضی اکمل صاحب کے ماموں حضرت پیر محمد رمضان کی دختر نیک اختر تھیں۔ آپ کی تاریخ پیدائش 1885ء ہے۔ آپ کے والد سلسلہ چشتیہ سے منسلک تھے۔ کثرت سے وظائف کیا کرتے۔ اس کا اثر اہل خانہ پر لازمی تھا۔ آپ کی شادی چار سال کی عمر میں 1889ء میں حضرت قاضی اکمل صاب سے ہوئی۔ جن کی عمر اس وقت آٹھ سال تھی۔ آپ کا رخصتانہ 1901ء میں عمل میں آیا۔ اس سے قبل آپ نے اپنے والد صاحب سے دینی و دنیاوی تعلیم حاصل کی۔ اس زمانہ میں والد صاحب کی طرح آپ کو بھی وظائف کا بہت شوق تھا چھوٹی عمر میں اتنا شوق عبادت فضل الٰہی ہی ہے اور روشن مستقبل کی علامت ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' کے مطابق یہ تیاری تھی۔ ان عظیم الشان خدمات سلسلہ کی جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں اسلام کے بطل جلیل کے طفیل مقدر تھیں۔

اس زمانہ میں آپ کو کس قدر شوق عبادت اور عشق الٰہی تھا اس کا پتہ آپ کے مندرجہ ذیل اقتباس سے ہوتا ہے۔ جو آپ نے بعنوان ''خلوت میں عبادت'' میں لکھا: ''میں ابھی کوئی 12 / 13 سال کی تھی کہ میرے ابا جان نے فرمایا کہ الگ ہو کر عبادت کیا کرو۔ میں پہلے تو تھوڑی دیر الگ عبادت کیا کرتی۔ پھر آہستہ آہستہ اس قدر میرے دل میں شوق پیدا ہوا کہ جب سب گھر کے لوگ سو جاتے تو اندھیرے میں اٹھ کر نماز پڑھتی اور لمبے لمبے سجدے کرتی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میں زار زار اپنے گناہوں کا اقرار کر کے روتی۔ بخدا مجھے اس رونے میں اس قدر سرور آتا کہ اس کی لذت ابھی تک دل میں محسوس کرتی ہوں اور تعجب یہ کہ پھر ایسے ایسے عجیب واقعات دیکھے اور لطیف

نظارے مشاہدہ میں آئے کہ ان کا بیان الفاظ میں نہیں ہوسکتا.................... کئی دفعہ نبی کریم کی زیارت ہوئی۔ آسمان پر ایک بدلی کا ٹکڑا سیاہ رنگ دیکھا۔ جس پر کلمہ شریف لکھا ہوا تھا اور پھر 1315ھ لکھا تھا''۔ (بدر 3 فروری 1909ء)

آپ کی تعلیم وتربیت اور روزمرہ کے معمول کے متعلق مکرم جنید ہاشمی صاحب کے مضمون کا یہ اقتباس کافی روشنی ڈال رہا ہے:۔''انہی سعید روحوں میں ایک بارہ تیرہ سالہ دیہاتی ماحول میں پرورش شدہ لڑکی بھی تھی جو صبح سے لے کر شام تک کبھی اپنے خسر مولانا امام الدین صاحب فیض سے عربی صرف ونحو کے سبق لیتی۔ کبھی اپنے والد محترم پیر محمد رمضان صاحب (صحابی) سے گلستان و بوستان پڑھتی اور پھر اردو خوش نویسی وانشا پردازی اور کتابیں پڑھ کر اپنے خاوند حضرت قاضی اکمل صاحب سے ہدایات لیتی اور پھر اپنی ساس ''مریم بیگم'' کے لئے چکی پیستی۔ چرخہ کاتتی اور گاؤں کے کنویں سے گاگریں اٹھا کر لاتی۔ شام کے وقت باہر کھیتوں سے ساگ پات اور چارہ کا گٹھہ سر پر اٹھا کر لاتی۔ پھر رات گئے تک گاؤں کی لڑکیوں کو پڑھانا۔ تعویذ لکھ کر دینا۔ دم درود۔ دھاگے ٹونے وغیرہ کا شغل جاری رہتا۔ لیکن پھر احمدیت قبول کر لینے کے بعد آہستہ آہستہ یہ سب لغویات اور رسم و رواج کے بندھنوں سے انہیں آزاد کر دیا گیا اور صرف تعلیم وتدریس اور تحریر وتصنیف کا شوق ترقی کرتا گیا۔'' (الفضل 31 ہجرت 1338 ہش)

آپ کی زندگی ایک کامل متوکل، برگزیدہ ہستی کی زندگی تھی۔ خدا پر توکل اور پھر کامل توکل کا دعویٰ تو آسان مگر بہت کم لوگ ہیں جو اس عظیم معیار پر پورے اترتے ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت استانی صاحبہ کی ذات گرامی ہے۔ ایک عورت ذات اور وہ بھی دیہاتی ماحول کی پروردہ اور عمر بھی چھوٹی، جب ان حالات میں اس کو کوئی دکھ پہنچے اگر اس وقت صبر وتحمل اور توکل کا مظاہرہ کرے تو یہ اس کے کامل متوکل الی اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ ماں کی ممتا سے کون انکار کر سکتا ہے؟ مگر جب آپ کے دولخت جگر خورشید عاقل 11 نومبر 1908ء اور جنید احسن 19 اکتوبر 1908ء کو ایک مہینہ کے

دوران اللہ کو پیارے ہوئے تو آپ نے خدا پر توکل اور ''الصبر عند صدمۃ الاولیٰ'' کا اسوہ حسنہ دکھایا۔ خدا کی رضا پر راضی رہیں۔ خود بھی شکوہ نہ کیا اور اپنے غیر احمدی رشتہ داروں کو بھی ناجائز ماتم کرنے سے روک دیا۔ یہ تھا وہ تغیر جو مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے صحابہ میں پیدا کیا۔

کالم نسواں کی تحریک

آپ نے خدا کی امانت کو خدا کے سپرد کیا اور اپنے مشاغل دینیہ اور امور خانہ میں محو ہو گئیں۔ قادیان سے جو اخبارات شائع ہوتے ان کا مطالعہ آپ کا محبوب مشغلہ تھا اور پھر دیگر رسالہ جات کو چھوڑ کر ان میں مضامین دینے شروع کر دیئے۔ اس سے قبل زمانہ کے مشہور رسائل و اخبارات مثلاً تہذیب النسواں اور عصمت وغیرہ میں مسلمان مستورات کے اخلاقی و تربیتی موضوعات پر آپ کے مضامین کثرت سے چھپتے رہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے البدر اور الحکم کو اپنے دو باز و قرار دیا ہے۔ آپ بھی ان میں قلمی جہاد میں شامل ہو کر ان مجاہدین میں شامل ہو گئیں جو ان بازوؤں کی تقویت کا باعث بن رہے تھے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے البدر میں ''خواتین کا کالم'' اور ایک الگ ''رسالہ خواتین'' کا تصور پیش کیا۔ لکھتی ہیں مخاطب ایڈیٹر صاحب البدر ہیں:۔ ''آپ کا معزز اخبار گھر بار جیسا مجھ کو پیارا ہے۔ میرا دل جانتا ہے۔ بخدا میرے دل کو اس سے تسکین رہتی ہے۔ لہٰذا آج ایک تجویز لکھتی ہوں۔ درج فرما کر ممنون فرماویں۔ اگر یہ تجویز پسندیدہ اور مقبول ہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ میں سب سے پہلے اس میں حصہ لوں گی..................وہ یہ ہے کہ اگر آپ البدر میں ایک کالم یا صفحہ خاتونوں کا بھی نکال لیں۔ تو ہماری بہنیں بھی مضامین لکھا کریں............جناب من آپ خود جانتے ہیں کہ ہماری ترقی کا مدار صرف عورتوں کی تعلیم پر ہی ہے............تو پھر ہمیں ضرور چاہئے کہ کوئی اخبار نسواں (جس کی ایڈیٹر بھی عورت ہو) جاری ہو جاوے۔ مگر ابھی اخبار نسواں جاری ہونا ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ ہاں یہ آسان ہے کہ معزز بہنیں اور ہر امیر و غریب احمدی بھائی آٹھ آٹھ آنہ دفتر البدر میں بھیج دیں اور

ایڈیٹر صاحب دو ورق علاوہ البدر کے اور زائد کر دیں۔جس میں احمدی خاتونوں اور بہنوں کے لکھے ہوئے مضامین درج ہوا کریں۔..................تو میں سب سے پہلے بڑی خوشی سے اس خدمت کو تیار ہوں ....اب بڑے زور سے میں اپنی ساری احمدی بہنوں کی خدمت میں التماس کرتی ہوں کہ یہ نیک کام اگلے ہفتے سے ہی شروع کیا جاوے۔'' (البدر 23 جولائی 1903ء)

اس آواز پر بہت کم توجہ کی گئی۔مگر آپ نے ہمت نہ ہاری اور برابر مضامین البدر میں بھجواتی رہیں اور دیگر احمدی خواتین کو بھی تحریک کرتی رہیں۔اس کا اعتراف ایڈیٹر صاحب ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''اخبار بدر میں جب سے یہ کالم کھولا گیا ہے۔صرف تین بہنوں نے اب تک اس طرف توجہ کی ہے۔اہلیہ مکرم کرم الٰہی صاحب نے اہلیہ اکمل صاحب نے اور بنت غلام محمد پھلواری نے اور بس۔خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ (البدر یکم نومبر 1906ء صفحہ 11)

ہجرت

حضرت قاضی صاحب نے دسمبر 1905ء میں ہجرت کر کے قادیان میں در حبیب پر دھونی رچائی تو آپ گولیکی ہی میں سکونت پذیر رہیں۔اس دوران آپ جلسہ سالانہ پر تو لازماً اور اس کے علاوہ بھی قادیان میں رہیں۔آخر آپ خلافت اولیٰ میں جلسہ سالانہ 1908ء پر آئیں۔تو پھر آپ قادیان کی ہی ہو رہیں۔یہ آپ کی دیرینہ خواہش تھی۔جو خدا نے پوری کی۔لکھتی ہیں۔

آہ! کیا مبارک وقت تھا کہ میں اپنی پیاری والدہ مغفورہ سے اجازت لے کر یہاں آئی۔جس کا میرے دل میں آرزو و شوق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اس فکر میں شبانہ روز گزرتا اور رو رو کر دعائیں مانگتی کہ بار الٰہی کب تیرے پیاروں کا کلام پاک سنوں گی۔اور کب یہ آرزو پوری کروں گی کہ میرا انجام بخیر ہو مگر آئی صرف چار دن کے لئے تھی مگر حضرت استاد و مرشد و مولانا خلیفۃ المسیح کی بیش قیمت نصائح اور پیاری دل میں اثر کر دینے والی باتوں نے خدا کی قسم مجھے یہیں کا کر دیا۔آہ! میری والدہ مغفورہ کو میری جدائی کا بے حد صدمہ پہونچا۔جو مرتے دم تک ان کی زبان پر جاری تھا۔مگر

میں نے دین کو دنیا پر مقدم کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اگرچہ کئی لاکھ کے پیر ہیں اور ہم لوگ ان کے ایک اشارہ پر اپنا خون بہانے کو تیار ہیں۔ (البدر 23 نومبر 1911ء صفحہ 9)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو والدہ مغفورہ سے کس قدر الفت تھی اور ان کو کس قدر محبت تھی۔ مگر خون مذہب پر غالب نہ آیا۔ مامتا نے جذبات دین پر غلبہ نہ پایا اور ایسا ہوتا بھی کیوں۔ جب آپ آخرین منھم کے گروہ میں شامل ہوگئیں تھیں۔

قادیان میں آکر آپ کی حب الوطن نے کبھی جوش نہ مارا آپ نے قادیان کو ہی وطن بنا لیا۔ بہت کم گو لیکی گئیں وہ بھی چند یوم کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو ہجرت کے متعلق نظم کیا ہے وہ آپ پر کس قدر صادق آتا ہے۔

و قد اقتفاك اولو النهي و بصدقهم	قد ودعوا تذكر معهد الاوطان

قادیان وومن کلب کا اجراء

قادیان میں آکر آپ نے تمام تر صلاحیتیں اور اوقات سلسلہ کی خدمت میں وقف کر دی تھیں۔ بدر میں حسب دستور مضامین لکھتیں۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں اکثر وقت بسر کرتیں۔ مگر ایک نمایاں کارنامہ جو قیامت تک آپ کے لئے ثواب کا موجب ہوگا۔ وہ ہے مستورات کو اکٹھا کرنا اور ان کی ایک لجنہ کی شکل میں تعلیم و تربیت کرنا۔ اس کے متعلق بدر میں یہ ملتا ہے۔ ''مسز اکمل نے قادیان میں آتے ہی ایک وومن کلب قائم کیا اور یہاں کی رہنے والی تعلیم یافتہ بیبیوں میں تحریک کی کہ جب دارالامان مرکز اسلام ہے اور تمام قوم کا مرجع یہی مقام ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ یہاں مستورات کے ہفتہ وار جلسے نہ ہوں جس میں اپنے فرقے کی بہتری و بہبودی کے لئے تجاویز سوچی جاویں۔ اس جمعہ 14 مئی کو مستورات کا ایک جلسہ ہوا۔ اہلیہ مرزا بشیر احمد صاحب دختر ڈاکٹر بشارت احمد اہلیہ مرزا محمود احمد و اہلیہ قاضی اکمل نے اپنے اپنے مضامین امیر المومنین کی زوجہ محترمہ کی صدارت میں سنائے۔ (بدر 20 مئی 1909ء صفحہ 6)

اس پر جماعت میں ایک مسرت وسرور کی لہر دوڑ گئی۔ دو اقتباس درج کرتا ہوں۔ اس جلسہ کی مبارکباد اور افادیت بیان کر کے آپ کے شکریہ میں یہ اشعار کہے:۔

مسز اکمل خدا حامی ہو تیرا	نہ تیرا بلکہ ہو تیرے قلم کا
دلا کر چھوڑنا حصہ ہمارا	غصب کر بیٹھے ہیں جو مرد سارا

(بدر 17 جون 1909ء صفحہ 10)

اہلیہ ملک کرم الٰہی صاحب بھیرہ لکھتی ہیں: ”سب سے پہلے میں مکرمہ بہن مسز اکمل کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ جنہوں نے میری خیالی تجویز کو عملی لباس پہنا کر قادیان میں انجمن مستورات احمدیہ قائم کی جو کہ انشاء اللہ ان کی بہترین یادگار ہمیشہ تک رہے گی۔ خداوند کریم انہیں اس کوشش کا اجر عظیم عطا فرما۔ آمین“ (بدر 19، 26 اگست 1909ء) اس جلسہ کو آپ نے قادیان تک محدود نہ کیا۔ بلکہ آپ نے تحریک کی کہ اس میں قادیان سے باہر رہنے والی بہنیں بھی شامل ہوں۔ اگر خود نہ آسکیں۔ تو مضامین بھجوادیا کریں۔ اس طرح آپ نے اس تحریک کو عالمگیر کر دیا۔ لکھتی ہیں: ”میری بہنوں کو جو کہ ہر ہفتہ شوق سے پڑھتی ہیں۔ بخوبی معلوم ہوگا کہ عاجزہ کی ہی تحریک سے مرکز اسلام قادیان میں معزز خواتین کا جلسہ ہوا 15 دن بعد جمعہ کو ہوتا ہے۔ جس میں مختلف مضامین پڑھے جاتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ باہر کی لکھی پڑھی خاوتین یا معزز احمدی خواتین غیر تعلیم یافتہ بھی جو دین کو پیار کرتی ہیں۔ بوساطت اپنے خاوندوں کے اس ثواب میں شامل ہو جاویں۔ تو بہت ہی بابرکت کام ہو۔ اگرچہ آ نہیں سکتیں مگر وہ مضامین لکھ کر یا لکھوا کر میرے نام بھیج سکتی ہیں .... ہاں ضروری بات یہ ہے کہ ہماری بہنوں نے مشورہ کیا ہے کہ خود اپنا روپیہ خرچ کر کے تمام مضامین علیحدہ کتاب کے طور پر چھپوائے جائیں میں اپنی باہر کی یعنی قادیان سے دور کی بہنوں سے اس بارے میں مفید رائیں طلب کرتی ہوں۔“

(بدر 19، 26 اگست 1909ء)

اس مضمون میں آپ نے کالم خواتین کا بھی ذکر کیا کہ اگر کتاب نہیں تو اس طرح ہی سہی۔ اس پر اہلیہ خلیفہ رشید الدین صاحبہ لکھتی ہیں۔

''مسز اکمل نے جو بہنوں کے مضامین بدر میں درج کرانے کی تجویز کی ہے۔ بہت عمدہ ہے۔ اور میں بھی انشاءاللہ............ بدر کو کچھ چندہ بھجوادوں گی۔'' (بدر 21 اکتوبر 1906ء)

اس مبارک تحریک نے خلافت ثانیہ کے عظیم الشان دور میں لجنہ اماء اللہ کی شکل اختیار کر لی۔ جس سے مخالف بھی متاثر ہیں اور تعریف کے کلمات کہنے پر مجبور۔ اس طرح آپ کی دیرینہ خواہش کہ اخبار نسواں ہو۔ 16 دسمبر 1926ء کو پوری ہوتی۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے تحت مصباح جاری ہوا۔ اس کے اجرا پر آپ نے مستورات سے اپیل کی جس کا ایک اقتباس درج ہے۔

اے احمدی جماعت کی پر ہمت خواتین! اور اے دین کو دنیا پر مقدمہ کرنے والی بہنو! بشارت ہو کہ ہمارے غمخوار خیر خواہ خلیفہ نے آپ کے لئے ہاں آپ کی نازک و پردرد حالت پر رحم کھا کر آپ کے احساسات کو پر لطف بنانے کے لئے ایک زنانہ اخبار جاری کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے۔

اب آپ پوری ہمت اور پورے جوش اور پورے استقلال میں اس قدردانی کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیں۔ جس طرح مسجد لنڈن کے چندے میں بے مثل اور بے نظیر قربانی کا ثواب احمدیہ خواتین نے دیا......................... اسی طرح ہاں ٹھیک اس طرح سے اب اپنے اخبار کو فروغ دیں۔ اور یہ زریں موقعہ ہاتھ سے چھوڑ نا نہیں۔ دیکھو ایسے نادر موقع روز روز نہیں آیا کرتے۔

تو پیاری بہنو! اٹھو ہمت سے کام کرو۔ ہر ایک بی بی ہر ایک احمدی خاتون جانفشانی سے دل میں پختہ عہد کر لے کہ میں ہی اپنی بہنوں کی اپنے دین کی زیادہ خیر خواہ ہوں۔ اور زیادہ غمگسار ہوں۔ اپنے اخبار کے لئے قلم تیار کر لو۔ اور اپنی ان تھک پر جوش کوششوں سے بنادو کہ احمدی خواتین کسی ہمسایہ قوم سے پیچھے رہنے والی نہیں بلکہ اس کی حیثیت ایک رہبر ایک رہنما کی ہے۔ (الفضل 12

دسمبر 1926ء صفحہ 2)

سکول میں خدمات

جب آپ خلافت اولیٰ میں قادیان تشریف لائیں۔ اس وقت سکول تو تھا مگر برائے نام۔ آپ کی علمی شخصیت جانی پہچانی تھی۔ آپ کی اپنی روایت کے مطابق حضرت خلیفہ اول نے فرمایا کہ سکول سنبھال لو۔ عذر کیا کہ میں سکول میں پڑھتی نہیں ہوں۔ اس لئے مشکل ہے، حساب نہیں آتا۔ تو فرمایا آپ چارج لے لیں۔ خدا سب کام کر دے گا۔ دوسرے دن میں فرمایا کہ تم سکول نہیں گئیں۔ جاؤ جا کر مدرسہ سنبھالو۔ اس پر آپ سکول حاضر ہوئیں اور ایک نئی زندگی پیدا کر دی۔ اس کی اطلاع بدر میں اس طرح ملتی ہے۔ (الفضل 23 مئی 1956ء)

''انجمن نے مسز اکمل کی خدمات مدرسہ تعلیم الاسلام کی زنانہ شاخ کے لئے محفوظ کر لی ہیں۔''

(بدر 17 جون 1909ء صفحہ 10)

آپ نے اس ذمہ داری کو باحسن طریق سرانجام دیا اور خلوص سے کام لیا۔ لڑکیوں کو اس طرح پڑھایا کہ ان کے ذہن نشین ہو گیا۔ اس خلوص کی وجہ سے سکول ترقی کرتا چلا گیا۔ سرکاری انسپکشن کے وقت بھی اچھے ریمارکس ہی ملے۔ مکرمی جنید صاحب لکھتے ہیں۔ ''حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے دور خلافت میں تعلیم الاسلام گرلز سکول باضابطہ مڈل سکول تک ایک مشہور ادارہ بن گیا۔ ڈسٹرکٹ اور ڈویژنل عیسائی انسپکٹرس آف سکولز کے بیسیوں شاندار ریمارکس سکول کی لاگ بک پر موجود ہیں سینکڑوں احمدی بچیاں یہاں سے پڑھ کر اعلیٰ تعلیم کے زیور سے مزین ہوئیں۔ (الفضل 13 حسان 1348) افسوس وقت تنگ ہے اور خاکسار سے سکول کے متعلق حوالجات نکالے ہوئے ضائع ہو گئے ہیں۔ اتفاقی طور پر ایک حوالہ مل گیا ہے وہ درج ذیل ہے۔ لکھا ہے۔ ''زنانہ مدرسہ قادیان کی نسبت'' جناب ایل، ایف، سرکار اسسٹنٹ انسپکٹرس کی رائے (خلاصہ)

(1) پچھلے سالانہ امتحانوں سے لے کر اب تک 27 لڑکیوں کا اضافہ ہوا۔ اس وقت 68 لڑکیاں

تعلیم پاتی ہیں۔(اگست 1917ء میں 80 لڑکیاں ہیں)۔(2) تیسری جماعت سے لے کر پانچویں جماعت کا کام اچھا ہے اوران جماعتوں کا حساب بھی اچھا ہے۔(3) معلمہ اول بہت شائستہ خاتون ہے۔لڑکیوں کے ساتھ بڑا اچھا برتاؤ رکھتی ہیں۔اس کی جماعتیں بہت اچھی رہی ہیں۔

قائمقام سیکرٹری صدرانجمن کی رائے: موجودہ انتظام اورکام سکینہ بیگم کی زیرنگرانی ہوتا ہے۔ جوخوش اسلوبی سے نباہ رہی ہیں۔(یہ وہ رائے ہے جو جناب نائب سیکرٹری صاحب نے سالانہ معائنہ کے موقعہ پرصدرانجمن...... میں ظاہر فرمائی)۔ان ذمہ دار افسروں کی آراء سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدرسۃ البنات کی تعلیمی حالت خدا کے فضل سے بہت اچھی ہے۔والدین کا اطمینان لڑکیوں کی روز افزوں تعداد سے ظاہر ہوتا ہے۔ایسا کیوں نہ ہو جبکہ معلمہ اول جناب اکمل صاب کی اہلیہ مکرمہ ہیں۔جن کے دینی معلومات سے پر مضامین سلسلہ کے اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں۔

(الفضل 15 دسمبر 1917ء)

تعلیم نسواں

ان مصروفیات میں بھی آپ تعلیم نسواں کے لئے وقت نکال لیتی اور گھر پر بچوں بچیوں کو بھی پڑھاتی۔یہاں یہ غلط فہمی نہ ہو کہ آج کل کے مروجہ طریق کی طرح گھر پر ٹیوشن پڑھاتی تھیں بلکہ محض حصول رضا الٰہی مقصود تھی۔ان مصروفیات کے متعلق مکرمی جنید صاحب لکھتے ہیں۔

”سکول کے کام کے علاوہ بھی گھر پر ہر وقت لکھائی پڑھائی جاری رہتی تھی۔چھوٹے بچے بچیاں ہر وقت قاعدے، قرآن شریف سامنے رکھ کر رونق افروز ہوتے تھے۔پھر آپ حضور کے حکم کے ماتحت محلوں میں پھر کر بڑی عمر کی عورتوں کو نماز، دعائیں اور دیگر مسائل کا سبق دیتی تھیں۔ہمارے ہی محلہ کا ایک لطیفہ سنایا کرتی تھیں کہ ایک دفعہ فلاں مولوی صاحب کی ان پڑھ بیوی کو درود شریف یاد کرانے گئی تو وہ آٹا گوندھ رہی تھی۔جب میں نے اپنے آنے کا مدعا بیان کیا تو تن کر بولیں جا جا مجھے دعا درود کی کوئی ضرورت نہیں۔مولوی صاحب کو جو آتا ہے۔“ بہر حال کہتی تھیں کہ میں نے

درود شریف اسے یاد کرا کے ہی چھوڑا۔ اللہ اللہ تعلیم نسواں کا یہ جوش اور ولولہ اب کہاں۔ حضرت خلیفہ اللہ الثانی کے زمانہ میں مستورات کی تعلیم و تنظیم کی طرف جب حضور نے توجہ فرمائی تو آپ کا نام ہر تحریک کے اولین کارکنوں میں ہوتا۔''

آپ نے یہ ذمہ داری کو اس وقت تک نبھایا۔ جب تک کہ آپ کی شاگرد ڈگریاں حاصل کر کے آپ کی جگہ کام کرنے کے لئے تیار نہ ہو گئیں۔ جب وہ آئیں تو آپ نے ان کو چارج دیا۔ اور خود خانہ نشین ہو گئیں۔ مکرمی جنید صاحب لکھتے ہیں۔'' 1931ء کے بعد چونکہ ماشاء اللہ تعلیم یافتہ احمدی مستورات کافی تعداد میں قادیان میں آ گئیں۔ اس لئے آپ قدرتی طور پر پس منظر میں چلی گئیں۔ لجنہ اماء اللہ کا قیام عمل میں آ چکا تھا۔ نصرت گرلز ہائی سکول قائم ہو چکا تھا۔ قادیان کی آبادی میں معتدبہ اضافہ ہو گیا تھا۔ ڈگری یافتہ خواتین کی کھپت پیدا ہو چکی تھی۔ انگریزی اور مغربی تہذیب و تمدن ملک پر چھا چکی تھی فارسی و عربی بلکہ اردو پڑھے ہوئے لوگ جاہل تصور ہوتے تھے۔ نیا زمانہ نئی روشنی کی آمد آمد تھی۔'' (الفضل 2 احسان 1348 ہش)

ابتدا میں سکول جاری کرنے سے آپ کو موقعہ ملا کہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ سے قرآن پڑھیں اور ترجمہ سیکھیں۔ اس کا موقعہ اس طرح پیدا ہوا کہ حضرت اکمل صاحب ان دنوں حضور کے مکان پر ہی سکونت رکھتے تھے۔ حضور نے آپ کی تلاوت سن لی۔ تو ارشاد فرمایا کہ روزانہ مجھ سے پڑھ کر لڑکیوں کو پڑھایا کرو۔ (الفضل 22 مئی 1956 ہش) اس واقعہ کو مکرمی جنید صاحب نے یوں روایت کیا ہے۔'' قرآن کریم آپ نے از سر نو حضرت خلیفۃ المسیح الاول سے پڑھا تھا۔ مجھے بتایا کہ جب گرلز سکول ابھی حضرت کے مکان پر ہی تھا۔ آپ نے مجھے شاید دیہاتی لہجہ میں تلاوت کرتے سن لیا۔ اس لئے حکم دیا کہ روزانہ نماز فجر کے معاً بعد جب میں واپس آؤں۔ تو ایک رکوع مجھے سنا کر لڑکیوں کو پڑھایا کرو۔ چنانچہ پہلے تو میں بطور فرض تعمیل کرتی رہی۔ پھر اسے خدا تعالیٰ کا خاص فضل اور موقع سمجھ کر بڑی باقاعدگی سے ترجمہ قرآن کریم پڑھ لیا۔'' (الفضل 2 احسان 1348 ہش)

یہ خدا کا خاص فضل ہے۔ایں سعادت بزور باز ونیست۔اس علم کوآپ نے اپنے تک محدود نہ رکھا۔بلکہ دن رات اس کی اشاعت میں ایک کر دیئے۔سکول کے زمانہ کے بعد بھی آپ اس لگن میں مگن رہیں کہ میں زیادہ سے زیادہ مستورات کوزیورتعلیم سے مزین کروں۔مکرمی جنید صاحب اس کا ذکران الفاظ میں کرتے ہیں۔''والدہ مرحومہ قریباً چالیس برس قادیان میں رہی ہیں اس عرصہ میں احمدی مستورات کے دینی و مذہبی مشاغل کے علاوہ ادبی وعلمی کارگردیوں میں ان کا بھرپورحصہ ہے۔قادیان میں ''استانی جی'' کے نام سے مشہور تھیں۔اوردن رات تعلیم وتدریس اورتربیت ان کا کام تھا'' ان مصروفیات کا متفرق طور پر ذکر ہو چکا ہے۔اس کے علاوہ آپ نے مستورات کے متعلق ہرتحریک میں اوّلین صف میں کھڑے ہونے کا مقام پایا۔اورکوئی نہ کوئی عہدہ پاس رہا۔جس کوآپ نے بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا۔مکرمی جنید صاحب لکھتے ہیں۔''لجنہ اماءاللہ کی ابتدائی ممبروں میں سے مستورات خاندان کے بعد آپ تھیں۔پہلے مرکزی انتخابات میں آپ امۃ الحیٔ لائبریری کی لائبریرین اور رجسٹر ممبران برائے حاضری و چندہ جات اور کارگزاری اجلاسات کے لئے مقرر ہوئیں۔'' (الفضل 2 احسان 1338ھش)

اس طرح آپ **خیرکم من علّم و تعلم** کے زمرہ میں شامل ہوئیں۔اور**طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ** کا زندہ جاوید نمونہ بنیں اور**اطلبوا العلم من المھد الی اللحد** کہ ابتدا سے سن شعور سے آخر دم تک علم حاصل کرتے چلے جاؤ۔آپ کا وجود ان احادیث کی خدمات کا جامع اورعملی تصویر تھا۔آپ آخری عمر تک علم حاصل کرنے میں کوشاں رہیں۔اوراس میں کبھی جھجک محسوس نہ کی۔اردومحاورہ کے متعلق مکرمی جنید صاحب لکھتے ہیں۔

''مصروف لیکن نہایت مطمئن اور با آمن زندگی گزاری احمدی مستورات سے بڑے گہرے اور..........وسیع تعلقات تھے۔دورنزدیک احمدی جماعت کی خواندہ مستورات میں سے ہرایک کو جانتی تھیں۔اوران سے تعلق بڑھانے کے لئے کوشاں رہتی تھیں خصوصاً اردو زبان

سے بے انتہا ہونے کی وجہ سے دہلی، یو پی کے اطراف کی خواتین کی گفتگو سننے کے لئے ان کے ہاں جا جا کر ملاقات کرتیں۔ اور پھر اپنی کاپی پر محاورے اور روز مرہ نوٹ کرتیں۔ اور گھر میں ہمیں بتاتیں‘‘

اردو سے آپ کو محبت تھی صرف لفظی محبت نہ تھی۔ بلکہ اس پر عبور حاصل تھا۔ وسیع علم حاصل تھا۔ مکرمی جنید صاحب لکھتے ہیں۔ ’’راقم الحروف کی خاطر انہوں نے ایم اے اردو کی نصابی کتابوں کے خلاصے ایک بڑی کاپی میں جمع کر دئے تھے‘‘ (الفضل 2 احسان 1948 ہش)

خاندانِ مسیح موعود سے تعلق: آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بہت والہانہ محبت تھی۔ اس طرح آپ کے خاندان سے بھی آپ کو محبت و پیار تھا۔ اس وجہ سے ان کی خدمت کرنا فخر تھا۔ آپ خدمت کے لئے حاضر ہوتیں۔ اس طرح تعلق بڑھا۔ خوش قسمتی سے جب آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے قرآن پڑھنا شروع کیا۔ تو حضرت نواب مبارکہ بیگم مدظلہا تعالیٰ کے ہم سبق ہونے کا فخر بھی حاصل ہوا۔ اس طرح آپ کے لئے یہ پڑھنا تین انعام کا موجب ہوا۔ ایک علم قرآن دوسرا علم قرآن خلیفۃ المسیح الاوّل جیسی عاشق قرآن ہستی سے اور تیسری نواب مبارکہ بیگم مدظلہا تعالیٰ کے ساتھ مل کر پڑھنا۔ اس کے متعلق مکرمی جنید صاحب روایت کرتے ہیں۔

’’اس وقت حضرت نواب مبارکہ بیگم مدظلہا تعالیٰ بھی ان کی ہم سبق تھیں۔ اس لئے ان سے بطور بے تکلف سہیلی کے تعلقات ہو گئے۔ اور پھر حضرت اماں جان کے پاس آنا جانا شروع ہوا۔ کہا کرتی تھیں کہ میں نے گھنٹوں حضرت اماں جان کے پاس بیٹھ کر اردو ادب کی کتابیں، انہیں پڑھ پڑھ کر سنائی ہیں۔ اس سے مجھے بے انداز فائدہ ہوا کیونکہ علامہ راشد الخیری اور ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے اخلاقی ناولوں میں جن عجیب و غریب اشیاء زیورات اور برتنوں کے نام آتے تھے۔ وہ مجھ دیہاتی کو کیا معلوم لیکن حضرت اماں جان ان کی شکل اور استعمال واضح فرما دیتی تھیں بلکہ کئی ایک اشیاء کے لئے حضرت اماں رضی جیسی دلّی کی بڑی بوڑھیوں سے دریافت کر کے مجھے سمجھا دیا کرتی

تھیں۔‘‘ (الفضل 2احسان 1348ھش)

اس طرح آپ ان خوش نصب وجودوں میں سے ایک ہیں جن کو خاندان نبوت کے کسی فرد کو پڑھانے کا موقعہ ملا۔ مکرمی جنید صاحب لکھتے ہیں: ’’حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحب سلمہا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کو بھی بچپن میں ابتدائی جماعتوں کی پڑھائی اور لکھائی سکھانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس طرح دیگر افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ایسے علمی اورادبی تعلقات تھے۔ حضرت ام ناصر رضی اللہ اور حضرت ام مظفر سلمہا اللہ سے تو زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تعلق تھا۔ ان دونوں خواتین مبارکہ کی قیادت میں احمدی مستورات کی تنظیم وتعلیم وتربیت کا بڑا کام ہوا ہے۔ (الفضل 2احسان 1348ھش) آپ کی اپنی روایت ہے۔’’جب عزیزہ محترمہ صاحبزادی امۃ الحفیظ صاحبہ 6/5 سال کی ہوئیں۔ تو اماں جان نے فرمایا کہ کہ امۃ الحفیظ کو پڑھاؤ۔ سواس عاجزہ نے صاحبزادی صاحبہ کو اردو لکھنا پڑھنا سکھانا شروع کیا۔‘‘ سیرت ام المومنین جلداول صف 423۔ (سیرت ام المومنین جلد اوّل صفحہ 423)

آپ کا حضرت نواب مبارکہ بیگم سے بہناپہ تھا۔ آپس میں بہت محبت تھی۔ اکثر ملاقات نہ ہوتی توشکوہ وشکایت شروع ہوجاتا۔ جب حضرت نواب محمد علی صاحب رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو آپ صبح گھر کے کام سے جلدی فارغ ہوکر مکرمی مرزا عبدالحمید صاحب کی بچی عزیزہ رشیدہ کو ساتھ لے کر نواب صاحب کی کوٹھی چلی جاتیں۔ اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا دل بہلانے کی کوشش کرتیں۔ علمی گفتگو ہوتی۔ کبھی آپ کچھ پڑھ کر سناتیں اور کبھی محترمہ رشیدہ صاحبہ سے نظمیں سنواتیں۔ اور ہجرت تک آپ اکثر کوٹھی جا کر ملاقات کرتیں۔ اس سے محبت بہت اور بڑھ گئی۔ جب آپ کی وفات ہوئی اور مکرمی مرزا صاحب کی بچی نے نواب صاحبہ کو اطلاع کی۔ تو آپ فوراً آخری زیارت کے لئے تیار ہوگئیں۔ بیماری اور ضعف پیری کے ساتھ آپ کی گاڑی بھی تیار نہ تھی۔ آپ کی الفت نے توقف کو روانہ سمجھا۔ آپ پیدل روانہ ہوئیں۔ ٹیوب ویل کے موڑ پر گاڑی مل گئی۔ اور آپ مکرمی

جنید صاحب کے گھر تشریف لائیں ۔اور کافی دیر تعزیت میں گزرا۔اس طرح دیگر خواتین مبارکہ خاندان مسیح موعود بھی تعزیت کے لئے تشریف لائیں ۔مکرمی جنید صاحب لکھتے ہیں ۔

(''خاندان حضرت مسیح موعود کی خواتین مبارکہ بنفس نفیس تعزیت کے لئے غریب خانہ پر باوجود موسم کی تلخی اور علالتوں کے تشریف لائیں ۔ان کے پوتے پوتیوں کو دلاسہ اور شفقت سے مزید احسان مند کیا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ'' (ایضاً) سادگی :مکرمی جنید صاحب لکھتے ہیں :۔'' آپ نہایت سادہ زندگی بسر کرتی تھیں ۔سفید لباس پر سفید برقع ہوتا۔اور ہاتھ میں عصا ُکرتے کی اوپر مخمل کی واسکٹ اور جیب میں گھڑی ......اگرچہ آپ ہمیشہ سادہ اور سفید لباس زیب تن کرتی تھیں ۔تاہم ڈیل ڈول اور ظاہری جسم کے لحاظ سے بڑی رعب دار اور دبدبہ والی خاتون تھیں ۔ پاٹ دار آواز اور لہجہ کی وجہ سے مرد بھی دب کر بات کرتے تھے۔ پردے کے اندر سے ان جھک بات کر لیتی تھیں ۔(ایضاً)

قادیان میں ہجرت کرنے کے بعد جب آپ نے عملی سرگرمیاں شروع کیں تو احمدی حلقہ میں متعارف تو آپ پہلے سے ہی تھیں ۔اب جب آپ قادیان میں رہائش پذیر ہوئیں تو ملاقات ممکن تھی ۔اکثر باہر سے آنے والی خواتین آپ کی ملاقات کی شائق ہوتیں ملتیں اور خوش خوش جاتے ہوئے ایک پیار بھری یاد دلوں میں لے کر واپس ہوتیں ۔لیکن ان میں سے بعض کے نزدیک ظاہری لباس میں زمانے کا رنگ بھی ضروری تھا۔اس کا انہوں نے اظہار کیا۔جب اس بات کا آپ کو علم ہوا تو آپ نے ایک مضمون لکھا۔اس کا ایک اقتباس درج کرتا ہوں ۔تحریر کیا۔

''میری ایک معزز نوازش فرمانے مجھے فرمایا تھا۔جو مہمان بھی آتی ہے وہ تمہارے بارے میں پوچھتی ہے کہ ہم نے اسے ملنا ہے۔............پھر ان کی شاندار دعوت نہ ہو۔یا تمہارے سجے کمرے نہ دیکھیں یا تمہارا بھڑک دار لباس نہ دیکھیں تو پھر شاید وہ قدر تمہاری ان کے دل میں نہ رہے ....سو میری پیاری بہنو! میں آپ کو نہایت زور سے عرض کرتی ہوں کہ اگر آپ ہمارے عمدہ کپڑے عمدہ زیور دیکھنا چاہتی ہو۔اگر ہمارے شاندار کمرے دیکھنا چاہتی ہو۔اگر ہماری نمائشی

دعوتیں کھانا چاہتی ہوتو خدا کی قسم ہم اس سے معذور ہیں ...... بلکہ محض اللہ کے لئے آئے ہیں‘‘۔
(بدر 23 نومبر 1911ء صفحہ 11)

علمی کارنامے: البدر میں خواتین کے کالم اور اخبار نسواں کی تحریک اور قادیان میں انجمن احمدیہ مستورات کا قیام اور سکول کے اجراء کا ذکر کر چکا ہوں۔ یہاں آپ کے مضامین کا تذکرہ ہی مقصود ہے۔ آپ کی زندگی بڑی مصروف زندگی تھی۔ مگر گھریلو مصروفیات کے باوجود آپ نے تکمیل علم دین کی۔ اور اس کے ساتھ اردو انشاپردازی شروع کی۔ 15 / 14 سال کی عمر میں آپ نے مضمون لکھنے شروع کئے۔ اور اس وقت تک لکھتی رہیں جب تک کہ جماعت احمدیہ میں اہل قلم خواتین کی کثرت نہ ہوگئی۔ اس وقت آپ خود پس منظر میں چلی گئیں۔ آپ کی مضامین کی فہرست آخر میں درج ہے۔ چند مضامین کے اقتباس درج ہیں۔ جن سے آپ کے خلوص قلب اور دلی خواہش کے علاوہ طرز تحریر کا بھی علم ہوتا ہے۔ تربیت اولاد کے تحت لکھتی ہیں۔

’’وسیلہ نجات کا نیک اولاد مانگنا ہے۔ اور اس طرح مانگنی چاہئے جس طرح حضرت زکریا پیغمبر نے مانگی تھی .... بچوں کے اخلاق آئندہ پر نہایت بدنما اثر پڑتا ہے اگر اس طرح لاپرواہی کی جاوے گی۔ تو اس کی جواب دہی ماؤں کے ذمہ ہوگی۔ مانا کہ بعض بچے طبیعت کے ہی ضدی اور ہٹ دھرم ہوتے ہیں مگر مائیں آخر مائیں کس واسطے ہیں۔ صرف دودھ پلانا تو حیوان بھی جانتے ہیں .... مگر انسان اشرف المخلوقات ہے۔ چاہئے کہ اپنی عقل کو عمدہ طور سے برتے اور اپنے پیارے نونہالوں میں گود ہی میں روحانی سنوار کر روح پھونک دے۔ کون ایسی غافل بہن ہے کہ بچے کو اگر باہر بھیجنا ہو تو اسے اس طرح غلیظ اور میلا ہی بھیج دے............ محض اس لئے کہ لوگ نہ کہیں .... پس اولاد کو بچپن سے ہی عمدہ تعلیم شروع کردو۔ اور ان کے واسطے شبانہ روز اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگو کہ نیک وصالح ہوں۔

پیاری بہنو! افسوس ہے کہ میں نہایت کم علمی کے باعث زیادہ اس پر نہیں لکھ سکتی۔ ورنہ دل میں

تونہایت سوز اور درد ہے کہ ہماری اولادیں روشن ستارے کی طرح قوم میں روشنائی پھیلائیں۔اور وہ آفتاب کی طرح دنیا میں نیکوئی کی چمک پیدا کریں۔اخیر میں التجا کرتی ہوں کہ اپنے ان پیارے شگفتہ پھولوں کی قدر کرو۔اوران کی تربیت میں اپنے ہنر کا نمونہ دکھاؤ تا کہ تمہاری عمدہ یادگاریں دنیا میں ہوں اورحسنات دارین کا باعث ہو۔'' (بدر 27 جنوری1910ء)

''ازدواج ثانی ضروری ہے'' کے نازک موضوع پر جب آپ نے قلم اٹھایا۔توصنف نازک پر زوردیا۔شرعی حکم ہے سوکن کے''ہوا'' سے نہ ڈریں۔بلکہ اس کا استقبال کریں اور محبت والفت سے ایک دوسری سے تعاون کر کے اپنی زندگی کو جنت نشین بنائیں۔اگر اولاد نہ ہوتو پھرتوخود سوکن لائیں کیونکہ اولاد نہ ہونا 95 فیصدی سے زیادہ عورتوں کی کمزوری ہے۔اسی طرح نمبروار دلائل واقعات کے ساتھ دے کر پرزور اپیل کی ہے صنف نازک سے کہ ازدواج ثانی ضروری ہے۔''

جب یہ مضمون بدر کے ایڈیٹر صاحب کوملا تو انہوں نے مندرجہ ذیل نوٹ کے ساتھ شائع کیا۔

''ہماری مکرمہ محترمہ سکینۃ النساء المعروف اہلیہ اکمل نے نہایت دلیری کے ساتھ ایسے مضمون پر قلم اٹھایا ہے کہ شاید ہمارے اکثر مردوں کوبھی حوصلہ نہیں کہ اس پر کچھ لکھ سکیں۔جو کچھ انہوں نے لکھا مدلل بآیات قرآن واحادیث رسول ہے۔ہمارے احباب کو چاہئے کہ یہ مضمون ضرورعورتوں کو سنائیں اوران کی کمزوری کی طرف ان کومتوجہ کریں کہ ایک شرعی حکم پر ناراضگی کا اظہار کر کے وہ گنہگار نہ بنیں ....اللہ تعالیٰ اس مضمون کوان کے دلوں کی سکینت اور آرام کا موجب بنائے۔
(البدر 12 دسمبر 1911ھش)

''خلوت میں عبادت'' کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اپنا واقعہ بیان کرنے کے بعد ان الفاظ سے پرزور اپیل کرتی ہیں۔''اب رہی ہم مستورات کی عبادت سو میری بہنو! خدا کے لئے تم اپنے نفسوں کا تزکیہ سب سے الگ ہوکر کرو۔تا فلاح پاؤ۔کیونکہ یہ دنیا کا مال یہ دولت یہ حرص وہوا کے سامان ہرگز کام نہیں آئیں گے۔اپنے نفسوں کو اللہ کی راہ میں قربان کروتا ہمیشہ کی زندگی پاؤ۔''

(البدر 4 فروری 1909ء)

مکرمی صوفی غلام محمد صاحب مبلغ ماریشس صاحب مع اہلیہ کو ایڈریس جو لجنہ کی طرف سے پیش ہوا وہ آپ نے ہی لکھا اور پڑھا۔ اس دعوت کی صدارت حضرت خلیفہ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے۔ آپ نے ایڈریس کو ان شاندار الفاظ سے سراہا۔ فرمایا: ''سب سے پہلے میں اس امر پر خوشی کا اظہار کرتا ہوں کہ جو ایڈریس لجنہ کی طرف سے پیش ہوا وہ اگلے ایڈریسوں سے بہت سی باتوں میں بہتر تھا۔ ایک تو اس لئے کہ ان حقیقی مطالب پر مشتمل تھا جو ایسے مواقع کے لئے ہوتے ہیں۔ دوسرے اس لحاظ سے بھی کہ اس کے مطالب نہایت ہی سادہ عبارت میں بغیر کسی تکلف و بناوٹ یا غیر ضروری طوالت کے ظاہر کئے گئے ہیں۔'' (مصباح اپریل 1927ء)

آپ کی ایک نعت بھی ملی ہے۔ اس کے متعلق ایک نوٹ بھی لکھا ہے۔ ''آہ نومبر 1903'' نہیں بھولتا کیسا خوشگوار زمانہ تھا۔ کیسا نیک سماں تھا۔ جبکہ ابھی امور خانہ دار کے یہ جھمیلے نہ تھے۔ اور اس قدر تعشق دین سے تھا کہ بخدا تڑپ تڑپ کر دن اور رات گزرتے۔ دل چاہتا کہ کسی طرح زیارت نبی کریم خواب میں ہو۔ اس زمانہ میں دل میں اس قدر درد پیدا ہوا چلا تھا کہ مجھے کھانے کی بھی کوئی پرواہ نہ ہوتی۔ اس پیارے زمانے کا ذکر ہے کہ مجھے ہر روز نہایت عمدہ خواب آتے تھے اور سب دعائیں مقبول ہوا کرتیں تھیں۔ انہیں دنوں میں یہ شعر کہے تھے۔''

نعت

میں مشتاق دیدار نور خدا ہوں	میں مشتاق دیار خیر الوراء ہوں
دکھاؤ جمال اپنا مجھ کو خدارا	یہی عرض کرتی ہوں دل سے سدا ہوں
مدینے میں مجھ کو بلا لیجئے	دل و جاں سے آپ پر میں فدا ہوں
میرا دل ہے بیزار پنجاب سے	تری در پہ آئی میں مثل گدا ہوں

کہے میم احمد کا عالم میں ہوں	خدا کی میں رحمت کا چشمہ بنا ہوں
قیامت کے دن آپ فرمائیں گے	ادھر آؤ سب کو بچانے کھڑا ہوں
تیرے در پہ آئی ہے خاتون عاجز	تر حرم انبیاء میں کرتی صدا ہوں

(بدر 30 اپریل 1908ء)

خوش خطی: آپ کا خط نہایت خوبصورت تھا مگر عورت ہونے کی وجہ سے کتابت نہ کرتی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے فرمایا کہ میں نے سارا ہندوستان پھرا ہے مگر اس سے اچھا خوشخط کسی عورت کا نہیں دیکھا۔ آپ کی اپنی روایت ہے کہ جب میں خلافت اول میں پہلی بار حاضر ہوئی تو حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ میری بیوی کا اصرار ہے کہ تمہارے جو مضمون آتے ہیں وہ کسی سے لکھوا کر بھیجتی ہو۔ اس پر حضرت اماں جان بھی آ گئیں۔ فرمایا ہاں میں نہیں مانتی۔ اس پر حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا کہ لکھ کر دکھاؤ آپ نے ایک عبارت لکھی۔ تو اماں جان نے تسلیم کر لیا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اب مجھ سے نہ جھگڑنا کہ کسی عورت کا اتنا خوبصورت خط نہیں ہو سکتا۔ (الفضل 23 مئی 1956ء)

ایتاء ذی القربیٰ: آپ بڑی رحم دل بی بی تھیں۔ رشتہ دار تو کجا اڑوس پڑوس کو بھی شکایت کا موقعہ نہ دیا۔ بلکہ اپنی ہر خوشی میں ان کو شامل کیا۔ گو لیکی میں پہلے اپنے چھوٹے بہن بھائی کو جو صغر سنی میں ہی یتیم ہو گئے تھے۔ پالا پوسا۔ تعلیم و تربیت دی اور ان کی شادی تک انہیں حرز جان بنا کر رکھا۔ ان کے بھائی پیرزادہ رشید احمد صاحب ارشد ریٹائرڈ محاسب صدر انجمن احمدیہ اور بہن صفیہ بیگم اہلیہ ڈاکٹر کیپٹن سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم آف دھرم کوٹ رندھاوا ہیں۔

قادیان میں بھی غریب بچوں کو علاوہ تعلیم کے ان کی مالی امداد بھی اپنی استطاعت کے مطابق کیا کرتیں۔ تقسیم ہند کے بعد لاہور میں قیام تھا۔ یہیں 1953ء میں ان کی بہو (مکرمی جنید صاحب کی اہلیہ) جن کو انہوں نے خود لکھایا پڑھایا اور ہر طرح کی تربیت دی۔ چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر

نوجوانی میں ہی فوت ہوگئیں اور بہشتی مقبرہ میں ہی مدفون ہوئیں۔اس لئے اپنے پوتے پوتیوں کی جانفشانی سے پرورش کی۔جواب خدا کے فضل سے سب اعلیٰ تعلیم سے متصف ہیں۔ماشاءاللہ

ہسپتال میں زنانہ وارڈ کی تحریک

آپ کو ایک تڑپ تھی ایک لگن تھی۔ایک ہی خواہش دامنگیر تھی کہ احمدی مستورات زیورتعلیم سے مزین ہوکر ایک مثالی معاشرہ قائم کریں۔اس وجہ سے آپ کا دماغ ہر وقت اس سوچ میں رہتا۔اس لئے آپ کو خداوند نے چند تحریکات پیش کرنے کا موقعہ نصیب کیا کہ تا قیامت آپ کا نام زندہ رہے گا۔تعلیم نسواں، تنظیم نسواں اور بہبودی نسواں پہلے ان کا ذکر ہو چکا ہے۔یہاں صحت نسواں کا ذکر مقصود ہے۔آپ نے حتی المقدور کوشش کی کہ مستورات کے لئے ہر سہولت مہیا کی جائے۔1921ء کے ابتدا میں آپ بیمار ہوئیں۔تو آپ کو زنانہ وارڈ کی ضرورت محسوس ہوئی۔آپ نے چندہ کی اپیل کی اور آخر زنانہ وارڈ پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ان مضامین کے چند اقتباس درج ہیں۔

''محترمہ سکینۃ النساء صاحبہ نور ہسپتال میں زنانہ وارڈ بنانے کے متعلق مرکزی مستورات میں چندہ کی تحریک کررہی ہیں۔(ایڈیٹر) (الفضل 11 اگست 1921ء صفحہ 1)

''میری محترم بہنیں یہ یاد رکھیں کہ عید قربانی بھی ایک عظیم الشان قربانی کی یادگار ہے اور یہ آپ کی ناچیز خادمہ بھی آپ لوگوں سے مالی قربانی کی خواہشمند ہے سو کیا ہی عمدہ اور بہتر قربانی ہوگی کہ ہماری معزز بہنیں اپنی غریب اور بیکس بیمار بہنوں کی خود خبر گیر ہوں۔ہمیشہ سے میرا یہ منشاء رہا۔اگر ہم لوگ خیرات بھی دیں تو کسی محتاج بیمار کو دوائی کی شکل میں دیں۔اور اب تو پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ مستورات کی طرف سے زنانہ وارڈ ہسپتال میں بن جاوے۔سو! میں احمدیہ مستورات سے پر زور اپیل کرتی ہوں کہ وہ عید کے روز اپنی اپنی جگہ پر جلسہ کرکے خواتین سے چندہ وصول کر کے بھجوائیں اور مجھے اطلاع دیں۔اور براہ کرم ان پڑھ بیویوں کو تعلیم یافتہ بہنیں یہ ضروری پیغام سنا دیں۔اس کام میں آپ کا اللہ تعالیٰ حافظ وناصر ہو۔'' (الفضل 15 اگست 1921ء)

پھر لکھتی ہیں: ’’ آپ کو خوشخبری ہو کہ الحمدللہ میری محترم اور عزیز بہنوں نے اس ناچیز کی صدا پر لبیک کہی یعنی باہر کی احمدیہ خواتین میں سے بہتری بہنوں نے زنانہ وارڈ کی قادیان میں ضرورت محسوس کی۔ اور امداد کا وعدہ فرمایا................ چونکہ زیادہ تر ہماری مقامی بہنوں نے ہسپتال سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اس لئے ان کو پرزور اپیل کے طور پر عرض کرتی ہوں کہ وہ سب سے بڑھ چڑھ کر اس کارخیر میں حصہ لیں بیشک سالانہ جلسہ بھی قریب ہے۔ اور اس میں امداد ضروری ہے مگر یہ اپیل ہمدردی نسواں کے لئے اپنی ہی محترم بہنوں سے ہے اور اس کی تکمیل ان کا فرض ہونا چاہئے۔
(الفضل 13 اکتوبر 1921ء)

خدا کے فضل سے احمدیہ مستورات اس طرف متوجہ ہوئیں۔ اور قریباً دوسال بعد آپ کی طرف سے ہی زنانہ وارڈ کے سنگ بنیاد رکھے جانے کے متعلق خبر شائع ہوئی۔ لکھا ہے۔

’’ الحمدللہ کہ مورخہ یکم اگست 1923ء زنانہ وارڈ کا سنگ بنیاد حضرت ام المومنین علیہا السلام کے بابرکت ہاتھوں سے رکھا گیا۔ آپ نے مع ممبران لجنہ و دیگر مستورات کمال مہربانی وشفقت مادرانہ سے دیر تک نور ہسپتال میں دعا فرمائی۔ احمدی بہنوں نے چندہ دینے میں حصہ لیا۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی بیرونی محترم بہنوں نے اس ثواب میں بہت کچھ حصہ لیا ہے مگر اب حضور خلیفۃ المسیح نے چونکہ اپنے خطبہ میں اظہار خوشنودی فرمایا ہے کہ برلن مسجد ہماری کمزور جماعت کے کمزور حصہ نے بنانے کا سامان کرلیا ہے۔ اس لئے اس خوشی کا شکریہ اس محبت میں ادا کرنا چاہئے کہ زنانہ وارڈ جو اپنی ہی بہتری کا ذریعہ ہے۔ وہ اپنے پاکیزہ مالوں میں سے جلد بنوا دیا جائے۔ اگر ہر ایک احمدی بہن ایک روپیہ بھی اپنے حصہ میں لے لے تو بھی انشاءاللہ بہت سی امداد مل سکتی ہے۔

معزز خواتین چندہ بہت جلد دفتر محاسب میں بھجوائیں کیونکہ اب کمرہ بننا شروع ہو گیا ہے۔ امید ہے کہ محترم بہنیں حضرت خلیفۃ المسیح و حضرت ام المومنین کی خوشنودی کا باعث بنیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک احمدی بہن کے مالوں میں برکات نازل فرماوے۔ آمین۔ ناچیز سکینۃ النساء از قادیان

ممبر لجنہ اماء اللہ۔ (الفضل 7 اگست 1923ء)

آخری برس ربوہ میں: گولیکی سے قادیان ہجرت کی۔ قادیان کو مجبوراً چھوڑنا پڑا۔ تو لاہور اپنے چھوٹے بچے مکرمی عبدالرحیم صاحب شبلی کے ہاں قیام کیا۔ مکرمی جنید صاحب لکھتے ہیں:'' پاکستان بننے کے بعد وہ زیادہ تر اپنے چھوٹے بیٹے کے پاس لاہور میں 1962ء تک رہیں۔ اور وہیں ایک سال تک مختلف عوارض میں مبتلا ہوگئیں۔ تین چار میجر اپریشن ہوئے۔ لیڈی ولنگٹن اور میو ہسپتال میں چھ ماہ تک داخل رہیں۔ لیکن بلڈ پریشر اور پیٹ میں بدستور تکلیف رہی۔ اوائل 1963ء میں میرے پاس دارالصدر شرقی ربوہ میں رہائش پذیر ہوگئی تھیں۔ لیکن عموماً صاحب فراش رہیں۔ (الفضل 3 احسان 1348ہش)

اس عرصہ میں خاکسار کا بھی تعارف ہوا۔ جب حضرت قاضی صاحب نے میرا تعارف ان الفاظ میں کروایا کہ یہ شادیوال کے رہنے والے ہیں۔ ان کا ایک گھر گولیکی میں بھی تھا۔ تو آپ نے نہایت محبت سے دست شفقت پھیرا اور دعائیں دیں۔ اس کے بعد اکثر آپ کے پاس بیٹھنے کا موقعہ ملا اور خدمت کا بھی۔ باوجود ضعف کے آپ نے کبھی کوئی شکایت نہ کی۔ خدا سے گلہ شکوہ تو بڑی بات ہے کبھی اولاد کا بھی نہ کیا۔ اور ہوتا بھی کیوں۔ جب خدا کا فضل بھی شامل حال تھا اور پوتے پوتیاں بھی خدمت گزار تھیں۔ نہایت سادہ لباس ہاتھ میں اکثر چھڑی، سر پر ہمیشہ دوپٹہ رہا۔ کبھی ننگے سر نہ دیکھا حالانکہ خلوت میں بھی آپ کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ زبان پر خدا کی حمد ہر دم رہتی اور انجام کی دعائیں۔ پان کھایا کرتیں۔ چھالیہ اکثر میں لاکر دیا کرتا تھا۔ آپ کی بزرگی اور توکل الی اللہ کا میں اس وقت اور بھی گرویدہ ہوا جب حضرت قاضی صاحب کی وفات ہوئی۔ وفات اچانک ہوئی تھی۔ رات گئے تک آپس میں باتیں کرتے رہے تھے۔ صدمہ لازمی تھا اور پھر آخری عمر میں رفیق حیات کا جدا ہونا۔ جب آپ کو اطلاع ہوئی تو آپ آئیں جب کمرہ میں داخل ہوئیں تو دو یا تین دفعہ رانوں پر ہاتھ مارا اور کہا ''ہائے اللہ کیا ہوگیا'' اس کے بعد موڑھے

پرسر کی طرف بیٹھ گئیں اور دعائیں کرنی شروع کردیں۔الٰہی تیرا نیک بندہ تھا۔ساری عمر خدمت میں گزری۔تواس کواپنے قرب میں جگہ دینا۔‘‘اس کے علاوہ میں نے کوئی الفاظ نہ سنے۔اللہ اللہ یہ صبر کتنا بڑا صبر جمیل ہے کہ قرون اولیٰ کے نظارے آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔

اور ربوہ میں ہی 20 مئی 1969ء بروز منگل ساڑھے پانچ بجے اپنی خدمتگذار پوتی کے ہاتھوں دوتین سانس لے کر اپنی جاں آفرین کے سپرد کردی۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون**۔آپ نے 1/7 حصہ ترکہ کی وصیت کی ہوئی تھی۔ وصیت کا نمبر 678 ہے۔جب حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کواطلاع کی گئی توآپ نے تعزیت کا پیغام بھیجااور نماز جنازہ بعد نماز عصر کاارشاد فرمایا۔احاطہ غربی مسجد مبارک میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے نماز جنازہ پڑھی اور مسجد کے مشرقی کونہ تک کندھا دیا۔ پھر پہرہ دار کے یاددلانے پرحضور واپس تشریف لے گئے۔آپ خدا کے فضل سے قطعہ صحابہ خاص میں مدفون ہیں۔جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیااورمحراب کے سامنے گیٹ کی طرف رخ کیا جارہا تھاتو ایک صحابی مسیح موعود نے بلند آواز سے آپ کوان الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا۔’’بی بی تینوں رب بہشت نصیب کرے۔توں ہی قادیاں وچ لکھائی پڑھائی داجھنڈا گڈیاسی‘‘

چندے

آپ نے ابتدا سے ہی وصیت کردی تھی۔اس کے علاوہ آپ نے تحریک جدید میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔زنانہ وارڈ کی تحریک کی اور چندہ بھی دیا۔مسجد برلن میں چندہ دیا۔اخبار میں درج ہے۔

نمبر 27 استانی سکینۃ النساءصاحبہ ۔بندے طلائی

تقاریر

آپ ابتدا میں پندرہ روزہ اجلاسات میں تقریر کیا کرتی۔جن کا ذکر اخبارات میں ہوتا رہا۔ اخبارات سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایک جلسہ پر بھی تقریر کی تھی۔ پروگرام جلسہ سالانہ خواتین 1925ء(پہلا دن اجلاس زیر صدارت حضرت ام ناصر صاحبہ)11;30 بجے سے 12 بجے

رشتہ داروں سے حسن سلوک استانی سکینہ النساء صاحبہ (الفضل دسمبر 1925 صفحہ 7) آپ کے حالات زندگی مکرمی جنید صاحب کے مضمون مطبوعہ الفضل 31 ہجرت 1348 ص 5 اور 3 احسان 1348 ہش ص 5 اور مصباح 1969ء سے ماخوذ ہیں۔

فصل چہارم

حالات حضرت مولوی محمد نورالدین صاحب اجمل

آپ حضرت قاضی اکمل صاحب سے چھوٹے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ دنیاوی تعلیم صرف چھ جماعت تک حاصل کی۔ اس کے بعد گھریلو امور کی سرانجام دہی کے لئے تعلیم کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ حضرت مولوی صاحب سکول چلے جاتے حضرت قاضی صاحب قادیان تشریف لے آئے تھے۔ ان کے بعد گھر میں آپ اکیلے ہوتے۔ اس وجہ سے تعلیم چھوڑنی پڑی۔ آپ کی تحریری بیعت تو 1895ء کی ہے۔ قاضی صاحب کی روایت کے مطابق 1908ء میں لاہور میں دستی بیعت سے مشرف ہوئے۔ 1925ء میں جب حضرت مولوی صاحب ہجرت کر کے قادیان تشریف لے آئے تو جماعت کی تربیت وخدمت آپ کے سپرد تھی۔ یہ نازک ذمہ داری آپ نے 1955ء تک انجام دی۔ اس دوران آپ درس اور قرآن مجید پڑھنے میں بڑے باقاعدہ رہے اور حتی المقدور آپ نے جماعت کی خوب خدمت کی۔ 1955ء کے بعد ضعف پیری کی وجہ سے مجبور آپ کو یہ خدمات دوسرے کے سپرد کرنی پڑی۔ اب بھی جماعتی کاموں میں بڑی جوانمردی سے حصہ لیتے ہیں۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے خلافت ثالثہ کی پہلے ہی خبر دی۔ چنانچہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث خلافت سے قبل بحیثیت صدر مجلس انصاراللہ گجرات توسیع مسجد کے لئے تشریف لے گئے تو آپ بھی حضور انور سے ملے تو مصافحہ کے وقت عرض کی۔ آپ کے ہاتھ سے۔ ’’کہ مسیح موعود علیہ السلام کی خوشبو

آ رہی ہے ''اس وقت تو حضور خاموش رہے۔ بیعت کے وقت فرمایا۔'' آج زیادہ خوشبو آ رہی ہو گی۔ میں نے حضرت مسیح موعود کی انگوٹھی پہنی ہوئی ہے۔'' آپ بچپن میں سخت بیمار ہو گئے تو لوگوں نے طعن شروع کر دی۔ اور حضرت مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود کی خدمت میں درخواست دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفا دی۔

آپ کی اولاد

آپ نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی اپنے ماموں پیر محمد رمضان کی دختر جو استانی صاحبہ سے چھوٹی تھیں اس کے بطن سے عبد السلام، آمینہ بیگم اور نعیمہ اور سلیمہ دوسری شادی سے عبد الشکور، اقبال احمد اور شفقت محمود اور لڑکیوں میں شاکرہ۔

اللہ تعالیٰ آپ کو زیادہ خدمت دین کی توفیق عطا فرماوے۔

فصل پنجم

جماعت احمدیہ گولیکی

گولیکی گاؤں: گولیکی دریائے چناب کے مغربی کنارے ہیڈ خانکی سے ڈیڑھ میل پر واقع ہے۔ شادیوال ہائیڈل ورکس کنجاہ اور راجیکی کا فاصلہ یہاں سے پانچ پانچ میل ہے۔ گجرات شہر سے 12 میل ہے۔ شادیوال اور کنجاہ تک پختہ سڑک ہے۔ اس کے آگے کچی سڑک ہے۔ موجودہ آبادی ساڑھے تین ہزار کے قریب ہے۔ یونین کونسل مڈل سکول اور ڈاکخانہ موجود ہیں۔

1868ء کے بعد بندوبست کے کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گاؤں اکبر بادشاہ غازی کے زمانہ میں امرتسر کے علاقہ سے گولا نامی نے یہاں آ کر جنگل کاٹ کر آباد کیا۔ اور تاریخ آبادی سے اب تک کسی زمانہ میں بھی ویران نہیں ہوا بلکہ دن بدن ترقی کر رہا ہے۔ اب تو اکثر مکان پختہ بن چکے ہیں۔ بعد میں گولا کی اولاد مسلمان ہوگئی۔ اب گولیکی میں اکثریت جٹ سندھو حضرات کی ہے۔

(کاغذات بندوبست 1868ء کی نقل جو پیر شیر عالم صاحب گولیکی کے پاس موجود ہے)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب پشند ور ضلع جہلم سے اورنگ زیب کے زمانہ میں یہاں آئے۔ اور 1150 میں وفات پائی۔آپ کی وفات کے قریباً سو سال بعد حضرت مولوی بدرالدین صاحب گولیکی سے گزرے اور عوام کے اصرار پر یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ پیر فیملی میں شادی ہوئی جس سے مولوی امام الدین صاحب پیدا ہوئے اس طرح آپ کا رشتہ پیر فیملی سے ہوا۔آپ کی وفات یکم شعبان 1286ھ کو رات کے وقت ہوئی۔اس کے بعد حضرت مولانا امام الدین صاحب فیض کے ذریعہ شمع علم روشن رہی۔اور ان کے وجود بابرکات سے احمدیت کے نور سے منور ہوئے۔ اور خدا کے فضل وکرم سے جب تک آپ گولیکی میں رہے۔جماعت مضبوط اور ترقی پذیر رہی۔اسکے متعلق حضرت مولانا سماٹری صاحب فرماتے ہیں:''آپ کے اخلاص اور نیک نمونہ کی وجہ سے اچھی خاصی جماعت قائم ہوگئی۔اور جب تک آپ گولیکی میں رہے وہ جماعت مضبوط رہی بلکہ ترقی کرتی رہی۔'' (مضمون مولانا غیر مطبوعہ)

پیر فیملی میں سے حضرت مولوی صاحب کے خاندان میں سے ابتدا میں ایمان لانے والے تھوڑے تھے۔مگر یہ تعداد اب تک ترقی ہی کر رہی ہے۔جب مولوی صاحب واپس آئے تو آپ نے اپنی والدہ بنت پیر فقیر بخش اور زوجہ محترمہ مریم بیگم صاحبہ اور تینوں بہنوں اور دونوں بیٹوں حضرت قاضی اکمل صاحب اور مولوی نورالدین صاحب اجمل کے بیعت کا خط لکھ دیا۔اس طرح مولوی صاحب کے گھر کے تمام افراد نے بیعت کر لی۔اور اس کے بعد پیر فیملی میں سب سے پہلے پیر بہاول شاہ صاحب ابن پیر خوشی محمد صاحب نے بیعت کی۔اس کے بعد کیونکہ کوئی ترتیب نہیں ملی اس لئے بغیر ترتیب صحابہ کا ذکر کرتا ہوں۔

''حاجی پیر غلام غوث محمد اور ان کی والدہ''

آپ کی زندگی کا دلچسپ واقعہ ملا ہے کہ آپ پرسکون زندگی بسر کر رہے تھے اچانک ایک دن

غائب ہوگئے۔ بمبئی پہنچے اور وہاں ایک بادبانی جہاز پر مکہ معظّمہ پہنچے۔ وہاں آپ کا قیام کئی سال رہا اور حج کے علاوہ متعدد دفعہ عمرہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ آخر 1894ء میں واپس آئے۔ ان دنوں مولوی امام الدین صاحب تبلیغ صرف شاگردوں کو کرتے تھے۔ عام تبلیغ نہ کرتے تھے۔ آپ کو معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور کہا اگر حق ہے تو ہمیں بھی بتاؤ۔ آخر مولوی صاحب نے کہا کہ خدا سے پوچھ لو۔ استخارہ کے ذریعہ ہدایت نصیب ہوئی۔ اور 1897ء سے قبل ہی بیعت سے مشرف ہوگئے۔

حضرت قاضی اکمل صاحب کی بڑی پھوپھی پیر صاحب کی والدہ تھیں۔ ایک موقعہ پر آپ اپنے بھائی مولوی امام الدین صاحب فیض کے ساتھ امرتسر اپنی چھوٹی بہن کو ملنے آئیں۔ قادیان میں کئی دن قیام رہا۔ آخر بیعت سے مشرف ہوئیں۔ پیر شمس الدین صاحب ابن پیر فقیر بخش صاحب حضرت مولوی صاحب کی تبلیغ سے احمدی ہوئے۔ آپ نے ورزشی جسم پایا تھا۔ جسمانی قوت میں مشہور تھے۔ خوب ورزش کرتے مگدر اٹھاتے، وزنی منگلیاں پھیرتے۔ اس کے علاوہ شکار کے بہت شوقین تھے۔ بٹیر، مرغ اور مچھلی کا خود شکار کر کے یا کسی دوسرے سے حاصل کر کے ہمیشہ کھاتے۔ احمدیت سے قبل آپ کو تصوف سے شغف تھا اور خاندانی طور پر مختلف وظائف کرتے اور اکثر آپ قصیدہ غوثیہ کا ورد کرتے روزانہ ایک بجے رات مسجد میں آجاتے۔ اور وظیفہ میں محو ہو جاتے۔ جب یہ شعر پڑھتے۔

ولو القيت سرى فوق ميت	مقام بقدرة المولىٰ تعالىٰ

تو جوش میں آکر زمین سے اٹھ پڑتے۔

قصیدہ پنجابی ترجمہ کے ساتھ یاد تھا۔ اس صورت حال میں حضرت مولوی صاحب نے آپ کو سمجھایا کہ اب چھٹی نہیں چودھویں صدی ہے۔ اس کا غوث امام ہے۔ اس کا قصیدہ وظیفہ بنائیں۔ اس پر مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قصیدے معہ ترجمہ پنجابی منظوم ان کو یاد کروادئے۔ اس کے بعد آپ نے قصیدہ غوثیہ چھوڑ دیا۔ رات قصیدے پڑھتے اور دن کو قرآن مجید

کا ترجمہ پڑھنا شروع کر دیا۔

آپ احمدیت کی صداقت معلوم کرنے کے لئے بہت دعائیں کرتے۔ آخر آپ نے ایک مبشر خواب دیکھی۔ نماز باجماعت جم غفیر کے ساتھ ادا ہو رہی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کچھ لوگ جن میں سے بعض کو وہ پہچانتے تھے اور انہیں مسلمان مانتے تھے۔ الگ بیٹھے اپنی باتیں کر رہے ہیں اور جماعت میں شامل نہیں۔ آپ فوراً جماعت میں شامل ہو گئے اور نماز ادا کی۔ اور آپ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ امامت کرانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ نماز کے ختم ہوتے ہی حضور نے اپنے دائیں ہاتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے بزرگ کو فرمایا کہ ''کاغذات پیش کریں'' چنانچہ بہت سی مسلیں پیش ہوئیں اور وہ بزرگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تھے۔ اس پر آپ قادیان تشریف لائے جب کہ حضور باغ میں نزول تھے اور بیعت سے مشرف ہوئے۔ دو تین بار حضرت مولوی صاحب کے ساتھ قادیان آئے۔ طاعون کے دنوں میں قادیان آئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ لوھیّں ''موت'' پڑی ہوئی ہے دبّی چل یعنی لا تذر علی الارض من الکافرین دیّاراً

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ''ہم تو رحم ہی کی دعا کرتے ہیں'' اور غالباً یہ بھی فرمایا کہ ''لا تذر میں حضرت نوح کی تمنا تھی کہ سب ایمان لے آئیں۔ کافر نہ رہیں۔

آپ کی عمر 50 / 55 سال کی تھی کہ آپ کی زوجہ وفات پا گئیں۔ اس کے بعد کوئی شادی نہ کی۔ خوش گزران تھے۔ جائیداد کا اکثر حصہ فروخت کر دیا۔ اپنی خداداد طاقتوں کو راہ مولیٰ میں اور مساکین وغرباء کی امداد میں خرچ کرتے۔ آپ کا گاؤں میں بہت رعب تھا۔ ایک موقعہ پر ایک احمدی کو کچھ غیر احمدی نوجوان تنگ کر رہے تھے۔ ایک دفعہ کھنکارے اور پوچھا کیا ہے۔ تو سب تتر بتر ہو گئے۔ آخری عمر میں مختلف عوارض کی وجہ سے بہت نحیف ہو گئے۔ تاہم ذکر الٰہی کثرت سے کرتے اور اللہ اللہ کا ورد کرتے رہتے۔ 1934ء میں وفات ہوئی۔ 108 سال کی عمر میں وفات ہوئی غفر اللہ عنہ۔

پیر محمد رمضان صاحب بن پیر نظام الدین صاحب

حضرت قاضی صاحب کے ماموں خسر تھے۔آپ بھی صحابی تھے۔آپ کا نام آتشی آسمانی گولہ دیکھنے والوں میں تتمہ حقیقۃ الوحی ص 19 پر درج ہے۔آپ بڑے بزرگ اور متقی انسان تھے بیعت سے قبل بھی کثرت سے وظائف کرتے۔ بعد میں وظائف چھوڑ کر کثرت سے ذکر الٰہی اور نوافل پڑھنے لگے۔وفات 1908ء میں ہوئی گولیکی میں مدفون ہیں۔''پیر رشید احمد صاحب ارشد بن پیر محمد رمضان صاحب۔'' آپ قاضی اکمل صاحب کی روایت کے مطابق دستی بیعت کرنے والے آخری صحابی ہیں۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام آخری بار لاہور تشریف لائے تو قاضی صاحب نے اپنے بھائی کو اطلاع کی۔مولوی محمد نور صاحب کے ساتھ قاضی رشید صاحب بھی لاہور حاضر ہوئے۔ قاضی اکمل صاحب نے ان کو حضرت مسیح موعود کی خدمت میں حاضر کیا۔اور عرض کی'' کہ اس کی والدہ کی خواہش ہے کہ حضور اس یتیم پر دست شفقت پھیریں۔آپ نے پیٹھ پر تھپکی دی۔(روایات از قاضی اکمل صاحب) خدا کے فضل سے ارشد صاحب کو خدمت سلسلہ کا بیش بہا موقع ملا آپ وکالت دیوان میں کام کرتے رہے۔ربوہ میں وفات پائی۔یہیں مدفون ہیں۔دیگر اصحاب مسیح موعود علیہ السلام جو گولیکی میں احمدیت قبول کر چکے تھے۔

مکرمی چوہدری مہر داد المعروف حافظ مہرا۔

چیچک کی وجہ سے نظر کھو چکے تھے۔مگر رعب اور اثر بہت رکھتے تھے۔جماعت کا رعب قائم ہو گیا۔

مکرمی خان محمد صاحب۔ یہ نمازیں احمدیہ مسجد میں ادا کرتے۔ جب احمدی ہوئے تو رشتہ داروں نے خوب زدوکوب کیا۔مقدمہ سے نواب خان صاحب (احمدی) تحصیلدار نے منع کر دیا۔ اس سے رشتہ دار شرمندہ ہوئے۔خان صاحب بھینسوں کا کاروبار کرتے۔ابتدا میں ادھار ہی کام شروع کیا۔کاروبار خوب پھیلا الحمدللہ آج اولاد اعلیٰ تعلیم سے مزین ہے۔

مکرم ولی محمد صاحب میاں محمد دین صاحب::

قادیان حاضر ہوئے۔حضرت قاضی صاحب نے کہا کہ اگر زیارت کے وقت ہم پر رقت طاری ہوگئی تو بیعت کرلیں گے۔جب ظہر کی نماز کے بعد حضرت مسیح موعودؑ تشریف فرما ہوئے تو لوگ بیعت کے لئے بڑھے۔یہ بھی قریب ہوئے تو ان پر کپکپی طاری ہوگئی۔اس وقت بیعت سے مشرف ہوئے۔بہت روئے۔مکرمی ولی محمد صاحب تو بہت زیادہ ہی روئے کیونکہ اپنے آپ کو بہت گناہوں میں مبتلا سمجھتے تھے۔مکرمی محمد حیات صاحب ابن شرف دین صاحب::پشندور ضلع جہلم کے مہاجر تھے۔قادیان حاضر ہوکر بیعت سے مشرف ہوئے اور پھر قادیان اکثر جایا کرتے۔احمدیت پر پختہ یقین تھا۔شدید مخالفت کے باوجود بھی احمدیت سے منحرف نہ ہوئے۔1919ء سے قبل وفات پائی۔قادیان میں بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں۔آپ کے فرزند میاں احمد دین صاحب بھی صحابی ہیں۔اور 1869ء میں قادیان میں حاضر ہوکر بیعت سے مشرف ہوئے۔نہایت عابد وزاہد انسان تھے۔اکثر مسجد میں رات بسرت کرتے تاکہ تہجد پڑھ سکیں۔بعد میں ہجرت کرکے قادیان آ گئے۔شدھی میں ایک آدمی کا خرچ برداشت کیا۔سلسلہ سے والہانہ تعلق رکھتے تھے۔قادیان میں مسجد مبارک کے موذن رہے۔ربوہ میں بھی دارالرحمت میں موذن رہے۔ربوہ کے بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں۔آپ کے دوسرے بھائی خوشی محمد صاحب باڈی گارڈ حضرت مصلح موعود مرفوع الی اللہ کی بیعت بھی حضرت مسیح موعود کی ہے۔مگر زیارت نہ کرسکے۔آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ربوہ کی زمین سے نکلا ہوا پانی سب سے پہلے حضور کی خدمت میں پیش کیا۔

مکرمی عبدالستار صاحب ابن شرف دین صاحب:

آپ بھی گولیکی میں مہاجر ہوکر آئے۔یہیں احمدیت کے نور سے منور ہوئے۔گولیکی میں مدفون ہیں۔

مکرمی نظام دین صاحب چوکیدار

احمدی ہونے کی وجہ سے نمبردار نے بہت زیادہ زودکوب کیا۔قادیان میں بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں۔

مکرمی سائیں قطب دین صاحب

آپ صاحب کشف والہام بزرگ تھے۔ بیعت سے قبل حضرت مسیح موعود سے عقیدت رکھتے تھے۔ ربوہ۔ جب آپ قادیان حاضر ہوئے تو مسجد مبارک میں حاضر ہوئے بیعت کی تو فرمایا۔ ’’آپ لوگ اونچے نصیب والے تھے جن کو فرشتوں کے ذریعہ بتایا گیا ہے۔‘‘ عصر کی نماز کے بعد آپ کو دبانے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ 1930ء میں ہجرت کر کے قادیان آ گئے۔ 2 جون 1935ء کو وفات پائی۔ آپ کی اولاد میں سے نرینہ اولاد قریشی فضل حق صاحب اور قریشی عبدالغنی صاحب گولبازار ربوہ میں ’’ان کی اولاد خدا کے فضل سے تعلیم یافتہ ہے۔ اور خود سلسلہ کی بے لوث خادم ہے۔

مکرمی میاں محمد الدین صاحب ابن بہرام خان

جناب قطب دین صاحب کو بیعت نہ کرنے پر سرزنش ہوئی۔ تو آپ نے قادیان جانے کا اعلان کیا تو آپ بھی ساتھ ہو لئے۔ آپ بھی عابد وزاہد متقی انسان تھے۔ شب بھر کھلے میدان میں عبادت کرتے۔ زمینداری خود کرتے تھے۔ حضرت مولوی فیض صاحب کے قریبی دوست تھے۔ دوپہر اکٹھے گزارتے۔ جس جگہ مجلس ہوتی وہ اب ان کے فرزند میاں نواب دین صاحب نے چبوترہ کی صورت میں پختہ کروادی ہے۔ مسجد بنوانے کا بھی ارادہ ہے۔

مکرمی غلام محمد صاحب جٹ

آپ کا نام بھی تتمہ حقیقۃ الوحی میں آتشی نشان دیکھنے والوں میں لکھا ہے۔

غلام محمد جٹ گولیکی گجرات

31 مارچ کو آسمان پر ایک ہولناک شعلہ دیکھا گیا۔ پیشگوئی صفائی سے اب خدا کے فضل سے گولیکی تین چوتھائی آبادی احمدیت قبول کر چکی ہے۔ اور ان بزرگ ہستیوں کی اولاد تعلیم یافتہ ہے۔ اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہے۔

باب دوئم

حضرت قاضی اکمل صاحبؒ ابتدائی حالات قبل از ہجرت

پیدائش

حضرت مولوی صاحب کی شادی کو 10 / 12 سال ہو گئے مگر کوئی اولاد نہ ہوئی۔ جس کا آپ میاں بیوی کو بہت فکر تھا۔ اس زمانہ کے مطابق آپ نے خانقاہوں کے چکر لگانے شروع کر دیئے۔ دیسی علاج بھی کرتے رہے۔ تعویذ بھی لیتے رہے مگر اولاد نہ ہوئی۔

آپ تصوف کے شوق میں اکثر سفر کرتے۔ اس لئے آپ کی واقفیت پنجاب کے تمام صوفیاء اور سجادہ نشینوں سے تھی۔ ان ہر ایک سے اپنی اس پریشانی کا ذکر کرتے اور ان کے بتائے ہوئے علاج اور تعویذ کرتے رہے۔ انہی دنوں میں پیر ظہور الحسین بٹالہ میں تھے۔ وہ ضلع گجرات میں آئے۔ نابینا ہونے کی وجہ سے انہیں عوام اَنّھی سرکار بھی کہتے تھے۔ عالم فاضل قادری طریق رکھتے تھے۔ ان کا ڈولہ درویش مرید اٹھائے پھرتے۔ وہ بآواز بلند ''اللہ'' کا ذکر کرتے گزرتے۔ بعد ازاں ایک ریڑا بنوالیا اور گھوڑا جوت لیا۔ اس طرح دورہ پر آیا کرتے۔ اس وقت انہیں عوام ''تخت رواں کے سوار'' کہنے لگے۔ جب وہ آتے تو عوام کا ہجوم ان کے پیچھے ہو جاتا حضرت مولوی صاحب بھی ان سے تعلق خاص ہو گیا تھا۔ پیر صاحب سید جیلانی بغدادی کے خلیفہ کہلاتے۔ اس لئے اس کی شہرت اور زیادہ ہوئی۔ انہی پیر صاحب نے ایک دوائی دم کر کے دی اور دعا بھی کی اور بتایا کہ لڑکا پیدا ہوگا نام محمد ظہور الدین رکھنا یہ تاریخی نام ثابت ہوا۔

مکرمی مولوی اجمل صاحب کی روایت ہے کہ پیر صاحب نے بتایا تھا کہ لڑکے کے دائیں طرف پیٹ پر نشان ہوگا۔ حضرت قاضی صاحب کے یہ نشان تھا۔

آخر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت مولوی صاحب کو نرینہ اولاد سے نوازا اور

1881ء میں حضرت قاضی صاحب پیدا ہوئے۔

ابتدائی حالات:

آپ 25 مارچ 1881ء بمطابق 25 ربیع الاول 1298ھ کو گولیکی کے علم پرور گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی مذہبی تعلیم والد محترم سے حاصل کی اور اتباع سنت ماں کے اسوہ سے سیکھا۔ پرائمری پاس کی تو آپ کی شادی آپ کے ماموں پیر محمد رمضان کی دختر نیک اختر محترمہ سکینۃ النساء سے ہوئی۔ یہ 1889ء کا واقع ہے۔ جب آپ کی عمر 8 سال اور آپ کی زوجہ محترمہ کی عمر 4 سال تھی۔ اس زمانہ میں صغرسنی کی شادی کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ اخلاقی لحاظ سے سیرت کا مستحسن فعل گردانا جاتا تھا۔

آپ نے پرائمری تعلیم گاؤں میں اور قریبی گاؤں دھاروالہ میں حاصل کی۔ اس دوران 1891ء میں جب کہ آپ چوتھی جماعت میں پڑھتے تھے تو امرتسر آئے۔ یہاں آپ کی پھوپھی محمد بی بی رہائش رکھتی تھیں۔ یہ سفر آپ نے اپنی دادی صاحبہ کے ساتھ کیا۔ 1893ء میں آپ نے کنجاہ میں ورنیکولر مڈل سکول میں داخلہ لے لیا۔ خدا نے اس زمانہ میں آپ کو مستقبل کی جھلک دکھائی اور آپ کے ساتھی آپ کے دوست کر دیئے۔ ان دنوں حضرت مولانا راجیکی صاحب اور شیخ عبدالغنی صاحب کنجاہی بھی آپ کے ہم سبق تھے۔ اس چھوٹی عمر میں آپ تینوں میں ایک اخوت پیدا ہوئی جو سکول عمر میں اکثر ناپید ہوتی ہے۔ حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں۔ ’’طالب علم تو اور بھی بہت تھے مگر ہم تینوں میں ایک خاص مناسبت اور دوستی تھی۔ اس وقت یہ بات ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ ہم ایک ہادی و رہنما کے جھنڈے تلے جمع ہونے والے ہیں۔‘‘ (الحکم 27 مئی 1923ء صفحہ 6) حضرت قاضی صاحب اور حضرت راجیکی صاحب ہجرت کر کے قادیان میں سکونت اختیار کر لی اور شیخ صاحب بھی اکثر قادیان آتے رہتے تھے۔ اور تینوں کو خداوند کریم سے خدمات سلسلہ کا بیش از پیش موقعہ نصیب ہوا۔

یہ دو سال آپ کے کنجاہ میں گزرے اس عرصہ میں آپ کا قیام میاں احمد دین صاحب اور مولوی محمد دین صاحب کے گھر رہا اور ساتھی نیاز احمد تھا۔ جو ساتھ رہتا۔ اس کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ اسی دوران میں اس (1993ء۔1994ء) علاقہ میں مشہور ہو چکا تھا کہ امام مہدی صاحب کا ظہور ہو چکا ہے۔ اور مولوی نورالدین صاحب ہیڈ ماسٹر مڈل سکول نے حضرت مولوی فیض کو بتایا کہ ایک شخص نواح بٹالہ میں مدعی مسیحیت و مہدویت ہے۔ پادریوں سے ایک بڑا مباحثہ بھی ہونے والا ہے۔ آپ بٹالہ جایا کرتے ہیں۔ اس کی نسبت کچھ خبر لائیں۔ (الحکم 27 مئی 1923ء صفحہ 6)

یہ پہلی خبر ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق قاضی اکمل صاحب کو ملی۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں۔ ''انہی دنوں میں یہ ندا میرے کانوں میں پہنچی کہ امام مہدی ظاہر ہو گئے۔'' آپ دو سال تک کنجاہ میں میں زیر تعلیم رہے۔ اور وہاں سے مڈل پاس کیا اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے والدین نے آپ کو 1894ء میں گجرات مشن ہائی سکول میں سپیشل کلاس میں داخل کروا دیا۔ وہاں آپ کو ایک دوست محمد عالم چھورانوالہ ملا۔ جس سے آپ کا دل لگ گیا۔ ابتدا میں ہوسٹل میں داخلہ لیا۔ تو ناقص غذا آپ کی ضعیف طبیعت پر بار ہوئی۔ اور آپ کی صحت کمزور ہو گئی مگر آپ نے یہ دو سال کا کورس مکمل کیا۔ اور 1897ء میں سپیشل کلاس سے کامیاب ہوئے۔

اس دوران مشن سکول کی تبلیغ کا بھی اثر ہوا۔ مخلوط تعلیم تھی۔ اس وجہ سے کئی ہم جماعت لڑکیوں سے واقفیت تھی۔ ان میں سے ایک برطانوی لڑکی تھی۔ جس نے آپ کو دوستی کے بہانہ سے عیسائیت کی طرف قائل کرنا شروع کر دیا۔ آپ مسیح ناصری سے متعلق مسلمانوں کے عقائد سے پہلے ہی واقف تھے۔ اور عیسائیت کا مطالعہ بھی شروع کر دیا۔ وہ بائبل جو آپ کو دی گئی۔ آج بھی گولیکی میں محفوظ پڑی ہے اس کے علاوہ کیونکہ آپ بااثر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی آڑ میں گولیکی میں بھی عیسائی مشنری عورتیں آتیں رہیں اور آپ کے گھر ہی ٹھہرتیں۔ اس زمانہ کی کوئی ایسی تحریر نہیں ملی جس سے ثابت ہو کہ آپ نے ان کو تبلیغ سے منع کیا ہو۔ بلکہ ان کو گھر میں ٹھہرا کر موقعہ پیدا کرنے

کے موجب ہوتے رہے۔ گھر میں اسلامی ماحول تھا جس کی وجہ سے آپ ان کا ماحول تو اپنا نہ سکے۔ اور نہ ہی گنجائش تھی مگر مشن کی طرف سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری کوشش تھی کہ آپ کو قابو میں کیا جائے کیونکہ اس طرح گولیکی میں عیسائیت کا نفوذ ممکن تھا۔ گولیکی کے صرف آپ ہی مشن سکول میں تعلیم حاصل کررہے تھے۔ اور عیسائیت کا ایک حربہ یہ بھی تھا کہ گاؤں کے مولوی کو ان کے عقائد کی وجہ سے اور دولت کی لالچ سے گمراہ کرو۔ اس سے عیسائیت کے جلد پھیلنے کے امکان روشن ہوجاتے تھے۔ مگر یہ حربہ بھی گولیکی میں کارگر نہ ہوا۔ کیونکہ آپ کا گھرانہ مسائل کی الجھن میں الجھا ہوا نہ تھا بلکہ تصوف کا شوق رکھتا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی روک تھی جو عیسائیت کے لئے سد سکندری ثابت ہوئی۔

دوسرا حربہ نوجوانوں کو مشنری عورتوں کی تبلیغ سے مال کرنا تھا۔ وہ بھی گولیکی میں حضرت مولوی صاحب کی تعلیم وتربیت کی وجہ سے کارگر نہ ہوا اس کوشش میں عیسائیت نے بھی پورا زور لگایا عورتیں ٹھہرتیں تو قاضی صاحب کے گھر مگر دیگر نوجوانوں کے ساتھ گھومتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جب یہ سلسلہ چل نکلا اور خدشہ پیدا ہوا تو قاضی صاحب نے نوجوانوں پر طنزیہ شعر کہنے شروع کر دیئے جس سے وہ شرمندہ ہوجاتے۔ ایک مشہور عام شعر یہ بھی تھا۔

زاغ کی چونچ میں انگور خدا کی قدرت	پہلوئے حور میں لنگور خدا کی قدرت

اس دجالیت میں آپ ضرور پھنس جاتے اگر کنجاہ میں امام مہدی کے ظہور کا ذکر نہ سن لیتے اور آپ امام مہدی کے شدید منتظر نہ ہوتے۔ امام مہدی کے ظہور کے بھروسے آپ جی رہے تھے کہ کب آئے اور دجال کو سؤروں کی طرف ہلاک کرئے۔ اس کے علاوہ دو امور نظر آتے ہیں۔ اول کو جب مولوی صاحب نے امام مہدی کا ذکر سنا آپ کو کیونکہ اہل اللہ سے ملنے کا انتہائی شوق تھا۔ اور اکثر سفر کرتے جس کی وجہ سے لوگوں نے آپ کو ''ہرجائی'' اور ''پھرت گھرت'' کہنا شروع کر دیا۔ آپ بٹالہ اکثر جاتے تھے۔ وہاں سے آپ قادیان پہنچے اور حضرت مسیح موعود سے ملاقات کی۔ کیونکہ آپ اس سے متاثر ہوئے تھے اور استخارہ کرنے کے بعد بیعت کر چکے تھے۔ اس زمانہ میں

حضرت مسیح موعود کی کتب کا مطالعہ بھی شروع کر دیا تھا۔جن میں ازالہ اوہام مسائل کی کتاب تھی۔ جب انسان وفات مسیح کا قائل ہو جائے تو پھر عیسائیت بے اثر ہو جاتی ہے۔

دوم حضرت قاضی صاحب کو بھی حافظ محمد حسین ڈنگوی کی دی ہوئی کتاب ازالہ اوہام مل گئی جس کا آپ نہ بنظر عمیق بالاستیعاب مطالعہ کیا۔اس سے قبل بائبل کا مطالعہ کر چکے تھے۔اس کتاب کے دلائل سے آپ کو اسلامی عقائد میں تقویت ہوئی۔ اور آپ عیسائیت کے جال سے بچ نکلے۔ (الحکم 27 مئی 1923ء صفحہ 6)

بیعت

بیعت کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ایک قول ہے۔''میں نے 1897ء میں لیکھرام کے قتل کے بعد مع مولوی غلام رسول لنگوی خود بیعت کا خط لکھ دیا تھا۔''''1897ء مارچ خود بیعت کی''''حضرت والد صاحب بیعت کر کے آئے تو والد ماجد نے سب کا لکھ دیا تھا۔''

حضرت مولوی امام الدین صاحب فیض کی بیعت قاضی صاحب کے نزدیک دسمبر 95ء کی ہے۔میاں احمد دین صاحب کی روایت ہے حضرت قاضی صاحب کی بیعت کے متعلق ''میرے ساتھ تین اشخاص میرے علاقہ کے قادیان آئے۔اور ہم جب قادیان آئے تھے تو ہم نے حضور کے پیچھے نماز شاید ظہر یا عصر کی ادا کی۔اور ہم نے پہلے سے درخواست بیعت دی ہوئی تھی۔حضور نے نماز کے بعد فرمایا کہ اگر کسی دوست نے بیعت کرنی ہو تو وہ کر لیں۔ہم دوستوں نے بیعت کی۔ بیعت لینے سے پہلے حضور چوکڑی مار کر رونق افروز ہوئے پھر ہم نے حضور کی بیعت کی۔بیعت کے بعد ہم نے حضور کو بطور نذرانہ بتاشے دیئے۔خود حضور نے منظور فرمائے۔بیعت کے وقت میری عمر تقریباً چودہ یا پندرہ سال تھی۔میرے ساتھ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل اور دو دوست اور تھے۔'' (روایات احمد دین صاحب ولد میاں حیات محمد صاحب گولیکی رجسٹر روایات نمبر 7 صفحہ 50)اور مکرمی میاں احمد دین صاحب کی بیعت 1896ء کی ہے۔اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ

کی بیعت خط کے ذریعہ 1895ء کی ہے اور دستی بیعت 1896ء اور قتل لیکھرام کے بعد جو بیعت ہے وہ بیعت ارشاد ہے۔ازدیاد ایمان کی وجہ سے بیعت کا خط لکھ دیا کیونکہ اس سے قبل بیعت تو کی تھی مگر طریق پیروں والا تھا۔اس کے بعد وہ بھی چھوڑ دیا۔

الفضل آپ کی وفات پر آپ کی بیعت کے متعلق لکھتا ہے۔آپ کے والد ماجد حضرت مولوی امام الدین صاحب 1895ء میں قادیان حاضر ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی تو اس سال آپ نے بھی گولیکی سے بذریعہ خط حضور علیہ السلام سے بیعت کا شرف حصل کیا۔اور اس کے دو سال بعد 1897ء میں جب کہ آپ کی عمر سولہ سال تھی قادیان حاضر ہو کر دستی بیعت سے بھی مشرف ہوئے۔(26 ستمبر 1960ء صفحہ 8)

بیماری وشفاء

1897ء میں گجرات سے سینئر سپیشل کلاس پاس کی۔تو انٹرنس کرنے کے لئے آپ کو مولوی فیض اللہ صاحب کے پاس امرتسر بھجوادیا گیا۔وہاں سے آپ کے رشتہ دار داروغہ عبدالحمید صاحب کے پاس فیروز پور چھاؤنی سے 9 میل دور بٹیر (سرکاری رکھ) میں بھجوادیا۔وہاں آبادی کم تھی۔اور جوہڑ زیادہ اور مچھروں کی کثرت۔یوں کہہ لیجئے مچھروں کی پرورش گاہ تھی۔آپ کو ملیریا ہو گیا۔امرتسر لائے گئے۔وہاں کوئی افاقہ نہ ہوا۔تو آپ کے خسر پیر محمد رمضان صاحب آپ کو گولیکی میں لے آئے۔جلد آرام آ گیا۔مگر مکمل طور پر شفاء نہ ہوئی۔ملازمت وغیرہ کر لی۔پہلے جہلم میں کرتی سنگھ جج کی عدالت میں۔مگر چند ماہ بعد چھوڑ دی۔اور خوجیانوالی کے سکول میں امدادی ٹیچر کے طور پر کام کرتے رہے۔اس دوران مختلف اخبارات کی نامہ نگاری بھی اختیار کر لی۔اس دوران ایک لمبا سفر کرنا بھی ثابت ہوتا ہے۔جو خیال ہے کہ آپ نے رشتہ داروں کی ملاقات اور تلاش معاش کی نیت سے اختیار کیا۔کیونکہ ان سالوں میں سرگودھا، امرتسر، لدھیانہ اور سیالکوٹ کے سفروں کا ذکر آپ کے کلام میں ملتا ہے۔

آخر 1899ء میں مختلف عوارض نے پھر آ لیا۔ اور آپ صاحب فراش ہو گئے۔ دراصل ابتدا میں صحیح علاج نہ ہونے کی وجہ سے ملیریا سے شفاء نہ ہوئی تھی۔ افاقہ کو شفاء سمجھ کر ملازمت وغیرہ شروع کر دی۔ لہٰذا بیماری کا دوبارہ حملہ ہوا۔ اور اب بھی تشخیص صحیح نہ ہونے کی وجہ سے غلط علاج ہوتا رہا۔ جیسا کہ خود لکھتے ہیں۔ ''مجھے دراصل ملیریا فیور تھا۔ مگر اطباء غلطی سے سمجھتے تھے کہ تپ دق ہے۔ اس لئے غلط علاج کی وجہ سے میری بیماری لمبی ہوگئی اور میں مختلف عوارض میں مبتلا رہنا۔'' (الحکم 7 مئی 1926ء) بیماری نے جب تشویشناک حالت اختیار کی اور اطباء نے جواب دے دیا تو حضرت مولوی صاحب حضرت مسیح موعود کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضور کے پس خوردہ سے حضرت قاضی صاحب کو صحت ہونی شروع ہوئی۔ حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں

خاکسار کا لڑکا قاضی محمد ظہور الدین اکمل صاحب ایام تعلیم انٹرنس میں گجرات کے ہائی سکول میں پڑھتا تھا۔ وہ سخت بیمار ہو گیا چنانچہ آئندہ ترقی نہ کر سکا۔ ہر چند علاج معالجہ کے علاوہ فقراء سے دعائیں کروائیں۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر ایک ماہر طبیب نے میری والدہ مرحومہ اور مجھے الگ بلا کر کہہ دیا کہ آپ اس لڑکے کی ادویہ پر کچھ زیادہ خرچ نہ کریں۔ کیونکہ اب تپ دق دوسرے درجہ میں ہے جو کہ جلد ہی تیسرے درجہ تک پہنچ کر بالکل مایوس کر دے گا۔ اب صبر کریں۔ ادھر عالموں اور مشائخوں نے بھی ناامید کر دیا۔ اور صبر ہی کو کہا۔ اگرچہ میں ان دنوں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا مرید ہو گیا تھا۔ مگر کچھ مشکوک تھے اور کچھ مواضع دنیوی تھے۔ آخر میں مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کے ہمراہ جوان ایام میں میرے پاس پڑھتے تھے۔ قادیان دارالامان میں آیا اور ہم نے مسجد مبارک میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ کھانا کھایا۔ اسی اثناء میں میں نے حضور سے عرض کر دی کہ حضور میرا لڑکا بعارضہ تپ دق بیمار ہے۔ اور اطباء نے مایوس کر دیا ہے۔ اور میں نے یہ بات سنی ہوئی ہے کہ سؤر المومن شفاء یعنی مومن سے بچا ہوا کھانا شفا ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کے پس خوردہ کا سائل ہوں۔ حضور نے تناول فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ اٹھا لو۔ یہ الفاظ سنتے

ہی مولوی غلام رسول صاحب نے فوراً دستر خوان سے حضرت اقدس کا پس خوردہ اٹھالیا اور گولیکی جا کر آہستہ آہستہ برخوردار کو کھلانے شروع کر دیئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء دے دی۔ یہ واقعہ تقریباً 1898ء کا ہے۔(سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ 106)

اپنی دکھ دہ اور لمبی بیماری کا ذکر آپ نے نظموں میں بھی کیا ہے۔ چند ایک سے کچھ حصے درج کرتا ہوں۔ مارچ 1901ء میں اپنی بیماری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یا الٰہ العلمین! یہ عرض ہے تیرے حضور	دمبدم کیوں گھٹتا جاتا ہے میری آنکھوں کا نور
عارضہ عارضی رہا بس اک نہ اک مجھ کو مدام	دن بدن بڑھتا گیا میرے مطالب میں فتور
تین سال اب ہوتے جاتے ہیں علالت میں مجھے	اس جوانی میں نہیں پایا کوئی لطف و سرور
قبض ہے اسہال ہیں دردِ شکم ہے گرمی ہے	اور کبھی آنکھوں میں دکھلائی لگے دینے قصور
دردِ سر دردِ کمر ضعف و طاقت سے رہے	اک قدم چلنے سے بھی ہوجاتا ہوں بس چکنا چور
ہفتہ عشرہ میں بخار آنا بھی لازم ہو گیا	دور دورہ فوج ریزش کا بھی ہو جائے ضرور
آٹھ دس دن تک تو ہوش آتا نہیں ایسا زکام	اور پھر جمنے سے ہوتا عوارض کا صدور
اک ورق لکھوں پڑھوں چکراتا ہے بالکل دماغ	آپ ہی فرمایئے کیسے رہوں ہر دم صبور
الغرض گزرا نہیں اب تک کوئی بھی روز	جس میں مجھ کو تندرسی سے ہوا ہو کچھ سرور
جبکہ بندہ ہوں تیرا پھر دردِ دل کس سے کہوں	دردکا درماں ہے الطاف الٰہی کا ظہور
صحت اکمل عطا ہو راحت دارین ہو	سچے دل سے توبہ کر کے آیا ہوں رب شکور

اس بیماری کے دوران میں آپ نے شاعری کی۔ اس لئے آپ ہر سال کے آخر میں گذشتہ سال کے حالات پر مستقل ہجرت تک مثنوی لکھتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کے حصے لکھتا ہوں۔ 1903ء کی مثنوی میں 1902ء کے حالات پر مشتمل ہے اپنی بیماری کا یوں ذکر کرتے ہیں دو شعر یہ ہیں۔

میں انٹرنس میں پڑھتا تھا امرتسر میں	قضاء و قدر نے یک لخت کر دیا بیمار
بخار آتا ہے لوزے کا دو مہینے سے	زیادہ سہنے کی طاقت نہیں میرے غفار

اب آہستہ آہستہ آپ کو صحت ہونے لگی۔ 1903ء میں غیر معمولی فرق نہ پڑا اس سال کا ذکر مثنوی میں کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بغیر پھول سے چھلکوں کے اور گوشت کے	جو چیز پیٹ میں ہو ہضم وہ ہے مونگ کی دال
عجیب حال ہے میرا کہ غسل سے ہو بخار	پیاس رہتی ہے چھ دن جو کترواوں بال
کبھی ہے قبض کبھی درد ہو کبھی ہیضہ	کبھی بخار کبھی بعد اس کے اضمحلال

1904ء میں آپ کی طبیعت اچھی رہی۔ اس دوران آپ لاہور اور اسلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت و ملاقات سے مشرف ہوئے اور دونو جگھوں کے لیکچر سنے۔ اور نوٹ لئے۔ روایات میں ذکر آچکا ہے۔ اس سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں کچھ اپنی نسبت عنوان سے لکھتے ہیں۔ معلوم نہیں پیش بھی کیا یا نہیں۔ اسکی سند نہیں ملی۔

ہمنشیں! ٹھہر! نہیں تاب تکلم مجھ کو	خامش میری زبان گریہ تبسم مجھ کو
دن پہاڑوں سے گزرتے ہیں علالت کے سبب	اور راتوں کو ڈراتے ہیں یہ انجم مجھ کو
جیتے جی مر گیا ہوں سخت امراض سے میں	میرے عیسیٰ! تو دکھا معجزہ قسم مجھ کو
نت نیا عارضہ عارض مجھے ہو جاتا ہے	جان نکل جانے کا رہتا ہے توہم مجھ کو
ہائے بیماری نے طاقت میری کھوئی ایسی	کہ نہیں یاد بھی تعلیم و تعلم مجھ کو

جب آپ لاہور آئے۔ تو ڈاکٹر محمد حسین صاحب کو بھی ملے اور طبی مشورہ کیا۔ انہوں نے دیگر علاج کے ساتھ عینک کا مشورہ دیا۔ جس پر آپ نے پانچ روپے میں عینک لگوائی۔ اس کا ذکر 1904ء کی مثنوی میں کرتے ہیں۔ 1905ء میں آپ کو افاقہ ہوا۔ اور آپ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے۔ اس سال کی بیماری اور آرام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مرض سے سال کے آخر میں ہو گیا آرام	شکائتیں تھیں غرض جس قدر گھٹیں ہر آن
تھے جتنے عارض ان میں کمی ہوئی ظاہر	قصور ہاضمہ درد سر و بخار و تکان

1906ء کے حالات پر مشتمل آپ نے مثنوی لکھی۔اس کے بعد حالات پر مشتمل پھر کبھی مثنوی نہیں لکھی۔اس مثنوی میں بیماری کا ذکر کرتے ہیں۔

ہوئے نوسال پورے اس مرض میں سخت اکتایا	اگر اب بھی نہ آئی تو کب آئے گی تیری نصرت
اگرچہ مجھ سے عاصی ان عذابوں ہی کے لائق ہے	مگر شان غفاری ہو اپنے بندے پر رحمت
مری صحت رہے اچھی مرضی جاتا رہے سارا	نہ ہو فکر معاش اکمل یہی ہے دنیوی نعمت

اگر دیکھا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ ساری عمر ہی بیماری کے دکھ میں بسر ہوئی۔ 1940ء تک ملازمت کے دوران کام کی لگن کی وجہ سے بیماری پر غالب رہے۔اگرچہ تکلیف بہت تھی اور بعض اوقات نڈھال کر دیتی تھی۔تحت ہر گاؤ تکیہ سے ٹیک لگا کر کام کرتے۔کرسی پر بیٹھنا مشکل تھا۔دوران سر کی تکلیف ہو جاتی۔رات کو اکثر سر درد کی وجہ سے سو نہ سکتے۔جس کی وجہ سے دار چینی اور ایک دوا اور چیزیں پیس کر ان کا لیپ پیشانی پر کرتے۔آپ کے ساتھ آخر دم تک کام کرنے والے مکرمی مرزا عبدالحمید صاحب روایت کرتے ہیں کہ اکثر صبح کو دیکھنا کہ پیشانی پر لیپ کے نشانات ہیں۔دریافت کرنے پر فرمایا کرتے تھے کہ رات سخت درد سر تھا لیپ کیا کہ ذرا آرام آجائے۔اور صبح وقت سے قبل دفتر پہنچنا آپ کا معمول تھا۔چند بار دفتر اوقات میں بھی لیپ کیا۔آپ کو درد سر اور بخار تو اکثر رہتا۔اس کے ساتھ سردیوں میں نزلہ زکام بھی ہو جاتا۔اور گرمیوں میں تپش۔آپ نے ملازمت کے دوران چند بار اپنی بیماری کا ذکر بھی کیا۔جو شائع شدہ ہے۔ایک موقعہ پر لکھتے ہیں۔کوئی صبح نہیں ہوتی جب میں ایک نیا عارضہ لے کر نہیں اٹھتا اور کوئی شام نہیں آتی جب کہ میں کسی نہ کسی مرض سے تکلیف نہیں پا رہا ہوتا'' اسی طرح ایک شعر میں 1929ء میں بیماری کا ذکر کرتے ہیں۔

رہا کرتا ہے عارضی عارضہ بس اک نہ اک مجھ کو	کسی دن یہ بھی سن لوگے کہ اکمل نے قضا کی ہے

یہ ایک جامع مانع فقرہ ہے جو آپ کی ساری زندگی کے جسمانی حالات کا ملخص ہے۔ خاکسار کو آخری 9/8 سال خدمت کا موقعہ ملا۔ اس دوران میں نے آپ کو تندرست ایک دن بھی شاید نہ دیکھا ہو۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں نے آپ کو صحت مند تو کجا بغیر تکلیف کے دیکھا ہو۔

ہجرت کے بعد کے دو سالوں کا ذکر کرتا ہوں جو آپ نے اپنی تکلیف کا ذکر کیا ہے۔ ایک لاہور کا اور ایک ربوہ کا۔ لکھتے ہیں۔

یہ سال تو اکمل تیرا بیماری میں گزرا	کھانسی ہے مسلسل تپ لرزہ نے دبوچا
ضعف اتنا کہ اب ایک قدم اٹھا نہیں سکتا	خط لکھنا بھی دشوار قلم اٹھ نہیں سکتا
مرمر کے جو جیتا ہوں تو جی جی کے ہوں مرتا	اللہ کی قدرت کا تماشا ہوں میں کرتا
اللہ میرا خاتمہ بالخیر بنانا	اور حشر کے دن راحت و رحمت میں اٹھانا

اس نظم میں آپ نے خارش اور خوراک کا ذکر کیا ہے۔ خوراک تو حقیقت میں آپ کی یہی تھی۔ خارش سے متعلق آخر میں عرض کروں گا۔ ربوہ میں آئے تو تبدیلی آب و ہوا سے سال میں اکثر بیمار رہے پانچ جملوں کے حالات منظوم کئے لکھتے ہیں۔

پہلا جملہ

ستمبر کی تھی بیس ربوہ میں آیا	نومبر کی انیس نے دکھ بڑھایا
یہ دو شنبہ سہ شنبہ منحوس نکلا	فسادات طبعی میں اک روس نکلا
بخار آیا لرزے سے نو دن برابر	کیا ضعف نے سخت بے جان سراسر
نہ خود ہلنے پہلو بدلنے کی طاقت	نہ جز چائے کچھ کھانے پینے کی صورت

دوسرا جملہ۔

دسمبر کی دس سے ہوئی پھر علالت	مسلسل تپ لرزہ سے بدلی حالت

چڑھا بعد جولائی ماہ اگست	چہ گوئم بہرحال ہمچو آگ ست

تیسرا جملہ۔

پچیس جنوری کو ہوا پھر مجھے بخار	لرزے سے پہلے ہی تھا میں بحال زار
جمعہ کو وقفہ رات کو پھر تپ مجھے چڑھا	بڑھتا گیا جو ہفتے کو اتوار تک رہا

چوتھا جملہ۔

جو انتیس مارچ کو پھر تپ چڑھا	وہ دو گھنٹے لرزے سے از حد بڑھا
رہی پانچ دن تک یہ حالت میری	نہ امید جینے کی کچھ بھی رہی

پانچواں جملہ۔

مئی کی ہے سولہ ہوا پھر بخار	رہا تین دن درد سر کا شکار
کمر درد کندھوں کو بھی درد ہے	تو ہر پاؤں زانو تک سرد ہے
مہینہ ہوا جون کا آشکار	تو پھر آٹھ سے بارہ تک تھا بخار

آخری سالوں کا یہ حال تھا کہ سردیوں میں بخار نزلہ زکام نہ چھوڑتا اور گرمیوں میں خارش۔اور خارش بھی اس قدر شدید کہ آج بھی یہ حالات لکھتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔اس نامراد خارش کا ذکر آپ ہی کے الفاظ میں کرتا ہوں۔لکھتے ہیں:۔ع

نکلے ہیں تھپڑ ہے خارش شدید	علالت یہ کہتی ہے ھل من مزید
یہ تھپڑ یہ خارش خدا کی پناہ	میرا حال رکھتے ہیں ہر دم تباہ

مگر اس مردِ مومن کی زبان سے کبھی کوئی شکوہ نہیں سنا۔خدا کی رضا پر راضی ہر مصیبت ہر دکھ اور ہر تکلیف کو برداشت کیا۔آخری دو سالوں میں آنکھوں میں موتیا اتر آیا۔اس تکلیف کا اکثر ذکر کرتے اور دعا کرتے کہ الٰہی کسی کا محتاج نہ کرنا۔آخری مہینوں میں تو آپ پڑھ بھی نہ سکتے تھے۔

ہفتہ میں ایک دن اخبار لیتے تھے جو سارا ہفتہ ختم نہ ہوتی۔ یہ حال تھا کہ پرائیویٹ خطوط بھی خاکسار سے لکھواتے رہے۔ دیوان میں آخری نظمیں بھی مجھ سے درج کروائیں۔ اللہ کے اپنے بندے سے نرالے شفقت کے سلوک ہوتے ہیں۔ ان تکالیف کے باوجود آپ کبھی کسی کے محتاج نہ ہوئے بلکہ آخر لمحہ میں خود نلکے سے پانی لائے وضو وغیرہ کیا اور دم دے دیا۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔** اور یوں آپ کی ساری بیماریاں ایک موت نے ختم کر دیں۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ پرائمری گولیکی، مڈل کنجاہ اور پھر 1896ء میں گجرات سینئر سپیشل کلاس میں داخل ہوئے۔ وہاں سے کامیابی کے بعد 1897ء میں اپنی پھوپھی اور پھوپھا مولوی فیض اللہ صاحب امرتسری کے پاس امرتسر میں بھجوائے گئے۔ یہاں فیروز پور چھاؤنی سے نو میل دور سرکاری رکھ میں داروغہ عبدالحمید کے ہاں قیام رکھ کر تعلیم شروع کی۔ مگر مچھروں اور گندے ماحول کی وجہ سے ملیریا ہو گیا۔ بیمار امرتسر لائے گئے۔ وہاں سے گولیکی لائے گئے۔ غلط تشخیص کی وجہ سے غلط علاج ہوا۔ اس لئے بیماری لمبی ہو گئی۔ اب تعلیم جاری رکھنا دشوار تھا۔

حضرت مولوی صاحب نے سوچا کہ گھر پر مذہبی تعلیم جاری کر دی جائے جیسا کہ حضرت قاضی صاحب خود لکھتے ہیں؛

''آخر مختلف عوارض نے آلیا اور آپ گولیکی میں ہی مقیم ہو کر رہ گئے۔ اس دوران میں پہلے تو عربی علوم کی تکمیل کی اور اس کے ساتھ لکھنے کا شغل بھی اختیار کر لیا۔'' (الحکم 28 مئی 1923ء صفحہ 6)

ان ایام میں مولوی غلام رسول صاحب وینس لنگوی جو حضرت مولوی صاحب کے مستقل شاگرد تھے اور روزانہ اپنے گاؤں سے گھوڑی پر گولیکی آجایا کرتے تھے اور مولوی راجیکی صاحب بھی گولیکی میں بطور درویش قیام رکھتے تھے اور مثنوی مولانا روم پڑھتے تھے۔ یہ دونوں حضرت مولوی صاحب سے پڑھا کرتے۔ حضرت مولوی صاحب ان کو گھر بیٹھک میں بلا لیتے تا کہ ساتھ قاضی صاحب بھی

شامل ہو جائیں۔حضرت مولوی صاحب کا ارادہ تھا کہ حضرت قاضی صاحب کی نظر سے سب کتابیں ایک دفعہ گذر جائیں۔اس طرح صرف ونحو فقہ، منطق اور وراثت کی کتابیں سماعت کیں۔حضرت قاضی صاحب کا بیان ہے کہ ہم کم توجہ دیتے تھے (سبق کے بعد ہم تینوں مختلف مسائل پر بحث کرتے تھے۔ ان مباحث سے ہمارے ذہنوں میں جلا ہوگئی اور بعد کی زندگی میں بہت کام آئے۔'') جب کہ حضرت مولوی صاحب نہایت انہاک اور محبت سے پڑھاتے۔مگر قاضی صاحب کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان کا ترجمہ کر دیا جائے۔اس وجہ سے آپ ساتھ ساتھ ترجمہ لکھتے جاتے اور زائد حواشی کرتے جاتے۔

1899ء میں آپ نے شاعری بھی شروع کر دی تھی۔تپ لازم میں مبتلا تھے۔اس وجہ سے آپ کو لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا گیا مگر آپ نے تصنیف کا کام جاری رکھا۔جس کی وجہ سے آپ کی صحت کافی کمزور ہوگئی۔مزید برآں تشخیص صحیح نہ ہونے کی وجہ سے علاج غلط ہوتا رہا۔اس طرح آپ کی بیماری طول کھینچی چلی گئی۔ مجھے دراصل ملیریا فیور تھا۔مگر اطباء غلطی سے سمجھتے تھے کہ تپ دق ہے۔ اس لئے غلط علاج کی وجہ سے میری بیماری لمبی ہوگئی۔ اور میں مختلف عوارض میں مبتلا رہتا۔ لکھنے پڑھنے کی مجھے ممانعت تھی مگر میں اپنی طبیعت کی وجہ سے مجبور 8/10 سال چارپائی پر پڑا رہا۔اور اس دوران میں نے کئی کتابیں تصنیف وتالیف کیں۔ظہور المسیح اس زمانہ کی یادگار ہے۔(الحکم 28 مئی 1923ء صفحہ 6) مگر یہ زحمت بھی رحمت بن گئی۔یہ تکلیف نعمت کی صورت اختیار کر گئی کیونکہ اس دوران آپ نے علوم کی تکمیل کی جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

''1897ء میں جب مجھے گردش قسمت سے فیروز پور بٹیر جانا پڑا تو میں بیمار ہوگیا۔اور پورے دس سال بستر علالت پر رہا۔ یہ مسلسل طول طویل بیماری اس اعتبار سے میرے حق میں رحمت ہوگئی کہ میں اس دوران میں عربی تکمیل کی۔اور اس مدت میں احمدیت کی اتمام رحمت کی ہوئی الحکم نے ایمانوں کو تازہ کرنے اور مرکزی وامام ہمام سلسلہ کے ساتھ تعلقات مضبوط ومنضبط کرنے میں بہت

مدد کی۔میں اس میں مضمون لکھنے لگ گیا۔'' (الحکم 28 مئی 1923ء صفحہ 6)

اس علاج کے ساتھ حضرت مولانا غلام رسول صاحب کو ایک علاج بتایا گیا۔جس کا ذکر قاضی صاحب ان الفاظ میں کرتے ہیں۔'' پھر مولانا گلام رسول صاحب راجیکیؓ کو خواب آیا کہ میں ایک کتاب حجج احمدیہ کے نام لکھوں اوراس کے مکمل ہونے پر میں ان بیماریوں سے مخلصی پاؤں گا۔''

یہ بھی آپ کے لئے ایک نیک تحریک تھی۔اس کی تائید حیات قدسی جلد دوم صفحہ 35 سے ہوتی ہے۔مگر آپ اس وقت تحصیل علم میں لگے ہوئے تھے۔اس لئے توجہ نہ دی۔اس دوران آپ نے منشی فاضل اور مولوی فاضل کا کورس ختم کیا۔جو آپ نے اپنے والد صاحب سے ہی سبقاً پڑھا۔ کیونکہ آپ بیمار تھے اور کہیں آنا جانا ناممکن تھا۔اس لئے کوئی بھی امتحان پاس نہ کیا۔

تصنیف وتالیف:

اس بیماری کے دوران آپ کہیں آجا تو نہیں سکتے تھے۔اس لئے نہ ملازمت کرنا ممکن تھا اور نہ امتحان دینے کے لئے کسی بھی شہر جانا البتہ آپ نے دوران بیماری متعدد اخبارات کی نامہ نگاری اختیار کر لی تھی۔عربی اخبار کا ترجمہ کر کے اردو کے اخباروں کو بھیج دیتے مثلاً چودھویں صدی، لاہور پنچ،صدائے ہند،سیالکوٹ پیپر سراج الاخبار پنجاب آرگن وغیرہ اور شعر بھی کہنے لگے۔

(حالات خودنوشتہ غیر مطبوعہ) اصل آپ کے بھائی مولوی محمد نورالدین صاحب اجمل گولیکی کے پاس محفوظ ہے۔) پھر تصنیف کی طرف توجہ پیدا ہوئی۔

اس زمانہ کی کتب کے اسماءمندرجہ ذیل ہیں:

اس زمانہ کی تصنیفات وتالیفات مفصل تعارف کتب کے تعارف کے تحت لکھوں گا۔

1۔ظہور المہدی۔2۔ظہور المسیح۔3۔اردو و خط و کتابت۔4۔قصص القرآن۔5۔احسن القصص۔6۔سلیمان بلقیس۔7۔سخن خوب۔8۔خلق محمدی منظوم۔9۔حکایات اخلاقی۔10۔عقائد احمدیہ۔سنت احمدیہ

اس کے علاوہ آپ نے عربی کورس کا اردو ترجمہ کیا۔ مثلاً سراجی توضیح تلویح وغیرہ خود لکھے ہیں۔

''کافیہ جونحو کی کتاب ہے۔ اس کا اردو ترجمہ کیا۔ اس دوران مولانا راجیکی صاحب نے سراجی کا اردو ترجمہ کیا۔ اس پر شریفی کا حاشیہ میں نے چڑھایا۔ یہ دونوں کتب مرزا حیرت دہلوی کی پبلشنگ کمپنی کو دہلی بھیجیں۔ مگر وہ شائع نہ کر سکے اور مسودات کچھ واپس کئے اور کچھ ضائع ہو گئے۔'' (حالات خودنوشتہ غیر مطبوعہ) اس طرح کریما فارسی کا ترجمہ پند نامہ کے نام سے کیا۔ اس کے علاوہ ایک کتاب جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا اور نہ وہ مل سکی ہے۔ نماز جمعہ کے حق میں لکھی تھی جس کی اشاعت سے آپ کے متعلق تصور کیا جاتا کہ کوئی معمر عالم ہے۔ خود قاضی صاحب فرماتے ہیں۔

''اور جب میں نے جدامجد کے شاگرد مولوی کلیم اللہ صاحب مچھیانہ کی کتاب ''جبل المتین'' جو نماز جمعہ کے عدم جواز میں تھی۔ مولویانہ زبان میں جواب چھپوایا۔ تو مجھے ساٹھ سال کا بوڑھا عالم سمجھنے لگے۔'' اس کے علاوہ آپ نے الحکم قادیان میں مضامین لکھنے شروع کر دیئے اور احمدی گجراتی کے قلمی نام سے یہ مضامین شائع ہوتے رہے۔ (الحکم 28 مئی 1923ء صفحہ 6)

عبدالمنان مبشر کی ولادت ہوئی۔ خورشید عاقل اور جمشید احسن گو لیکی ہی میں فوت ہو گئے اور آپ چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے۔ ''حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے''

اس دوہرے صدمہ کے باجود آپ نے صبر کیا اور راضی برضا الٰہی رہے۔ کسی قسم کا ناجائز صدمہ کا اظہار نہ ہونے دیا بلکہ دنیا نے اس توکل اللہ اور راضی برضائے الٰہی رہنے کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اس قول مبارک کی تصدیق کی۔ ''صحابہ کو ملا جب مجھ کو پایا''

سفر لاہور

ستمبر 1904ء میں حضور علیہ السلام لاہور تشریف لائے اور ایک عظیم الشان لیکچر دیا۔ اس وقت حضرت قاضی صاحب بیمار تھے۔ اور کہیں آنا جانا دشوار تھا۔ اور طبی لحاظ سے خطرناک بھی تھا۔ اور اس سے قبل لاہور کا سفر کر چکے تھے۔ جس کی وجہ سے تکلیف بڑھ گئی تھی جیسا کہ 1905ء کے جنوری کے

پہلے ہفتہ میں 1904ء کے حالات لکھتے۔اس میں لکھا ہے کہ لاہور حمایت اسلام انجمن کے جلسہ میں گئے۔پرہیزی کھانا نہ ملنے کی وجہ سے بیمار ہوئے اور پھر گھر آ کر ایک ماہ تک بیمار رہے۔

اور آتے ہی ہوا بیمار خونی پیچش سے	بخار بد ازاں ایک ماہ چڑھتا رہا
وہاں ہوا تھا جو جلسہ حمایت السلام	بڑےشوق سے وہ چار روز تک دیکھا
یہاں تک تھی مجھے قبض چودہ دن ہوں	کسی دوا سے نہ کچھ پیٹ سے مرے نکلا
اور اس کے بعد جو انگلش دوائیاں برتیں	تو مجھ کو شافی مطلق نے تندرست کیا

یہ اپریل میں سفر کیا اور آخر اگست میں خبر ملی کہ حضرت مسیح موعود لاہور تشریف لا رہے ہیں۔تو آپ نے ناتواں جسم کے باوجود جانے کا ارادہ کیا۔اور ستمبر میں لاہور حاضر ہوئے۔تحریر کرتے ہیں۔

خبر ملی یہ اخیر اگست میں ہم کو	قیام مہدی کا لاہور میں ہے ہونے لگا
چلا گیا وہاں فوراً وفور الفت میں	چراغ دین کی کوٹھی میں ہر بشر اترا
ہوا جو منڈوے میں لیکچر جناب اکرم کا	دس ہزار کے مجمع میں میں نے آپ سنا
سفر میں رہنا پڑا مجھ کو کوئی دو ہفتے	کریم و نور کو دیکھا مصافحہ بھی کیا
میں اترا گوجرانوالہ اس لئے ......کر	مریض عشق کا کچھ بھی پتہ مگر نہ چلا

اگرچہ آپ تکلیف سے تھے مگر جذبات شوق آپ کو لاہور کھینچ لایا۔جیسا کہ خود لکھتے ہیں۔ فرمایا۔''جب یہ خبر پہنچی کہ حضرت حضور علیہ السلام لاہور تشریف لا رہے ہیں۔تو بندہ کے دل کو بھی آتش شوق نے گرمایا۔جسم نہ صرف کمزور تھا بلکہ دکھوں سے بھرپور تھا۔جو بستر سے اٹھ کر ایک ساعت بیٹھ لینا دشوار سمجھتا تھا۔اس کے لئے لاہور کا سفر ایک خواب وخیال تھا۔مگر شوق نے سب مشکلات کو آسان کر دیا اور باوجود بیماری وضعف کے رہ نہ سکا۔مولوی غلام رسول صاحب وینس کے ساتھ گھوڑیوں پر راتوں رات گکھیالہ اسٹیشن پر پہنچے اور صبح حاضر دربار ہوا سبحان اللہ وبحمدہ وہاں

حضرت قاضی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قیام تک رہے۔ اور فیضان مسیح سے مستفید ہوتے رہے۔ کافی صحابہ سے تعارف ہوا۔ جس سے قبل غائب تعارف تھا۔

سفر سیالکوٹ

پھر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام سیالکوٹ تشریف لے جانے لگے تو آپ بھی ساتھ ہو لئے۔ راستہ میں وزیر آباد اسٹیشن پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مختلف فقہی و دیگر مسائل دریافت کئے۔ عالمانہ دریافت مسائل سے حضرت مولانا عبدالکریم صاحب آپ سے کافی متاثر ہوئے۔ اور آپ سے قریبی تعلقات پیدا ہوئے۔ اس امر کا مثنوی میں ذکر کرتے ہیں۔

سیالکوٹ میں آئے تو پھر گیا میں وہاں	سراء میں آپ کا لیکچر نہایت اچھا ہوا
وزیر آباد میں گاڑی جو ٹھہری تھی آ کر	مصافحہ بڑی جرات سے میں نے بڑھ کے کیا
سوال پوچھا تراویح کا پڑھنا ہے جائز	کیا پڑھے وہی جو پچھلی رات اٹھ نہ سکا

آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ سیالکوٹ میں رہے وہاں لیکچر سنا (روایت روایات میں درج ہے) اور اندھی مخالفت کا زور بھی دیکھا۔ سیالکوٹ وہ مبارک بستی ہے۔ یہاں حضرت مسیح موعود نے ملازمت کے دوران قیام فرمایا۔ آپ کو موقعہ ملا۔ تو آپ نے وہاں کے معمر حضرات سے حضرت مسیح موعود کی اس زندگی سے متعلق دریافت کیا وہ کوئی عیب نہ نکال سکے۔ تو آپ کا ایمان اور پختہ ہو گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ہی واپس ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ وزیر آباد سے ہی شامل ہوئے۔ اور وزیر آباد سے ہی واپس گجرات کو روانہ ہوئے۔ جب آپ وزیر آباد پہنچے تو حضرت مولانا عبدالکریم سے الوداع ہونے لگے تو آپ نے فرمایا کہ ''تم قادیان کیوں نہیں آ جاتے'' اس پر قاضی صاحب نے جواب دیا۔ ''میری روح تو اس مبارک بستی میں منڈلا رہی ہے۔ بس بیمار وزار ہے اور پرہیزی کھانے کا عادی ہوں''۔

حضرت مولانا نے فرمایا۔ ''سب انتظام ہو جائے گا۔'' (7 مئی 1923ء صفحہ 5)

باب سوئم

گجرات میں خدمات کا سلسلہ

جماعتی خدمات ضلع گجرات میں

نماز با جماعت: 1904ء میں آپ اس قابل ہوئے کہ جماعتی کام کر سکیں اگر چہ اتنی طاقت نہ تھی کہ گھر سے مسجد اور مسجد سے گھر کے علاوہ کہیں آ جا نہ سکتے تھے اور یہی دونوں جگہیں تربیت گاہ بن گئی۔ اس میں سب سے پہلا کام آپ نے اپنی اصلاح کی۔ اور نماز با جماعت ادا کرنی شروع کر دی۔ اس سے قبل بیماری نے گھر سے نکلنے نہ دیا۔ تحریر کرتے ہیں۔

نماز کا ہوا پابند با جماعت میں	یہ فیض حضرت مہدی کا غائبانہ ہوا

فقہی مسائل سے آپ پہلے ہی آگاہ تھے۔ اب احمدی مسلک کے مطابق مسائل کو سیکھا۔ اس طرف اشارہ کرتے ہیں۔

خیال دینی میرے بڑھتے جاتے ہیں ہر روز	ہوا ہے شامل حال غریب فضل خدا

جماعت اس وقت بہت ترقی کر چکی تھی۔ ان کی تربیت پہلے حضرت مولوی صاحب فرماتے۔ آپ ملازم ہوئے تو یہ ذمہ داری قاضی صاحب پر آ گئی۔ آپ نے اس کو خوش اسلوبی سے نبھایا۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں: ''والد صاحب تو صبح درس قرآن پھر اعلیٰ کتب نصاب نظامیہ کا سبق پڑھا کہ دھارو والہ چلے جاتے۔ باقی نمازیں پڑھانا جمعہ کا خطبہ دینا میرے سپرد ہو گیا۔ میں نے تیسواں پارہ اور بڑی بڑی سورتیں مثلاً یٰس۔ ق۔ النون یاد کر لیں اور نمازوں میں وہی پڑھتا جو رسول کریم ﷺ پڑھا کرتے تھے۔ نمازوں کے اوقات درست کئے۔ نمازوں کو با جماعت اور بر وقت ادا کرنے کا التزام ہوا۔ بروقت کا مطلب یہ ہے کہ پہلے قدیمی و حنفی دستور کے مطابق ظہر کی نماز کوئی تین ساڑھے تین بجے اور عصر غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ قبل اور صبح کی نماز سفیدی غالب

آنے پر یعنی طلوع سے 25 / 30 منٹ پیشتر پڑھی جاتی۔

میاں حسن علی صاحب ساکن تحصیل قصور عزیز احمد علی صاحب محلہ دار الرحمت کے والد پہلے حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی کے پاس پڑھتے تھے۔ پھر گولیکی آ گئے۔ ان سے میں نے کہا آج زوال آفتاب کے ساتھ ہی اذان ظہر کہہ دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مسجد کے پاس نمبردار کا گھر تھا وہ کوٹھے پر چڑھ آیا اور شور مچایا کہ یہ کیا غضب کر دیا۔ ابھی تو ہم نے روٹی نہیں کھائی۔ (وہ نماز نہیں پڑھا کرتا تھا) ادھر میں نے بعض با اثر نمازیوں کو پہلے ہی تیار کر رکھا تھا۔ وہ آ گئے اور ہم نے ڈیڑھ بجے نماز ظہر ادا کی۔ اور چار بجے عصر اس طرح صبح کی نماز منہ اندھیرے غلس میں پڑھنی شروع کر دی۔ چند روز بے اطمینانی رہی۔ پھر سب درست ہو گئے۔"

رمضان میں تراویح

اس طرح ایک ہنگامہ برپا ہوا۔ مگر ہفتہ عشرہ کے بعد یہ شورش ختم ہوئی اور نمازیں اپنے صحیح اوقات میں ہونے لگی۔ ابھی یہ شورش تھمی تھی کہ رمضان آ گیا۔ اس میں آپ نے تہیہ کیا کہ تراویح میں بھی اصلاح کریں مگر یہ نمازوں کے اوقات سے بھی زیادہ شورش کا موجب تھا۔ مگر آپ نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے اور چند روز پہلے ہی اپنے طور پر سمجھانا شروع کر دیا۔ جب رمضان شروع ہوا۔ تو آپ نے تراویح عشاء کے بعد بیس کے بجائے آٹھ پڑھانی شروع کر دیں۔ شورش ہوئی۔ مگر پہلی روز میں ختم ہو گئی۔ اعتراضات ہوئے۔ مگر خود ہی خاموش ہو گئے۔ فرمایا۔ ماہ رمضان آیا۔ تو میں چاہتا تھا۔ اس مسئلہ کو واضح کیا جائے کہ صلوٰۃ تراویح نماز تہجد سے الگ نماز نہیں۔ اگر عذر کی وجہ سے عشاء کے بعد بھی پڑھی جائے تو آٹھ ہی رکعت پڑھی جائیں۔ اس کے متعلق قاضی صاحب کے ایک خط کا جواب بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملا ہے۔ جو بدر 25 اکتوبر 6 ص 13 پر درج ہے۔

سوال نمبر 19 نماز تراویح

اکمل صاحب آف گولیکی نے بذریعہ تحریر حضرت اقدس سے دریافت کیا کہ رمضان شریف

میں رات کو اٹھنے اور نماز پڑھنے کی تاکید ہے۔لیکن عموماً محنتی مزدور زمیندار لوگ جو ایسے اعمال کے بجالانے میں غفلت دکھاتے ہیں۔اگر اوّل شب میں ان کو گیارہ رکعت تراویح بجائے آخری شب کے پڑھادیا جاوے تو یہ کیا جائز ہوگا۔حضرت نے جواب میں فرمایا۔''کچھ ہرج نہیں پڑھ لیں۔''

اس پر آپ نے عشاء کے بعد آٹھ رکعت تراویح پڑھنا شروع کردیا۔تحریر کرتے ہیں۔

''چونکہ 50 / 40 سال سے بیس رکعت ہی اس مسجد میں پڑھتے آرہے ہیں۔اور غیر احمدی بھی ہمارے ساتھ ہی نماز پڑھتے تھے۔اس لئے یہ تبدیلی بغیر کسی شورش کے مشکل معلوم ہوتی تھی۔میں نے اوّل تو کئی دن مدلل طور پر سمجھایا کہ یہ تراویح کی نماز تہجد کی نماز ہے۔پھر آٹھ رکعت کا ثبوت ذہن نشین کرایا۔پڑھے ہوئے ہوؤں کا سمجھانا تو شاید آسان ہو۔زیادہ ان پڑھ لوگوں سے واسطہ تھا۔وہ بار بار کہتے آپ کے دادا صاحب اتنے بڑے فاضل تو بیس ہی پڑھتے تھے۔وغیرہ ذالک میں بیمار اور کمزور مگر میں نے ارادہ کیا کہ یہ نماز پڑھوں گا۔مجھے قرآن کریم کا پہلا پارہ اور سورہ بنی اسرائیل۔فرقان۔نور۔مریم یاد تھیں۔میں نے نہایت ٹھہر ٹھہر کر قرآن شریف پڑھا۔اور رکوع و سجدے بھی اسی طرح نہایت خشوع وخضوع سے۔میرے پاؤں جواب دے گئے۔مگر میں نے دو گھنٹے میں آٹھ رکعت ختم کیں۔''

اس طرح نماز تراویح جب ادا کی گئی۔تو سب نمازی بے اختیار بول اٹھے کہ اس طرح کہ آٹھ رکعت ہی کافی ہیں۔اس پر قاضی صاحب نے ان کو تلقین کی کہ آئندہ اس طرح ادا کیا کرو۔ہاں مرغ کی طرح چونچیں مارنے سے کیا فائدہ۔اور اگر خدا توفیق دے تو تہجد کے وقت پڑھا کرو۔اس طرح آپ کو جب بھی موقعہ ملتا ان کو تہجد کی تلقین کرتے تھے۔وہ طالب علم جو دیگر دیہات سے تحصیل علم کے لئے آئے۔ان کی رہائش کا انتظام مسجد کے ساتھ ہی تھا۔ان کے علاوہ آپ کے ہم عمر نوجوانوں کا ایک گروہ آپ کے ساتھ مل گیا۔جو صبح تہجد بڑے شوق وذوق اور باقاعدگی سے ادا کیا کرتے تھے بلکہ بعض کے اخلاق اور جذبہ کا یہ حال تھا کہ وہ رات کو سوتے ہی مسجد میں تھے تاکہ تہجد قضاء نہ ہو۔

ان میں سے ایک میاں احمد دین صاحب صحابی تھے۔ جو بعد میں ہجرت کر کے قادیان محلہ دار البرکات میں رہائش پذیر ہوئے۔ پھر ربوہ ہجرت کرکے آ گئے۔ ربوہ میں ہی مدفون ہیں۔

یہ پہلا سال تھا۔ جب آپ نے روزے رکھنے شروع کئے۔ پھر اس کے بعد نومبر میں یہ ملی توفیق کہ خوشدلی سے رکھوں روزہ مع رمضان قیام لیلہ رمضان کا بھی رہا قرآن کئی جگہ سے سنایا۔ نماز روزہ کی توفیق ملی اس سے قبل بیماری آپ کی وجہ سے اس نعمت عظمیٰ سے محروم تھے۔

نماز جمعہ

جمعہ گولیکی میں ادا نہ کیا جاتا تھا کیونکہ سلان اور مصر جامع کی شرائط پر نہ اترتا تھا بلکہ اس سارے علاقہ میں ادا نہ کیا جاتا۔ اور اس کی تائید میں کتب لکھی جاتیں۔ حضرت مولوی صاحب کے شاگرد (بدر الدین) مولوی کلیم اللہ صاحب نے جبل المتین کے نام سے جمعہ نہ ہونے کی تائید میں کتاب لکھی۔ اس کا قاضی صاحب نے مدلل جواب دیا۔ جس کا اس سے جواب نہ بن سکا۔ اس طرح بحث مباحثہ کے بعد 1901ء کے قبل ہی نماز جمعہ گولیکی میں ادا ہونی شروع ہوگئی۔ صحت کے بعد یہ ذمہ داری بھی آپ کے سپرد ہوئی۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں۔ ''والد ماجد تو سکول پڑھاتے تھے۔ اس لئے یہ میرے ذمہ تھا۔ میں نے خطبوں کا ایک سلسلہ شروع کیا جس میں عقائد و اعمال مطابق قرآن مجید و احادیث زیر ہدایت سلسلہ احمدیہ بیان کرنے شروع کئے۔ اور جو کچھ قرآن مجید صحاح ستہ، حجۃ اللہ البالغہ، فتح القدیر، ادار یہ، البلاغ البیت و کتب سلسلہ احمدیہ اور اخبارات و رسائل کے مطالعہ کے بعد مجھے میسر ہو سکتا تھا۔ وہ میں مکمل مفصل اور مدلل بیان کر دیتا تھا۔

اس طرح یہ سلسلہ جاری رہا۔ آپ 1907ء کی مثنوی میں جو 1906ء کے حالات پر مشتمل ہے۔ تحریر کرتے ہیں۔

نماز جمعہ کا اس سال اہتمام رہا	نئے نئے پڑھے خطبے بہ جدت بیاں
بڑے ہی شوق سے لکھتا رہا میں خطبوں کو	کہ بعض وقت تو بندھ جاتا تھا سماں

تقریرووعظ

ان امور کے ساتھ ساتھ آپ نے جماعت کی تربیت پر بھی زور دیا۔اوراس کا ایک سلسلہ آپ شروع کر سکتے تھے کہ نماز کے بعد یا قبل حسب موقعہ قرآن وحدیث سے نصائح فرمایا کرتے تھے اور دیگر مواقع پر تقاریر کرتے۔ان میں مسائل فقہ کے ساتھ عقائد احمدیت کی وضاحت فرماتے اور ان کو دلائل یاد دلاتے یا کراتے۔اس طرح تھوڑے عرصہ میں اکثر کو مسائل احمدیت سے بخوبی آگاہی ہوگئی۔اوروہ اس قابل ہوگئے کہ مخالفین سے گفتگو کرسکیں۔ان کے اعتراضات کے جواب دیئے سکیں۔اور وہ جو احمدیت کے نور سے ابھی منور نہ ہوئے تھے۔ان کو تبلیغ کرسکیں۔قاضی صاحب فرماتے ہیں۔

جماعت کے ہرایک فرد کو مسائل ضرور یہ با دلائل یاد ہوگئے۔اوروہ بطور مبلغ اور بعض مناظر ہو کر بیرونجات میں جانے لگے۔اس طرح 1906ء کے حالات پر مشتمل نظم میں فرماتے ہیں۔

کئے ہیں رات کو بھی میں نے عمدہ عمدہ وعظ	کہ حاضرین پہ جن کا اثر تھا بے پایاں
تھا بالخصوص ستائیسویں شب رواج	تو وعظ مرا مدلل موثر نیکاں

نیزفرمایا

نمازیں وقت پر میری ادا ہوتی رہیں ساری	جماعت،درس قرآنی میں بھی آنے نہ دی قلت

تعلیم رجال ونساء واطفال

ابتدامیں درسگاہ مردانہ تھی۔حضرت مولوی فیض صاحب نے اس کے ساتھ گھر پر مستورات کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔قاضی صاحب تحریر کرتے ہیں۔

’’مستورات میں بھی والدصاحب نے قرآن مجید سنانا شروع کیااور پرائے دستور کے مطابق لڑکیاں ہمارے گھر میں قرآن مجید پڑھنے آئی تھیں۔ان کو احمدیت کی تلقین بھی کی جاتی تھی۔اور دیہات میں نائٹ سکول کی طرف پر یہ دستور پہلے ہی سے رائج ہے کہ زمیندار پیشہ واروں کے لڑکے

لڑکیاں اور بڑی بوڑھی عورتیں بھی رات کو دین سیکھنے کے لئے مولوی صاحبان کے گھر آ جاتی ہیں۔ ان کو زبانی نماز وغیرہ یاد کرائی جاتی ہے۔ اور مسائل ضرور یہ بتائے جاتے ہیں۔ اس طریق کو زیادہ باقاعدہ کر دیا گیا۔ اس طرح پر تھوڑے ہی عرصہ میں جماعت کی علمی و عملی ترقی ہوگئی۔ میں تو قادیان چلا آیا تھا۔ والد ماجد اور ہمارے گھر والوں نے یہ سلسلہ خوب جاری رکھا۔‘‘

(حالات خودنوشتہ غیر مطبوعہ)

یہ عالم تو تھا گھر کا۔ سارا دن بیٹھک میں اور مسجد میں گذرتا۔ یہاں تعلیم و تعلم کے سوا کوئی اور کام نہ کرتے۔ ایک ہی تڑپ تھی جو کسی پہلو چین نہ لینے دیتی۔ ایک ہی لگن تھی جو دامنگیر تھی کہ جو کچھ سیکھا ہے اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا جائے جو علم کا پیاسا ہے اس کی تشنگی دور کی جائے۔

مستورات کی تعلیم کی طرف نہ صرف خود توجہ کی بلکہ گاؤں میں دوسرے لوگوں کو بھی تیار کر لیا۔ اس ابتدائی کوشش کا نتیجہ ہے کہ آج گولیکی میں تعلیم یافتہ خواتین کی کثرت ہے۔

اخبارات میں بھی آپ نے نظم و نثر کے ذریعہ تعلیم نسواں کے لئے آواز بلند کی۔ پردہ کے متعلق اظہار خیال ان الفاظ میں کیا: ع

میرے بھائیو آپ سے التجا ہے	اگر آپ میں کچھ بھی عقل و حیا ہے
تو سمجھو اب اکمل کرے یہ صدا ہے	کہ پردہ اٹھانا برا ہے برا ہے
کئی عیب اس سے ڈھکے ہیں تمہارے	نہیں تو برے دن ہیں آئے تمہارے

اس کے ساتھ تعلیم نسواں کی طرف مسلم قوم کو متوجہ کرتے ہیں اور اس تعلیم سے منع کیا کہ جس سے اسلامی روایات سے دوری پیدا ہو۔

کرو پہلے کچھ ان کی تعلیم ہی کا	کہ ہے آدمی جس سے انسان بنتا
مگر ایسی تعلیم ہرگز نہ دینا	کہ جس سے ہو آزادی کا شوق پیدا
انہیں بلکہ کھانا پکانا سکھانا	مسائل ذرا مذہبی بھی پڑھانا

تبلیغ احمدیت

تعلیم و تعلم وتربیت کے علاوہ آپ کو تبلیغ کا بھی بہت شوق تھا۔گاؤں میں اپنے رشتہ داروں کو جو آپ کو ملنے آتے یا آپ ان کو ملنے جاتے ضرور تبلیغ کیا کرتے تھے اور جب صحت ہوئی تو آپ تبلیغ کے لئے گاؤں سے باہر بھی جاتے۔ (درس میاں وڈھا۔ جہاں بڑے بڑے ملا لوگ وعظ کیا کرتے تھے۔سادہ لوح دیہاتیوں سے نان و نفقہ کا اہتمام کرتے تھے) بلکہ ضلع گجرات میں احمدیت کی وجہ سے سب سے پہلے مار کھانے والے آپ ہی ہیں۔ایک موقعہ پر ساتھ کے گاؤں گئے تھے۔(اور تبلیغ کے لئے اور آخرین کے گروہ میں شامل ہونے کے لئے آپ نے سہ ماہی جلسوں کی تجویز کی جو ضلع گجرات میں مقبول عام ہوئی اور مختلف مقامات پر جلسہ ہونے لگے۔الحکم 24 اگست 1907ء۔ ...... دیہات میں جاتے اور تبلیغ کرتے۔مسائل بتاتے اور ان کے اختلافات کا فیصلہ کرتے جس کی وجہ سے قاضی مشہور ہوئے) مولانا راجیکی صاحب ساتھ تھے۔آپ نے بحث شروع کی اور حوالے پہ حوالہ دیتے چلے گئے۔جب وہ لاجواب ہو گیا تو اعتراف حقیقت کی بجائے اس نے آپ کو طماچہ مار دیا کہ ہم تو حوالہ دیتے نہیں تم فر فر حوالے دیئے جا رہے ہو۔

ایسے ہی ایک موقعہ پر موضع لنگہ والوں نے آپ کو ایک مخالف سے بحث کرنے کے لئے بلایا۔ آپ وہاں گئے اور اس کو عربی میں ایک نامہ لکھا مگر وہ مقابلے پر نہ آیا۔آپ مولوی راجیکی صاحب کو ساتھ لے کر اتمام حجت کے لئے اس کے گھر گئے مگر وہ نہ مانا۔مولانا راجیکی صاحب نے ایک سوال کیا تو اس نے ایک طماچہ دے مارا۔اس واقعہ کو قاضی صاحب یوں منظوم بیان کرتے ہیں۔

میں فروری میں ہوا لنگے والوں سے مدعو	ہوا تھا اس جگہ خناس مخرب دہقان
کچلنے کے لئے اس کا سر فریب و دجل	تمہارا آنا ضروری ہوا ہے آج یہاں
گیا میں اور لکھا ایک نامۂ عربی	کہ جس کو دیکھتے ہی دم بخود ہوا شیطان
مثل ہے جھوٹے کے گھر تک جانا چاہئے	گئے تو کہنے لگا وعظ میں چلے گی زبان

اٹھا غلام رسول اور اک سوال کیا	جواب جس کا طماچہ دیا کہ تھا نادان

اس طرح ایک موقعہ پر بادشاہانی ضلع جہلم کا ایک واعظ احمد دین جس کا بہت شہرہ تھا۔ گولیکی آیا اور پیر شہاب الدین صاحب ان کو گھر لے آئے اور مسجد میں وعظ کیا اور ''کالفراش المبثوث'' کا ترجمہ ''فرش بچھے ہوئے'' کیا۔ تو اس کی جہالت کا علم ہو گیا۔ پھر اس نے خوجیانوالی میں احمدیت کے خلاف تقریر کی تو قاضی صاحب مولوی راجیکی صاحب کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے۔ لکھتے ہیں:

''تو ہم مولوی غلام رسول راجیکی کے ساتھ وہاں ریتلے میدان کے اجتماع میں پہنچے............ لنگے سے مولوی غلام رسول، چوہدری ہست خان جو احمدی ہو چکے تھے...... پہنچے۔ مولوی راجیکی نوجوان سادہ لباس میں بڑی جرات سے واعظ کو للکارا تو اس نے طماچہ مار دیا..................سب نے یہ اثر لیا کہ یہ تو احمدی لڑکے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔''

ایک اور موقعہ پر پیر برکت علی صاحب (برادر اکبر حافظ روشن علی صاحب) کی تحریک پر ضلع گجرات کے دورے کا پروگرام بنایا۔ باوجود بیماری کے آپ روانہ ہوئے۔ ''ایک دفعہ پیر برکت علی صاحب نے مجھے تحریک کی کہ ضلع گجرات میں دورہ کرنا چاہئے۔ ان دنوں میں مجھے بیماری سے کچھ افاقہ تھا۔ مگر کمزوری اور عوارضات بدستور۔ لیکن باوجود اس کے ہم دونوں چل پڑے۔ کھاریاں بھی گئے۔ وہاں سے پیر صاحب چاہتے تھے کہ بلانی چلیں۔ غالباً اس سے پرے ایک گاؤں پنڈ عزیز میں پیر صاحب کے رشتہ دار تھے وہاں تک پہنچنا چاہتے تھے۔ مگر مجھے زکام و نزلہ و بخار سے تکلیف ہو گئی اور کھاریاں سے ہی واپس ہو گئے''۔ (الفضل 29 جولائی 1923ء)

اسی طرح ایک اور موقعہ پر پیر صاحب کے ساتھ موضع رَمل گئے۔ اگرچہ اس دوران جانا موت کو دعوت دینا اور بیماری کو بلانے کے مترادف تھا مگر آپ نے پیر صاحب کا ساتھ دیا۔ تحریر فرماتے ہیں: ''میں عرصے سے دائم المریض چلا آتا۔ چارپائی پر اٹھ کر بیٹھنا دشوار تھا۔ لیکن پیر صاحب کے اندر اس قدر جوش تبلیغ تھا کہ اس کا پرتو مجھ پر بھی پڑا اور اس حالت میں وہ مجھے موضع رَمل لے جانے

میں کامیاب ہو گئے۔" (الفضل 29 جولائی 1923ء)

وہاں آپ تبلیغ کرتے رہے۔ خانقاہ بھی گئے۔ قبر پرستی اور پیر پرستی دیکھ کر آپ اس شرک کو برداشت نہ کر سکے۔ ایک اور بار رنمل جانے کا ذکر اپنی مثنوی میں کرتے ہیں۔ ع

مہینہ جون کا تھا میں گیا رنمل میں جلسہ پر	وہاں خیرات پر لیکچر دیا گرچہ نہ تھی طاقت
ہوا اس کا اثر اچھا روپے تیرہ ہوا چندہ	انہی پیروں کے شرک آمیز میلے کی بنی درگت

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وہاں اس شرک کے خلاف خوب وعظ کیا اور ان کو احمدیت کے عقائد سے جو اس شرک کے خلاف خوب تبلیغ کی تو اس سے پیروں کے میلہ پر اثر پڑا۔ اس جلسہ کی رپورٹ الحکم میں بھی شائع ہوئی۔ جو یہ ہے:

"آخرین منھم لما یلحقوا بھم کے مصداق بننے کے لئے تجویز ہوئی کہ جلسے ہوں اور ترقی کے منصوبے بنائے جائیں۔ ایسا ہی رنمل میں جلسہ ہوا۔ سیکرٹری صاحب رپورٹ میں حضرت قاضی صاحب کا ان الفاظ میں ذکر کرتے ہی۔

"............جلسہ میں نہ آنا بہت افسوس کا مقام ہے............ جب ہم دیکھتے ہیں کہ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل آف گولیکی ضلع گجرات بایں ضعف ونقاہت ودائمی علالت اتنے کوس کی صعوبت سفر برداشت کر کے دو دن پہلے ہی پہنچ گئے تھے............ قاضی صاحب کے مضامین احمدی گجراتی کے نام سے دو تین سالوں سے الحکم والبدر کے ناظرین دیکھتے ہیں۔ انٹروڈیوس کرانے کی حاجت نہیں .... خطبہ سے پہلے قاضی صاحب نے" یا ایھا الذین آمنوا لا تکونوا کالذین قالوا سمعنا و ھم لا یسمعون" پر چند منٹ تقریر کی۔ اور گوش دل سے سننے کی ہدایت کی اور" ان شر الدواب عند اللہ الصم البکم" کی فلاسفی سمجھائی............ خطبہ ہوا .... بعد ازاں قاضی صاحب نے اپنی تقریر مسئلہ خیرات پر سامعین کی رعایت کے خیال سے پنجابی زبان میں شروع کی۔ پورے سوا دو گھنٹے تک آپ نے نہایت بسط سے اس کے تمام پہلوؤں کو

دکھایا۔ یہ تقریر علیحدہ چھپے گی۔ فی الحال اس کے عنوان بطور خلاصہ بتائے جاتے ہیں۔

1) جنت الذین ینفقون فی السراء و الضراء کے لئے ہے۔

2) جو سونا چاندی دباتے اور فی سبیل اللہ خرچ نہیں کرتے ان کے لئے عذاب ہے۔

3) قارون کا حال قرآن کریم سے اور اس کا انجام۔ 4) دولت دولتمندوں کے لئے وبال جان ہے۔ انما یرید اللہ لیعذبھم بھا فی الحیٰوۃ الدنیا۔

5) دولت مند نیکیوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ 6) خدا کے دین میں پہلے اراذلنا بادی الرأی داخل ہوتے ہیں۔ 7) دینے کے قواعد۔ من۔ اذی۔ خبث شیئ کے دینے سے خالی ہو۔ فقر سے مت ڈرو۔

8) خیرات کے مصارف۔ سوال کرنا ایک ذلت ہے 9) امام کے پاس بھیج دو۔ 10) نبی کریمؐ بھی چندہ وصول کرتے قرآن سے۔ 11) منافقین کے چندہ پر اعتراضات 12) جنگ تبوک کا حال صحابہ کی قربانی

غرض یہ تقریر اعلیٰ طرز استدلال و شستگیٔ بیان و جامعیت و مانعیت کے قابل قدر تھی............ خانقاہ کا سجادہ نشین بھی مع چند درویش کے قاضی صاحب کے وعظ میں آیا۔ (الحکم 17 جون 1906ء)

اسی طرح ایک مثنوی سے جو 1906ء کے حالات پر مشتمل ہے رجوعہ میں ایک اجتماع میں جانے کا ذکر ملتا ہے جو اگست میں ہوا۔ ع

پڑھا مضمون اصحاب السفینہ ایک فصاحت سے	رجوعہ والوں نے کی جب اجماع کی دعوت

اس جلسہ کی رپورٹ حضرت قاضی صاحب نے الحکم کو بھجوائی جس میں ان کا ذکر یہ ہے:۔

’’رجوعہ کی سرزمین تجھ پر خدا کی رحمت۔ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں تیری طرف بارہ بجے کی کڑکڑاتی دھوپ میں بیس بیس کوس سفر کر کے جانا ہمارے لئے عین راحت ہے۔ کیوں! تجھ میں بسنے والے احمدی میرے سید المولیٰ امام الائمہ کی قوت قدسیہ کا ظاہر اثبوت ہیں............ بعد از نماز جمعہ

ناچیز اکمل کا وقت تھا۔ ایک ٹوٹی پھوٹی تقریر تھی۔ مخالفین کی بھی ایک خاصی تعداد آ گئی۔ مستورات بھی برعایت پردہ شامل تھیں۔تقریباً تین گھنٹے تک سمع خراشی ہوتی رہی۔مگر تاہم بہت سا بیان باقی رہ گیا۔'' (الحکم 10 اگست 1906ء)اس سلسلہ میں موضع گورالی میں جلسہ ہوا۔اس میں آپ بھی شامل ہوئے یہ جلسہ ماہ ستمبر میں ہوا۔حضرت قاضی مثنوی میں یوں ذکر کرتے ہیں:

ستمبر میں گورالی کے لئے گھوڑی مجھے آئی	وہاں بس تین سو سے بڑھ کے تھے خدام آنحضرت
بڑے عالم اکٹھے ہو گئے واں پر مگر حق نے	نہایت فضل سے عاجز کی رکھ لی جلسہ میں عزت

اس جلسہ کی بھی رپورٹ حضرت قاضی صاحب نے الحکم کو ارسال کی اس میں آپ کا بھی ان الفاظ میں ذکر ہے۔

''تقریباً ستر گاؤں کے تین سو کے قریب احمدی بھائی تھے.......... بعد از نماز جمعہ نیاز مند اکمل کو ملک صاحب نے اغراض جلسہ کے لئے پیش کیا۔میرا گلا ریزش زکام کے باعث بالکل بیٹھ گیا تھا۔ چنانچہ دو چار آدمیوں تک بھی آواز نہیں پہنچ سکتی تھی مگر جب خدا تعالیٰ اپنے بندے سے کوئی خدمت لینی چاہتا ہے تو خود ہی توفیق بھی دے دیتا ہے۔تین سو آدمی سے زیادہ اس بات کا گواہ ہے کہ جب میں نے اپنے حسب حال آیت یضیق صدری ولا ینطلق لسانی پڑھی تو بہت کم لوگوں نے سنی مگر ''رب اشرح لی صدری و یسر لی امری و احلل عقدۃ من لسانی'' پڑھنے کے بعد آواز تقریباً بالکل درست ہو گئی۔ جو خدا تعالیٰ کی ہستی اور میرے امام الزمان کی صداقت کا ایک نشان ہے۔لطف یہ کہ بعد از تقریر پھر آواز اسی طرح بیٹھ گئی................ چونکہ یہ مضمون حاضرین کو بہت پسند ہوا اور اس نے استدعا کی کہ سب کچھ قلم بند کر کے چھپوا دینا چاہئے۔اس لئے میں اسے عنقریب علیحدہ مضمون کی صورت میں پیش کروں گا''۔ (الحکم 17 اکتوبر 1906ء)

ہجرت سے قبل بیماری میں آپ جلسوں میں شامل ہوتے رہے۔ہجرت کے بعد اخبار البدر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے 1907ء میں ضلع گجرات کا تبلیغی دورہ کیا جس میں رَمل، رجوعہ اور

کھاریاں بھی تقریریں کیں مگر اس کا تفصیلی ذکر کسی اخبار میں نہیں ملا کیونکہ بدر اور الحکم کی مکمل فائلیں ربوہ سے دستیاب نہیں ہوسکیں۔ اس دورہ سے فارغ ہو کر جب آپ واپسی کی تیاری کر رہے تھے تو جماعت احمدیہ تحصیل پھالیہ نے جلسہ میں شمولیت کی دعوت دی۔ مگر آپ شامل نہ ہو سکے۔ پیغام بھجوا دیا۔ اس کا ذکر اخبار میں ملتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ضلع گجرات میں سہ ماہی جلسوں کی تجویز آپ کے زرخیز دماغ کی تھی۔ یہ جلسے کھاد کا کام کر گئے اور جماعت دن دگنی رات چوگنی ترقی کرتی چلی گئی۔ تحریر کرتے ہیں:۔

''ہمارے ضلع میں اس تحصیل کی جماعت سابق بالخیرات ہے۔ جب میں نے سہ ماہی جلسوں کی تجویز کی تو سب سے پہلے اس جماعت نے میری تجویز کو لبیک کہا تھا............اس جلسہ میں عاجز اکمل کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ بلکہ حسن ظن سے گھوڑی بھی بھیج دی گئی۔ مگر افسوس کہ ایک طرف میں دارالامان جانے کے لئے تیار۔ دوسری طرف مجھے بخار ہو رہا تھا۔ ندامت کے ساتھ معذرت کی.................اس کے بعد عاجز کا مضمون پیر برکت علی صاحب نے پڑھ کر سنایا۔''

اس کامیاب جلسہ کی رپورٹ احمدیہ جماعتوں کے سامنے رکھ کر آپ نے ان جلسوں کے نیک نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے اپیل کی کہ اس طرح کہ کمیٹیاں دیگر اضلاع میں بھی قائم کی جائیں اور جلسے کئے جائیں۔ جلسہ جماعت کی تربیت و ترقی کے لئے نہایت ضروری بلکہ لازمی ہے۔ ایک دوسرے کے اخلاص سے متاثر ہو کر اپنے اندر تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ کسی کو دوسرے کی نصیحت اثر کرتی ہے اور اکثر علماء کے قول و فعل سے متاثر ہو کر اپنے اندر صحیح اسلامی روح پیدا کرنے کی سعی میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ آخر مضمون میں اپنی اس خواہش کا اظہار ان الفاظ میں کیا:۔

''غرض یہ نمونہ ہے۔ گجرات کے ایک علاقہ کا۔ میں چاہتا ہوں تمام اضلاع میں اس طرح کمیٹیاں قائم کر کے انتظام کیا جائے۔ آخیر میں یہ کہہ دینا بھی بے موقع نہ ہوگا کہ عاجز اکمل نے گولیکی میں کمیٹی قائم کر دی ہے اور سب کام و انتظام باقاعدہ ہو گیا ہے۔ اب میں اس فکر میں ہوں کہ

صدر کمیٹی ایسی جگہ ہو جہاں سے سب کام ایک خاص نظام کے ساتھ ہوتا رہے۔ چھوٹے چھوٹے جلسوں کا قیام میرے خیال میں بہت ضروری ہے۔''

یہ وہ ابتدائی خاکہ تھا جس نے خلافت ثانیہ میں نہایت خوبصورت شکل اختیار کر لی اور جماعت کے سامنے خدام وانصار ولجنہ کے جلسوں کی صورت میں پیش ہوا۔ اخبارات کے مطالعہ سے علم ہوتا ہے کہ یہ سعادت سب سے پہلے ضلع گجرات کی جماعتوں کو نصیب ہوئی۔ جنہوں نے ایک نظام کے تحت جلسوں کا سلسلہ شروع کیا اور اس طرح تمام جماعتیں ایک جان ہو گئیں اور ان میں اتحاد کے ساتھ ایک نئی روح پیدا ہو گئی۔ اور اس سلسلہ کی تجویز سلسلہ کے فدائی اور ہر آن اس کی بہتری و بہبودی کے لئے سوچتے رہنے والے خادم سلسلہ اور اپنی زندگی سلسلہ کی خدمت میں گذار دینے والے حضرت قاضی اکمل رضی اللہ عنہ کو خدا کے فضل وکرم سے نصیب ہوئی۔ خدا کرے کہ تا قیامت جماعتوں میں سہ ماہی اجلاسوں کا سلسلہ جاری رہے۔ اور خداوند کریم اپنے فضل سے اس کا ثواب حضرت قاضی صاحب کی روح کو بھی پہنچائے۔ آمین اللھم آمین۔ اس جلسہ میں جو پیغام حضرت قاضی صاحب نے بھجوایا درج ذیل ہے۔

میرے پیارے بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک باغبان جس نے زمین کو جوتا۔ درست کیا صاف کیا۔ پھر اس میں تخم ریزی کی۔ پودے نکلے اور وہ چلا گیا۔ پھر جب اس کے پھلنے پھولنے کی خبر سنے گا۔ تو کیا خوشی سے پھولا نہ سمائے گا۔ میں جب سنتا ہوں کہ مفلحون کے گروہ میں شامل ہونے کے لئے تم لوگوں نے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر پر عملدرآمد شروع کر دیا ہے۔ تو بخدا نہایت ہی خوش ہوتا ہوں۔ اگرچہ بعض معذوریوں بلکہ مجبوریوں کے ساتھ تمہارے جلسہ میں جسم کے ساتھ حاضر نہیں ہو سکے گا۔ مگر میری روح تمہارے ساتھ کام کر رہی ہے .... دوستو! زبانی باتوں سے کیا بنتا ہے۔ اگر میں نے گھنٹہ بھر سر کھپایا۔ اور آپ کا بھی وقت لیا۔ اور عملی رنگ میں کچھ نہ کیا تو کیا فائدہ مجھے حضرت امام علیہ السلام کا یہ قول کچھ ایسا

پسند آیا ہے کہ میں نے لمبی تقریریں ہی چھوڑ دیں۔فرمایا۔’’جو کچھ کرنا ہے۔عملی رنگ میں کرو۔ زبانی باتوں سے کچھ نہیں بنتا۔‘‘

سنو اے حاضرین! میری سنو! جو گوش نصیحت نہ ہوش ہو! بیع کے معنی ہیں۔ایک چیز دوسری کے عوض میں لینا۔ بیعت کے معنی یکدم جو کچھ ہے۔ مال و جان و اختیارات دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا۔ جیسے فرمایا۔ **ان الذین اشتری من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ** گویا بیعت کے وقت اپنا مال اپنی جان فروخت کر دی جنت کے عوض۔تم نے غلاموں کی نسبت سنا ہوگا کہ جب انہیں کوئی خرید لیتا ہے۔تو پھر ان کا اپنا کوئی اختیار نہیں رہتا بلکہ جو کچھ وہ کماتے ہیں وہ بھی ان کے مالک کا ہو جاتا ہے۔اور کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کر سکتے۔جس طرح ہم اپنے تئیں خدا کے مسیح مرزا غلام احمد ایدہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر فروخت کر چکے ہیں۔اب تمہارا اپنے پر کچھ اختیار نہیں چاہئے کہ ہمارا ہر ایک قول ہمارا ہر ایک فعل ہماری ہر ایک حرکت اس کے حکم کے ماتحت اس کی مرضی و منشاء کے مناسب ہو۔اگر یہ نہیں تو پھر جھوٹی ہے ہماری بیعت۔ پھر جو کچھ کمائیں۔وہ ہمارا نہیں بلکہ اس کا ہے۔وہ اپنی مہربانی سے جو ہمارے گذارے کے لئے دئے وہ لے لیں۔باقی سب اس کا ہے۔اس کے لئے ہم انشراح صدر نہیں پاتے تو جھوٹے ہیں ہمارے دعوے جو بیعت کے متعلق کرتے ہیں۔

یاد رکھو! کہ جیسے جب تک قیمت نہ دے لیں۔وہ چیز جسے خریدیں ہاتھ نہیں آتی۔اس طرح یقیناً سمجھو کہ جب تک تم اپنے آپ کو اور اپنے مالوں کو اس خدمت دین کے لئے وقف نہ کر دو گے۔ وہ جنت جس کے لئے یہ بیعت (سودا) ہوئے نہ ملے گا۔‘‘

آپ صاحبان کا خادم محمد ظہور الدین اکمل عفی اللہ عنہ۔(الحکم 24 اگست 1907ء)

باب چہارم

ہجرت۔مہاجرین کے فضائل ومناقب

انسان کے لئے تھوڑے عرصہ تک مصائب برداشت کر لینا زیادہ دشوار نہیں کچھ دنوں کے لئے وہ مالی نقصان بھی اٹھا سکتا ہے۔جسمانی اذیتیں بھی برداشت کر سکتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر ایک مرتبہ جان بھی دے سکتا ہے۔مگر جیتے جی ہمیشہ کے لئے خویش واقارب اہل وعیال۔اور مال و دولت سب چھوڑ کر جلاوطنی کی مصیبت نہیں سہ سکتا۔مہاجرین کا سب سے بڑا ایثار۔سب سے بڑی قربانی اور سب سے بڑا اشرف یہی ہے کہ وہ صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کے لئے اپنے وطن اپنے اہل وعیال اور اپنے مال وجائداد سب چھوڑ کر بے خانماں ہوئے۔مادر دولت سے تہی دامن ہوئے۔تو خداوند کریم نے ان کے دل ایمان خدا اور رسول کی محبت اور ولولہ مذہب کی دولت سے معمور کر دئے۔اور وہ تمام خرفات دنیوی سے بے نیاز ہو گئے۔قرآن کریم میں خداوند کریم نے ان کی اس قربانی کی تعریف کی اور حصول اجر عظیم کا موجب قرار دیا ہے۔فرمایا۔

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (التوبہ ع 13) اور ان خوش نصیب صحابہ کی نسبت فرمایا۔جو ہجرت کے بعد جہاد میں مشغول ہو گئے اور تکالیف پر صبر کیا اور استقامت دکھائی فرمایا۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (البقرۃ ع 27) مہاجرین کی پختگی ایمان کی اللہ تعالیٰ نے تصدیق کی۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (الانفال ع 10)

احادیث میں بھی کثرت سے فضائل ہجرت اور مناقب مہاجرین بیان ہوئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ اپنی دلی خواہش کا اظہار فرماتے ہیں۔ **لولا الهجرة لکنت امرًا من الانصار** (بخاری) ہجرت کی مشکلات کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔ **جاء اعرابی الی النبی ﷺ فساله عن الهجرة فقال ویحك ان الهجرة شانها شدید** (بخاری)

ہر مشکلات اور مصائب پر صبر اور جذبات محبت کی قربانی ہی اجر عظیم دلاتی ہے۔حضرت جناب فرماتے ہیں **کذا هاجرنا مع رسول الله صلعم نبتغی وجه الله فوجب اجرنا علی الله** (بخاری) آنحضرت ﷺ مہاجرین کے لئے دعا فرماتے ہیں۔

اللهم ان العیش عیش الاٰخرة فاغفر الانصار والمهاجرة (بخاری)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے صحابہ مہاجرین کے متعلق فرماتے ہیں:۔

''خدا تعالیٰ نے انہی اصحاب الصفہ کو تمام جماعت میں سے پسند کیا ہے اور جو شخص سب کچھ چھوڑ کر اس جگہ آباد نہیں ہوتا اور کم سے کم یہ کہ یہ تمنا دل میں نہیں رکھتا۔اس کی حالت کی نسبت مجھ کو بڑا اندیشہ ہے کہ وہ پاک کرنے والے تعلقات میں ناقص نہ رہے اور یہ ایک پیشگوئی عظیم الشان ہے اور ان لوگوں کی عظمت ظاہر کرتی ہے کہ جو خدا تعالیٰ کے علم میں تھے کہ وہ اپنے گھروں اور وطنوں اور املاک چھوڑیں گے اور میری ہمسائیگی کے لئے قادیان میں آ کر بود و باش کریں گے۔''

(تریاق القلوب صفحہ 60۔روحانی خزائن صفحہ 262)

حضرت قاضی صاحب ایک موقعہ پر جب کہ سیر کے لئے جا رہے تھے تو دو دیہاتی عورتوں کی گفتگو سنی۔ایک دوسری کے جواب میں کہہ رہی تھی کہ یہ سب آب ودانہ کی کشمش کا نتیجہ ہے۔بھوکے مرتے آئے تھے اب تو ملانوں والے ہیں۔عیش کرتے ہیں۔خدا کا فضل ہے ان پر بڑا۔اس کو سن کر آپ کو بڑا دکھ ہوا اور اپنی ہجرت کے متعلق لکھتے ہیں۔ع

آہ مجھ سے پوچھتیں تو میں بتا دیتا انہیں	احمدیت اس فضا میں نام ہے کس چیز کا

اپنی اپنی بستیوں میں ہم مزے سے رہتے تھے	آسماں پر ناگہاں پھونکا گیا اک کرنا
جمع ہو جائیں سعادت مند روحیں آن کر	قادیان دار الامان میں احمد مرسل ہوا
ہم سبھی گھر بار والے کھاتے پیتے خوش بہ خوش	بستے رستے اور رکھتے تھے بہت سے اقربا
ہم زمینوں والے تھے ہاں مکانوں والے تھے	بھوکے ننگے تو نہیں تھے تم ہمیں سمجھے ہو کیا
تم سے بہتوں کی خدا کے فضل سے کی پرورش	راہ مولیٰ میں کئی لوگوں کو گھر والا کیا
ایک اللہ کے منادی کی ندا پہنچی تو ہم	سر کے بل پہنچے اور آمنّا و صدقنا کہا
چھوڑ کر گھر بار خویش و اقربا مال و منال	ہم ہوئے حاضر بہ دربار مسیح مجتبیٰ
اس کے قدموں میں گرتے گرتے ہی مٹی میں رلے	تا فنا کے بعد پا جائیں کسی دن ہم بقا
تم یہ سمجھے مٹ گئے لیکن خدائے پاک نے	زندگی بخشی جو کھویا تھا وہ سب واپس ملا

حضرت قاضی صاحب نے ہجرت کا زمانہ بڑے صبر سے گذارا۔جس کی شاہد آپ کی کتاب ''زندگی'' ہے اور آپ نے دیگر مہاجرین کو بھی صبر واستقلال کی تلقین کرتے رہے۔آپ کی ایک درج ذیل ہے۔ع

اے مہاجر دیکھ گھبرانا نہیں افلاس سے	مومنوں کے کام چلتے ہیں ہمیشہ آس سے
روضہ بیضا بھلا دیتا ہے سب رنج و ہموم	میں ابھی آیا ہوں اٹھ کر آپ ہی کے پاس سے
جب ہجوم یاس ہو یا غلبۂ افکار ہو	اپنے مولا کی مدد سے سورۂ و الناس سے
فی سبیل الہ ہجرت کا نتیجہ تنگیاں	دیکھنا بچنا میرے بھائی برے وسواس سے

آپ تعلیم قرآن وحدیث کی خاطر ہجرت کر کے قادیان آئے تھے۔یہ وجہ نہ تھی کہ پیٹ کے دھندے آپ کو قادیان لے آئے۔اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''..................ہم لوگ محض دین کی خاطر یہاں آئے ہیں۔ورنہ ایسے لوگ ہیں جو اگر باہر ہوتے تو اس سے دگنا چوگنا کما سکتے............کہ پیٹ کے خاطر وہاں بیٹھے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط

ہے۔کبھی کسی بات نے مجھے اتنا دکھ نہیں دیا جتنا ایک کے اس کلمہ نے جو اس نے میرے سامنے کہا کہ یہاں پیٹ کے دھندے نے اتنے لوگوں کو جمع کر دیا ہے۔ بخدا میں سچ کہتا ہوں۔ اس روز شام کا کھانا نہ کھا سکا............ واللہ یہ صحیح نہیں کہ پیٹ کی خاطر یہاں بیٹھے یا باہر ہمیں کوئی وجہ معاش نہ تھی۔'' (بدر یکم مارچ 1911ء)

1904ء میں سفر سیالکوٹ کی واپسی پر حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کی تحریک ہجرت اور پھر پرہیزی کھانے کی ضمانت۔ آپ کے شوق ہجرت پر جلتی پر تیل کا کام کر گئی۔ آپ بے قرار رہتے کہ کس طرح قادیان پہنچوں۔ مگر روک یہ تھی کہ وہاں رہائش کا انتظام ہو جائے۔ کسی پر بوجھ بننا پسند نہ کرتے تھے۔ خوش قسمتی سے 1906ء میں مارچ کے مہینہ میں آپ لاہور حمایت اسلام کے جلسہ پر آئے۔ وہاں سے اپریل میں آپ قادیان پہنچے۔ آپ کے ساتھ مولوی غلام رسول ویئس تھے۔ فیضان مسیح سے حصہ وافر لیا۔ تحریر کرتے ہیں:۔ ع

سفر اپریل میں پیش آیا، گیا لاہور میں پہلے	ملا بابی سے شالا مار کے میلے سے لی عبرت
بصد شوق دلی پھر قادیان میں جا ہوا وارد	زیارت سے مشرف ہو کے پائی اک عجب فرحت
زیارت کے علاوہ دروس قرآنی بھی لیتے تھے	علوم ظاہر و باطنی کا مخزن، بلدۂ رحمت
کہ دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار اند	یہی یاد آ گیا مجھ کو جو دیکھی اس قدر کثرت
بوقت واپسی منڈی کو دیکھا قبر پھوپھی کی	حمایت والوں کا جلسہ بھی دیکھا کچھ نہ تھی لذت

قادیان میں قیام کیا۔ حضرت مفتی صاحب اور شیخ یعقوب علی صاحب نے آپ کا خاص خیال رکھا۔ آپ واپس ہوئے تو شیخ صاحب اور مفتی صاحب کی طرف سے آپ کو الحکم اور البدر میں کام کرنے کی دعوت ملی اور پھر متعدد خطوط آئے۔ آپ نے اس کے جواب دیئے۔ آخر بغیر تنخواہ مقرر کئے آپ قادیان ہجرت کر کے چلے آئے۔ یہ دسمبر 1906ء کا واقعہ ہے۔

جب آپ بٹالہ پہنچے تو سب سے پہلے آپ نے مولوی محمد حسین معاند سلسلہ سے ملاقات کی اور

اس سے آپ کا سوال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قبل از دعویٰ زندگی کے متعلق تھا۔مگر وہ آپ کی زندگی میں کوئی عیب نہ نکال سکا۔تعریف ہی کرتا رہا ۔(الحکم 28 مئی 1923ء صفحہ 6)

اس کے علاوہ مختلف مسائل پر ان سے گفتگو ہوئی۔مولوی صاحب عالمانہ گفتگو سن کر کہنے لگے:

''لڑکے تم کہتے ہو میں ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں اور بیمار ہوں۔مگر تمہاری معلومات بہت وسیع ہیں وغیرہ ذالک'' ہجرت کا ذکر آپ 1906 کے حالات پر مشتمل مثنوی میں جو 20 دسمبر 1906ء کو لکھی گئی، لکھتے ہیں:

خدا کے رحم نے آخر ہماری دستگیر کی	روپے پندرہ سنائے مفتی صادق نے بصد فرحت
لکھا یعقوب نے تنخواہ اتنی مجھ سے بھی لے لو	میں اب خود فیصلہ جا کروں گا دیکھ کر حرمت
ارادہ ہے حضور مہدئ آخر زمان رہ کر	کروں حاصل میں دینی دنیوی ہر طرح کی برکت
الٰہی عرش ہے عاجز خطا کار زمانہ کی	ترے فضل وکرم سے پلٹا کھائے میری بھی قسمت

یہ عشق مسیح موعود تھا کہ آپ اس معمولی تنخواہ پر قادیان میں دھونی رچا بیٹھے اور درویشانی زندگی بسر کرتے رہے۔دائم المریض ہونے کے باوجود اکیلے قادیان رہتے رہے اور وہ بھی تنگ مکانوں میں۔گولیکی سے آپ کو شدید محبت تھی۔اس کا چھوڑنا آپ کے لئے آسان نہ تھا۔ایک موقعہ پر نہر جہلم پر زمین فروخت ہوئی تو آپ نے بھی ارادہ کیا۔مگر گولیکی کی محبت غالب آئی اور یہ ارادہ ترک کر دیا۔جیسا کہ آپ نے ایک نظم کے آخر میں کہا: ع

جی چاہتا ہے ہم بھی چلیں اے اکمل	پر کون یہ گولیکی کی گلیاں چھوڑے

دنیا کا کوئی لالچ آپ کو وطن سے دور نہ کر سکا۔ملازمت کا لالچ، بیماری میں آرام کا خیال، گولیکی کی محبت، زمینداری کے فوائد۔غرض والدین کی محبت بھی آپ کو نہ روک سکی۔یہ تھا جذبہ فدائیت۔ آپ نے عملی طور پر صحابہ کے نمونہ پر چل کر دین کو دنیا پر مقدم کر دکھایا۔

بعد ازاں بہت کم بار گولیکی گئے۔1924ء کے بعد تو آپ گولیکی گئے ہی نہیں۔ہجرت کے بعد

لاہور رہے۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی تعمیل میں ربوہ رہائش اختیار کر لی۔

2 جنوری کو آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک نظم فی البدیہہ پڑھی۔ جس میں ہجرت کی وجہ اور جذبہ ہجرت نظم کیا ہے:

آتش فرقت محبوب نے جب گرمایا	جذبۂ شوق زیارت مجھے پھر لے آیا
کیا کہوں ہجر کی گھڑیاں ہیں گذاریں کیونکر	دل شیدا نے تیرے یاد میں کیا تڑپایا
آرزو ہے تیرے قدموں میں رہوں کچھ مدت	بس اسی واسطے پردیس میں اکمل آیا
اپنے مولا سے دعا ہے یہی دن رات میری	تیرے سایہ میں رہوں تو ہے خدا کا سایا

اس طرح ایک اور نظم میں قادیان میں مستقل رہائش کرنے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے: ع

بیٹھا ہے ترے در پہ دھونی رمائے اکمل	اب ہو رہے یہیں کا، بس التجا یہی ہے

آپ نے ہجرت تکمیل ایمان کے لئے کی تھی۔ کوئی دنیاوی لالچ مقصود نہ تھا۔ ع

کیوں گولیکی میں رہتا کیا بے وفا تھا کوئی	ہم قادیان کے اکمل اور قادیان ہمارا

چالیس سال تک آپ قادیان کی ملکوتی فضا میں زندگی بسر کرتے رہے۔ یکا یک ایسا انقلاب آیا کہ آپ کو پھر ہجرت کرنی پڑی اور فرقت دارالامان میں آخر عمر تک تڑپتے رہے۔

باب پنجم

مرکز میں آپ کی مصروفیات

فصلیں:

اول: سلسلہ کی اخبارات میں خدمت۔دوم: مرکز میں دیگر خدمات۔سوم: صحافت۔چہارم:تصیف وتالیف۔پنجم:شاعری

مرکز میں آپ کی دینی خدمات کامختصر خاکہ یہ ہے:

1)بدرجنوری 1907ء،اکتوبر 1911ء(2)تشحیذ الاذہان ستمبر 1911ء،مارچ 1922ء

(3)الفضل ...... 4 جولائی 1916ء چارج دیا۔یکم فروری 1925ء انچارج مقرر ہوئے تا 1938ء

(4)ریویوآف ریلیجنز اردومارچ 1922ء،1938ء(5)احمدیہ گزٹ مئی 1926ء

(6)مصباح 15 ستمبر 1926ء و1938ء(7)ناظم طبع واشاعت 14 نومبر 1926ء و1938ء

(8)دیگرمصروفیات۔ناظردعوۃ تبلیغ 1944ء۔صیغہ تربیت 1922ء

بدر

بدراخبارکوفخرحاصل ہے کہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے الحکم اورالبدرکواپنے دوبازوقراردیا ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ یہ اخبارحضرت مسیح موعودکی تبلیغ میں ممدومعاون ہیں۔اس کے ذریعہ اکناف عالم میں احمدیت کا پیغام صحیح رنگ میں پھیلانا ہے۔اس لئے اخبارکی پالیسی کوئی سیاسی نہ تھی بلکہ یہ پالیسی حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی تعلیم کے تحت تھی۔اس تعلیم کوکماحقہ لوگوں تک پہنچانا اس کااولین مقصدتھا۔

حضرت قاضی صاحب کے مضامین جب الحکم میں چھپنے شروع ہوئے توآپ کی علمی وجاہت

نے عوام کو قائل کرلیا۔وہ آپ کو ایک معمر عالم سمجھنے لگے۔اس کے ساتھ ایڈیٹر صاحب بھی آپ کی مدد کے خواہاں ہوئے۔آپ کو اخبار میں کام کرنے کی دعوت دی مگر آپ متعدد خطوط کے جواب میں بیماری کی وجہ سے معذرت کرتے رہے۔1904ء میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کی تحریک پر کہ قادیان ہجرت کرآؤ۔آپ نے الحکم کی دعوت منظور کرنی چاہی تو اس کے ساتھ حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے جو بدر کے ایڈیٹر تھے۔آپ کو بدر میں کام کرنے کی دعوت دی۔چند خطوط گولیکی میں موجود ہیں جن میں یہ اصرار تھا اور ہر سہولت کا خیال رکھنے کا وعدہ۔آخر آپ نے 1906ء کے سالانہ جلسہ پر ہجرت کر کے قادیان مکین ہو گئے اور جنوری 1907ء میں بدر میں کام کرنا شروع کر دیا۔اس سے قبل آپ ان اخبارات میں مضامین تو لکھا کرتے ،اگرچہ وہ مضامین بلند پایہ ہوتے مگر کسی اخبار کی ادارت کا کوئی تجربہ نہ تھا۔اور پھر ایک انقلابی مذہبی اخبار میں کام کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔جس میں انسان اپنی جولانی طبع نہیں دکھا سکتا اخبار کو کامیاب کرنے کے لئے ماحول سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ اس کا فقط یہی مقصد ہوتا کہ اپنے محبوب کی تعلیم کو اس رنگ میں پیش کیا جائے جس میں اس نے پیش کیا اگرچہ وہ مروجہ تعلیم سے شدید اختلاف رکھتی ہو۔حضرت قاضی صاحب نے اپنے اندر یہ خصوصیت بدرجہ اتم پیدا کر لی اور اس فریضہ کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔

اس زمانہ میں سب سے مشکل کام مذہبی اصطلاحات کا تھا جن کی وجہ سے بڑی دشواری پیش آتی۔مگر آپ نے ذہانت وفطانت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمودات سے اس مشکل کو حل کرلیا اور کبھی کوئی غلط اصطلاحی نام استعمال نہ کیا۔مگر جب آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق بطل جلیل کے الفاظ استعمال کرنے شروع کئے تو اس کو شاعرانہ غلو کہا گیا مگر آج یہی اصطلاح بکثرت مستعمل ہے۔اس زمانہ میں مفتی صاحب اکثر سفروں میں رہتے اور بعض اوقات تو چار چھ ماہ تک باہر رہتے۔اس دوران حضرت قاضی صاحب ہی اخبار کے کرتا دھرتا ہوتے۔آپ اس دوران نہایت خوش اسلوبی سے اس فریضہ کو سرانجام دیا کرتے کہ مفتی صاحب کو کبھی پریشان

ہونے کا موقعہ نہ دیا۔ مخالفین کے اعتراضات کے جواب دینا آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ کسی قسم کا اعتراض ہوتا آپ اس کا جواب قرآن کریم سے مدلل دیا کرتے اور جب تک وہ اس اعتراض سے باز نہ آتا آپ اس کو نہ چھوڑتے اور اگر وہ حضرت مسیح موعود پر اعتراض کرتا تو آپ اس کا تاریخی شواہد سے جواب دیتے اور جب اس سے ایسی حرکت ہوتی تو سخت گرفت کرتے کہ وہ دوبارہ ایسا اعتراض نہ کرتا۔ آپ نے باوجود سرمایہ کی کمی، دیگر مشکلات اور اپنے سکون کو برباد کرنے والی بیماری کے اخبار وقت پر نکالتے رہے۔ اس میں شاذ ہی تاخیر ہوئی۔ اس زمانہ میں سب سے نازک مرحلہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات کو قلمبند کرنا تھا۔ آپ اس میں انتہائی احتیاط برتتے اور اپنے الفاظ اس میں شامل نہ ہونے دیتے۔ اس لئے آپ کی روایت کردہ روایات حضرت عرفانی صاحب کی روایات سے کم حروف پر مشتمل ہیں۔ آپ بیمار تھے اور چلنے پھرنے سے معذور ہی نہیں بلکہ مجبور بھی تھے لیکن آپ کوئی موقعہ بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور سیر میں شامل ہوتے۔ یہاں تک کہ راستہ میں ٹھہر جاتے۔ جب واپس حضرت مسیح موعود تشریف لاتے تو ساتھ ہو لیتے اور پھر چلتے چلتے لکھتے جاتے تھے۔ جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں: ''سیر کے وقت ڈائری لکھنا بھی کارے دارد والا معاملہ تھا۔ آنکھیں چاہتیں کہ ہم بجائے رستے یا نوٹ بک کے اس چہرۂ منور ہی کو دیکھتے رہیں۔ چونکہ ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ حضور کے ساتھ ہی چلے اس لئے ٹھوکریں بھی بہت لگتیں اور عموماً پنڈ لیاں اور پاؤں زخمی ہوجاتے۔ خصوصاً ڈائری نویس کے جسے چلتے چلتے لکھنا پڑتا۔'' (دیکھو روایات مسیح موعود از قاضی صاحب)

حضرت قاضی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میرے جیسے نحیف و کمزور انسان کا یہ فریضہ خوش اسلوبی سے سرانجام دینا محض خدا کا فضل تھا۔ میں انتہائی احتیاط کرتا کہ میرا کوئی بھی لفظ مسیح پاک کے کلمات طیبات میں شامل ہو کر سفید چادر پر سیاہ دھبہ کا نظارہ نہ پیش کرے۔

اس کے علاوہ بدر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات و کشوف شائع کئے گئے۔ کیونکہ

یہ سند ہوتے تھے اس لئے آپ انتہائی محتاط تھے۔ اپنی تسلی کر لینے کے باوجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پروف ضرور دکھا لیا کرتے تا کہ اس میں کسی قسم کی غلطی نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان شائع شدہ الہامات میں ایک بھی غلطی نظر نہیں آتی۔ یہ فریضہ آپ بذات خود ادا کرتے۔ دفتر کے آدمی پر یہ کام نہ ڈالتے۔ ایک روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اخبار بدر میں الہامات و وحی کا پروف حضور کو ملاحظہ کرا کے چھاپا جاتا تھا۔ حضور کو اس قدر خیال ہوتا کہ ایک روز میں نے پروف پر سالن سے رنگین انگوٹھے کا نشان دیکھا۔ معلوم ہوا کہ کھانا کھاتے تھے جو کسی نے پروف جا دیا۔ آپ نے اسی وقت پڑھنا شروع کر دیا اور پڑھ کر پھر بقیہ کھانا تناول فرمایا۔'' اس کے علاوہ ایڈیٹر کا کام بھی آپ کیا کرتے تھے۔ کاروباری خطوط کے جواب دیتے۔ اخبار کے مضامین فراہم کرتے اور چھپوا کر بر وقت شائع کرتے۔ آخر میں حضرت مفتی صاحب کا ایک اقتباس درج کرتا ہوں جو آپ نے حضرت قاضی صاحب کے دفتر تشحیذ میں تبدیل ہونے پر بدر میں شائع کیا:۔

''پہلے جب کبھی میں کسی سفر پر جاتا تو میرے بعد قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل آف گولیکی خطوط کا جواب دیتے تھے اور تمام کاروبار بدر کا طے کرتے تھے۔ مگر اب کے وہ بھی بدر میں نہ تھے کیونکہ وہ یکم ستمبر سے دفتر تشحیذ الاذہان میں چلے گئے۔ دفتر تشحیذ میں ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی جیسے کہ قاضی صاحب ہیں اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی خواہش کو پورا کرنے کی خاطر پروپرائیٹر صاحب بدر نے اس تکلیف کو گوارہ کیا کہ قاضی صاحب کو وہاں جانے کی اجازت دیں۔ قاضی صاحب موصوف کا ذکر درمیان میں آ گیا ہے تو اس امر کا اظہار فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ قاضی صاحب جتنا عرصہ بدر میں رہے ان سے مجھے بہت آرام حاصل ہوا۔ جس کے واسطے میں ان کا مشکور ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزا خیر دے۔ علاوہ معمولی سفروں کے میں یہاں سے ایک دفعہ تین ماہ برابر غیر حاضر رہا مگر قاضی صاحب کے یہاں ہونے کے سبب مجھے پیچھے کا کوئی فکر نہ تھا۔

وہ ایک لائق ایڈیٹر اور ہوشیار مینجر ہیں۔ زودنویس، فہیم منشی اور محرر ہیں۔ تصنیف و تالیف کے وقت ایک قابل فخر عالم فاضل ہیں۔ ادیب ہیں، شاعر ہیں، کتنا کام ہوا سے محنت کے ساتھ پورا کر دکھانے والے ہیں۔ اخبار بدر کی مینجری اور ایڈیٹری کا ہر ایک کام وہ خود اس توجہ سے پورا کرتے تھے کہ سوائے نگرانی کے میرے لئے کچھ باقی نہ رہتا تھا۔ اور ایسے محتاط اسسٹنٹ کے ہوتے ہوئے نگرانی کی بھی چنداں احتیاج نہ ہوتی تھی۔ یہ صرف حضرت میاں صاحب کا حکم تھا جس کی عزت ہم پر فرض ہے کہ مَیں نے ان کو یہاں سے جانے کی اجازت دی۔ ان پر مجھے اتنا اعتماد تھا کہ مَیں نے اپنی پرائیویٹ چٹھیوں کے کھولنے اور پڑھنے کی بھی ان کو اجازت دے رکھی تھی۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تشحیذ کے رسالہ نے جس کی ترقی کا میں ہمیشہ دل سے خواہاں ہوں۔ ایک ایسے لائق اور تجربہ کار آدمی کی خدمات کو محفوظ کر لیا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ تشحیذ کی ناظم کمیٹی ان کی خدمات کی قدر کرے گی۔ (بدر 5 اکتوبر 1911ء صفحہ 2،3)

تشحیذ الاذہان

یکم ستمبر 1911ء میں آپ بدر سے تبدیل ہو کر حسب منشاء حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تشحیذ کے عملہ میں شامل ہوئے۔ تشحیذ کا پہلا پرچہ یکم مارچ 1906ء کو نکلا۔ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تجویز و کوشش کا نتیجہ تھا۔ اس کوشش میں قلمی تعاون اور انتظامی امور کی سرانجام دہی میں آپ کو حضرت قاضی صاحب کی بھرپور حمایت اور مدد حاصل تھی۔ اس کارخیر میں حضرت قاضی صاحب نے سوائے مالی امداد کے ہر قسم کا تعاون فرمایا۔ اس امر میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے تک حضرت قاضی صاحب حضرت خلیفۃ المسیح کو ہر محفل میں تحریک اور آپ کی حوصلہ افزائی ہر مرحلہ پر کی اور یہ شیریں ثمر جماعت کی خدمت میں پیش ہوا۔

رسالہ ایک نگران کے نہ ہونے کی وجہ سے ابتدا سے ہی تاخیر کا شکار ہو گیا اور یہ سلسلہ اکتوبر 1911ء تک رہا۔ اس پر تشحیذ کی مجلس نے اس پر بحث کر کے اس کا اضافہ بجٹ کے ساتھ حضرت

قاضی صاحب کی خدمات حاصل کرنے کی سفارش کی ۔جس پر حضرت قاضی صاحب یکم ستمبر 1911ء سے تشحیذ کے دفتر میں منتقل ہو گئے ۔آپ کا تعارف قارئین سے ان الفاظ میں کروایا گیا:

’’رسالہ کے سٹاف میں بھی اور دیگر اخراجات میں بھی اضافہ کیا گیا ہے اور امید ہے کہ عنقریب رسالہ اپنے وقت پر شائع ہونا شروع ہوگا اور خدا نے چاہا تو پھر اس قسم کی دیر نہ ہوگی ۔جیسے کہ آج کل ہو جاتی ہے ۔جیسا کہ میں نے اپنے مضمون ’’دونوں کا نفع‘‘ میں لکھ آیا ہوں ۔ یہ سب دیر ایک نگران افسر کے نہ ہونے کی وجہ سے تھی لیکن ستمبر 1911ء سے قاضی محمد ظہور الدین اکمل صاحب کی خدمات اخبار بدر سے حاصل کی گئی ہے اور قاضی صاحب اس ماہ سے تشحیذ کے دفتر میں تبدیل ہو کر آ گئے ہیں ۔اللہ تعالیٰ اس تبدیلی کو مبارک اور مفید کرے ۔‘‘ (تشحیذ جلد 6 صفحہ 9)

جب حضرت مصلح موعود مرفوع الی اللہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو تمام انتظام آپ کے سپرد ہوا ۔ایڈیٹر اور مینیجر آپ ہی تھے ۔مکرم مولوی سلطان احمد پیر کوٹی لکھتے ہیں:۔

’’1911ء میں اس کے مدیر مکرم قاضی ظہور الدین اکمل صاحب مقرر ہوئے اور 1921ء تک ان کی ادارت میں یہ رسالہ باقاعدہ اپنی روایات کے مطابق نکلتا رہا ۔ بعد میں ریویو آف ریلیجنز (اردو) کو مدد پہنچانے کے لئے اس میں مدغم کر دیا ۔اگرچہ یہ رسالہ نوجوانوں کا سمجھا جاتا تھا لیکن تاہم اپنے زمانہ میں اس نے سلسلہ کی اہم خدمات سرانجام دی ہیں ۔ یہ رسالہ حضرت اقدس کے کلمات طیبات جماعت تک پہنچاتا رہا ۔اسلام اور احمدیت پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیتا رہا ۔اسلام کا منور چہرہ دنیا کے سامنے پیش کرتا ۔مشاہیر کی سوانح عمریاں شائع کرنا اور مسائل شرعیہ سے ناواقف لوگوں کو واقفیت بہم پہنچانا اس کے اہم فرائض میں سے تھا ۔‘‘ (الفضل 8 دسمبر 1956ء) آپ نے اپنے فرائض کو کمال تندہی سے ادا کیا اور رسالہ کی اشاعت بھی بڑھ گئی اور علمی معیار بھی بلند ہوا اور کبھی بھی تاخیر نہ ہوئی اور اس میں خدا کے فضل سے حضرت قاضی اکمل صاحب کی شبانہ روز محنت کا دخل ہے ۔آپ بیمار تو پہلے ہی تھے کمزور بھی تھے اس کے باوجود آپ

محنت کرتے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات آپ شدید بیمار ہو جاتے مگر آپ نے رسالہ میں تاخیر نہ ہونے دی۔ اس بارہ میں زبانی روایات کو چھوڑتے ہوئے ایک تحریری ثبوت پیش کرتا ہوں:۔''اکتوبر کے مہینے میں جنگی بخار کا زور تھا۔اس لئے قریباً سب دفاتر کے کاروبار میں اختلال رہا۔ضیاءالاسلام پریس جس میں یہ رسالہ چھپتا ہے۔10اکتوبر کے بعد صرف ایک دودن کے سوا27 اکتوبر تک نہیں چل سکا اور خاکسار مع تمام اہل وعیال سخت بیمار ہو گیا۔لیکن جب ذرا افاقہ ہوا تو سب سے پہلے رسالہ کی فکر کی اور اس حالت میں کہ میں چارپائی پر بیٹھنے کے قابل بھی نہیں ہوا تھا۔اس کا مضمون کاتب کے سپرد کیا کہ کسی طرح اس کی گذشتہ سات سالہ خصوصیات (کہ باوجود اپنا مطبع اور فنڈ میں کافی روپیہ نہ ہونے کے ٹھیک وقت پر شائع ہو جاتا ہے) میں فرق نہ آئے۔''(تشحیذ نومبر 1918ء) آپ نے رسالہ کے علمی معیار کو بلند کیا اور اخبار اور رسالہ میں نمایاں فرق کر دیا تا کہ رسالہ کی افادیت قائم ہو اور لوگ اس کی طرف نہ صرف متوجہ ہوں بلکہ اپنی علمی تشنگی کو بھی دور کریں اور تحقیقی مضامین پا کر محقق حضرات اس سے استفادہ کر سکیں۔اس پر اعتراض ہوا کہ رسالہ کا علمی معیار بلند ہے اس کو کم کرنا چاہئے تا کہ لوگ سمجھ سکیں۔اس کا جواب حضرت قاضی صاحب نے ان الفاظ میں دیا:۔

''تشحیذ کے متعلق ایک دو دوستوں نے یہ شکایت کی ہے کہ مشکل ہے سمجھا نہیں جا سکتا۔میں ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ تشحیذ تفریح طبع کے لئے نہیں ....آپ کی علمی استعداد بڑھانے اور تشحیذ الاذہان کے لئے ہے............ میں نے عمداً یہ التزام کر رکھا ہے کہ اس میں جو مضمون چھپے علمی رنگ میں مختصر اور جامع لکھا ہوا ہو۔اخباری طرز میں بھی خدا کے فضل سے مجھے لکھنا آتا ہے اور میں ہر روز کوئی نہ کوئی مضمون لکھتا ہوں مگر رسالہ کے لئے ایسے ہی مضامین چاہئیں چونکہ ہماری جماعت کی ایک خاص پوزیشن ہے۔اس لئے انہیں علماء کے رنگ میں تربیت پانی چاہئے۔''
(تشحیذ مارچ 1918ء)

آپ نے بھی نہایت بلند پایہ مضامین لکھے۔ رسالہ نکلتا اور آپ کے مضامین کی تعریف کے خطوط شروع ہوجاتے۔ اور رسالہ کے علمی معیار کے بلند ہونے پر مبارک باد دی جاتی۔ مگر آپ کو اس سے تعریف مقصود نہ تھی۔ خدمت اسلام کا جذبہ اس کے پیچھے کارگر تھا۔ اس تعریف کے خطوط سے بھی آپ نے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا۔ بلکہ نہایت احسن طور پر ان حضرات کو خریدار مہیا کرنے کی اپیل کیا کرتے۔ متعدد اپیلوں میں سے ایک دو تحریر ہیں۔ ایک موقعہ پر آپ نے مرزا احمد بیگ کی پیش گوئی کے عنوان سے ایک تحقیقی مضمون لکھا۔ جو اتنا بلند پایہ تھا کہ آپ نے کم مائیگی کے باوجود اس کو عوام کے اصرار پر علیحدہ شائع کیا جو کثیر لوگوں کے لئے نافع ثابت ہوا۔ اس پر آپ کو تعریف کے خطوط آئے۔ اس پر آپ نے اپیل کی۔ ''مرزا احمد بیگ کی پیش گوئی والا مضمون پسند کیا گیا۔ اور اس طرح ہر رسالہ کے چھپنے پر بہت سے تعریفی خطوط آجاتے ہیں............ میں اپنے بھائیوں کا شکر گزار ہوں لیکن اگر ان مضامین کی اشاعت کے لئے وہ نئے خریدار بہم پہنچائیں تو یہ عملی شکریہ بہت مفید ہوسکتا ہے۔ اور اصل منشاء (تبلیغ سلسلہ حقہ) بھی حاصل ہوگا۔ باقی میں کیا اور میری تحریر کیا۔ نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ۔ ان اجری الا علی رب العالمین۔ (تشحیذ جون 1912ء) .... اس طرح اس سے قبل بھی آپ نے اس طرف توجہ دلائی۔ جن کے الفاظ'' میں بارہا عرض کر چکا ہوں۔ فقط میری یا میرے مضامین کی تعریف کا کچھ فائدہ نہیں۔ جو صاحب اسے پسند کرتے ہیں وہ خریدار مہیا کریں'' (تشحیذ جون 1912ء)

ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ آپ نے اکثر پر درد دل سے یہ اپیل کی کہ رسالہ کی مدد کریں۔ مال بھی اور خریدار مہیا کر کے بھی اس کے ساتھ آپ نے اخراجات پر بہت کنٹرول کیا۔ یہاں تک کہ محرری بھی خود کرنے لگے۔ جیسا کہ آپ کے ایک مضمون سے علم ہوتا ہے آپ نے تحریر کیا ہے۔ اور نہایت درد دل سے تحریر کیا ہے۔ ''اللہ تعالیٰ آپ کے دلوں میں وہ درد ڈالے جو میں چاہتا ہوں کہ پیدا ہو۔ اور میری آرزو بر آئے۔ اب تو ایڈیٹری و مینجری کے علاوہ محرری کے فرائض بھی مجھ پر عائد

ہیں۔تا کہ خرچ اس حد تک گھٹ جائے جس حد تک انسانی عقل حالات موجودہ میں تجویز کر سکتی ہے۔سو ہم جو کچھ ہوسکتا ہے وہ تو کر رہے ہیں۔آپ بھی کچھ نظر کرم فرمائیے۔(تشحیذ جون 1912ء)

دن بدن رسالہ کی مالی حالت کمزور ہوتی چلی جارہی تھی مگر اس کے باوجود آپ رسالہ وقت پر اور علمی لحاظ سے معیار بلند رکھتے ہوئے شائع کرتے رہے مگر افسوس آخر کب تک۔آخر یہ فیصلہ ہوا کہ تشحیذ کو ریویو میں مدغم کر دیا جائے۔فروری 1922ء اس کا آخری شمارہ تھا۔مارچ کے ریویو میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ''عرض حال'' کے تحت فرمایا۔''میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں اور میرے پاس ڈاکخانہ کی رسیدی مہریں اس بات کے ثبوت میں ہیں کہ پورے گیارہ سال باوجود ان مشکلات کے (کہ نہ کوئی تشحیذ کا تنخواہ دار کاتب تھا۔یہاں تک کہ قادیان میں اسے کوئی کاتب عموماً لکھ کر دینے کی حامی نہ بھرتا تھا)اور نہ اپنا مطبع نہ سرمایا تین بار بھی ایسا نہ ہوا کہ مقررہ تاریخ پر رسالہ نہ بھیج دیا گیا ہو............ یہ سب کچھ خدا کی دی ہوئی توفیق سے ہوا۔اور میں اس کا ذکر محض اس لئے کر رہا ہوں کہ میں نے تو اپنی استعداد و صورت حالات کے مطابق تشحیذ کو بہتر سے بہتر اور باقاعدہ بنانے کی کوشش میں جان تک لڑا دی۔(ریویو مارچ 1922ء)

علاوہ دیگر تحقیقی مضامین کے آپ نے دیگر مذاہب کے عقائد ان کے الفاظ میں اور قرآن مجید سے رد کا ایک سلسلہ مضامین شروع کیا۔جو نہایت کامیاب رہا۔بہائیت کے متعلق تو خود آپ کا مضمون سب سے بلند پایہ ہے۔دیگر مذاہب کے بارے میں مختلف حضرات نے نہایت محققانہ رنگ میں مضامین لکھے۔پڑھنے پر ان بزرگوں کے لئے دل سے دعا نکلی ہے۔خدا ان پر اپنا فضل کرے اور ان کی یہ کوشش مثمر ہو۔

الفضل

حضرت قاضی اکمل صاحب کا سروس ریکارڈ نہیں ملا جو سن نکالے گئے ہیں وہ مختلف اخبارات سے لئے گئے ہیں۔الفضل میں کس ماہ اور کس سال آئے اس کا علم نہیں ہو سکا لیکن حضرت خلیفۃ المسیح

الثانی کی ایک تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اخبار نکلنے سے قبل ہی آپ اس میں دلچسپی رکھتے تھے۔ آپ کے ہاں ہی حضور نے ارادہ کا اظہار کیا جس پر آپ نے حوصلہ افزائی کی اور اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے تک آپ حضور کو اس پر آمادہ کرتے چلے گئے اور جب یہ اخبار نکلا تو اس میں بھرپور قلمی تعاون بھی صرف آپ کا ہی نظر آتا ہے جس کے الفضل کے فائل شاہد ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں:

''جب الفضل نکلا ہے اس وقت ایک شخص جس نے اخبار کی اشاعت میں شاید مجھ سے بھی بڑھ کر حصہ لیا۔ وہ قاضی ظہور الدین اکمل صاحب ہیں۔ اصل میں سارے کام وہی کرتے تھے۔ اگر ان کی مدد نہ ہوتی تو مجھ سے اس اخبار کا چلانا مشکل ہوتا۔ رات دن انہوں نے ایک کر دیا۔ اس کی ترقی کا ان کو اس قدر خیال تھا کہ کئی دن انہوں نے مجھ سے اس امر میں بحث پر خرچ کئے کہ اس کے ڈیکلریشن کے لئے مجھے منگل کو نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ نامبارک ہوتا ہے۔ مگر مجھے یہ ضد کہ نحوست خدا تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ مجھے منگل کو ہی جانا چاہئے تا کہ یہ وہم ٹوٹے۔ میرا خیال ہے کہ اس امر میں مجھے قاضی صاحب پر فتح ہوئی کیونکہ میں منگل کو ہی گیا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ڈیکلریشن بھی مل گیا جس کی نسبت قاضی صاحب کو یقین تھا کہ اگر میں منگل کو گیا تو کبھی نہیں ملے گا اور اخبار بھی مبارک ہوا۔ بعد میں گو ایک مینیجر رکھ لیا گیا مگر شروع میں قاضی صاحب ہی مینیجری کا بھی پیشتر کام کرتے تھے اور مضمون نویسی میں بھی میری مدد کرتے تھے.................. دو مددگار اور بھی تھے۔ ایک صوفی غلام محمد صاحب اور ایک ماسٹر عبدالرحیم صاحب ہیں۔ صوفی صاحب اس وقت اچھی اردو نہیں لکھ سکتے تھے۔ اور میرا خیال ہے کہ میری عالمانہ جرح و تعدیل سے ان کی زبان میں بہت اصلاح ہوئی ہے مگر زیادہ مدد قاضی صاحب کی ہی تھی کیونکہ اس وقت میرے دوستوں میں سے جو شخص صحیح مشورہ اخبار کے متعلق دے سکتا تھا وہ قاضی اکمل صاحب ہی تھے۔ (الفضل 24 جولائی 1924ء صفحہ 5)

1916ء میں آپ نے اخبار کا چارج دیا۔ لکھتے ہیں اس نمبر کے ساتھ یہ عاجز اپنے فرائض متعلقہ سے سبکدوش ہوتا ہے۔ آئندہ الفضل جن مبارک ہاتھوں میں جاتا ہے وہ ان شاء اللہ آپ کے لئے زیادہ دلچسپی واضافہ معلومات دینیہ کا اہتمام فرمائیں گے۔ (الفضل 4 جولائی 1916ء صفحہ 12)

اس کے بعد آپ الفضل کے مینیجر مقرر ہوئے۔ یہ کام اس زمانہ میں انتہائی مشکل ہی نہیں مایوس کن و حوصلہ شکن تھا۔ وسیع القلب اور بلند عزم والا انسان ہی اس کا متحمل ہوسکتا تھا۔ کاغذی گرانی، مطبع کا کوئی انتظام نہیں، سرمایہ کی کمی، مضامین کی فراہمی۔ غرض چاروں اطراف مشکلات سے گھری ہوئی تھیں۔ مگر آپ عزم مصمم لے کر آئے اور خدا کے فضل و کرم سے سرخرو ہوکر گئے۔ مکرم ایڈیٹر صاحب الفضل ایک موقعہ پر تحریر فرماتے ہیں جس سے آپ کے کام کی تفصیل اور مشکلات کا بھی علم ہوتا ہے اور آپ کی جفاکشی کا بھی۔

''ایڈیٹوریل سٹاف کے متعلق اس قدر بیان کر دینے کے بعد کچھ مینیجر آفس کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اخبار کا باقاعدہ شائع ہونا بہت زیادہ اس سے تعلق رکھتا ہے۔ اس دفتر کی نگرانی اور ذمہ داری کا کام قاضی اکمل صاحب ایسے دیرینہ تجربہ کار کے سپرد رہا۔ یہاں کسی اخبار کی مینیجری کا کام کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مطبع کی ہر ایک چیز باہر سے منگوانی پڑتی ہے اور اگر وہ کسی وجہ سے وقت پر نہ منگائی جا سکے یا نہ پہنچ سکے تو اخبار شائع نہیں ہوسکتا یا اگر کوئی پریس کا آدمی کام چھوڑ دے یا کاتب بیمار ہوجائے یا کہیں چلا جائے تو اس کی بجائے دوسرے کا انتظام کرنا نہایت مشکل ہوجاتا ہے.................مینیجر صاحب نے اپنی طرف سے اخبار کو وقت پر شائع کرنے کی کوشش میں نہ کبھی پہلے کوئی دقیقہ فروگذاشت کیا ہے اور نہ آئندہ کریں گے۔ لیکن بہرحال مشکل اور روک پر کامیابی حاصل کرنا انسان کا کام نہیں۔ اس لئے وہ بھی بعض اوقات مجبور ہوجاتے ہیں۔''

(الفضل 30 جون 1917ء صفحہ 4)

اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آپ کچھ عرصہ کے لئے مینیجر نہ رہے یا بیماری کی وجہ سے رخصت پر تھے کیونکہ اخبار میں ہے: ''اگلے نمبر سے حسب ارشاد حضرت ناظر اعلیٰ صاحب قاضی محمد ظہور

الدین اکمل صاحب الفضل کے انچارج ہوں گے۔‘‘(الفضل 3 جنوری 1925ء صفحہ 1)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الفضل کی ایڈیٹری اور مینیجری ہر دو کے فرائض عملی طور پر آپ کو تفویض ہوئے۔غرض آپ ہجرت سے قبل تک الفضل سے کسی نہ کسی رنگ میں وابستہ رہے۔مکرم مولوی سلطان احمد صاحب پیرکوٹی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:۔’’25 مارچ 1914ء سے 27 اگست 1914ء تک کے پرچوں پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کا نام بطور ایڈیٹر چھپتا رہا۔بعد میں ایڈیٹر کا نام لکھنا ترک کر دیا اور عملی طور پر ادارت کی ذمہ داری مکرم قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل پر رہی۔’’جون 1915ء میں ایڈیٹر کے فرائض ماسٹر احمد حسین صاحب فرید آبادی نے سنبھالے اوران کے فارغ ہونے پر حضرت مولانا محمد اسماعیل فاضل اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔بعد میں دوبارہ یہ ذمہ داری مکرم قاضی محمد ظہور الدین اکمل صاحب پر ڈالی گئی۔جولائی 1916ء کے اوائل میں خواجہ غلام نبی صاحب مرحوم اس کے مستقل ایڈیٹر مقرر ہوئے۔‘‘(الفضل 9 دسمبر 1956ء صفحہ 5)

ریویو آف ریلیجنز۔اردو

جب مارچ 1922ء کو ریویو آف ریلیجنز میں تشحیذ کو مدغم کر دیا گیا تو آپ کے سپرد ادارت کے فرائض ہوئے۔یہ آپ کے لئے نہایت مشکل مرحلہ تھا جس کا احساس مندرجہ ذیل اقتباس پڑھ کر ہوتا ہے:۔’’فی الحال تو ریویو کی باقاعدہ اشاعت کا انتظام درپیش ہے جس کے لئے بہت سا کام کرنا ہے۔......پھر رسالہ جو عرصہ سے باقاعدہ چلا آتا ہے اس کی بروقت اشاعت کے بندوبست کے لئے دو تین رسالے ایک مہینے کے اندر اندر نکالنا۔بحالیکہ ابھی نہ مطبع پر 20 ضرب 26 کی چھپوائی کا سامان ہے۔نہ کاغذ نہ کچھ سرمایہ اور دس فروری میرے سپرد یہ کام ہوا اور 26 یوم اشاعت ہے .... یہ تو انتظامی امور کے متعلق ہوا۔اس سے اہم اور نازک ذمہ داری تو ریویو آف ریلیجنز کے مضامین کی ہے۔میں بالکل سچ عرض کر رہا ہوں کہ یہ امر کبھی میرے وہم وگمان میں بھی نہیں آیا تھا

کہ میرے جیسی ناچیز و کمزور ہستی کے سپرد ریویو آف ریلیجنز کی خدمت ادارت ہوگی۔جس کے مضامین کا سٹینڈرڈ میں ایسا اعلیٰ سمجھتا کہ آج تک کبھی بطور نامہ نگار اس کے لئے مضمون لکھنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔سوا ایک یا دو بار کے وہ بھی کسی خاص اور بار بار کی تحریک سے اور جو معزز مدیر ریویو نے محض میری ہمت افزائی کے لئے درج کردیئے ہوں گے۔''

اس کے ساتھ اپنی مصروفیات کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔''ایڈیٹر نے صرف مضمون ہی نہیں لکھنا بلکہ دو مطبعوں کی مینیجری ان کا حساب کتاب، تیرہ چودہ رجسٹروں کی خانہ پری بل وغیرہ بنانا، روپے کی وصولی، پھر ہفتہ میں دو بار شائع ہونے والے اخبار کی مینیجری جو صرف دستخطوں یا جنرل نگرانی پر محدود نہیں بلکہ بہت سا تحریر کا کام اور اہم خط و کتابت بھی خود ہی کرنی ہے۔پھر اس رسالہ کی مینیجری اور نصف محرری بھی۔اس قدر افکار اور کاروبار کے ساتھ مضامین لکھنا کارے دارد۔''اپنی مصروفیات کے ذکر کے ساتھ اپنی جسمانی صحت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔''علی الخصوص مجھ جیسے ناتواں سے جس کی جسمانی صحت کا یہ حال ہے کہ کوئی صبح نہیں ہوتی جب میں ایک نیا عارضہ لے کر نہیں اٹھتا اور کوئی شام نہیں آتی جب کہ میں کسی نہ کسی مرض سے تکلیف نہیں پا رہا ہوتا۔''

اس مشکلات و مجبوریوں کا ذکر کرتے ہوئے ریویو کا مقصد اولین ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:۔

''ریویو آف ریلیجنز کا کام تو لیظهره علی الدین کله ہے اور دنیا کے تمام مذاہب پر تبصرہ اور اہل مذاہب کا ایسے طور پر تشحیذ الاذہان کہ انہیں اسلام کا مقدس و مطہر چہرہ ان کی آنکھوں سے حجب گوناگوں دور کر کے دکھا دیا جائے جو ماموران رب العالمین ہی سے ہوسکتا ہے یا پھر ان کے خلفاء راشدین سے یا ان کی جوتیوں کے طفیل امت کے دوسرے اکابرین سے اور مجھ جیسے عاصی تو اکیلے کچھ بھی نہیں کرسکتے..................دوسرے بھائیوں کی مدد ہی سے کچھ ہوسکتا ہے۔''

اس مقصد عظیم اور اپنی جسمانی حالت کے ذکر کے بعد اپنی کم علمی کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں''پھر علمی بے بضاعتی کی یہ کیفیت کہ نہ عربی پورے طور سے جانوں نہ انگریزی آئے۔پھر لکھوں تو کیا

لکھوں؟''اس مضمون میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت اقدس میں نگارشات قلم کی درخواست کرتے ہیں اور علماء وفضلاء سے مضامین کی اپیل کرتے ہوئے انگریزی دان حضرات کو اسلام کے حق میں شائع ہونے والے مضامین کے ترجمہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ایک خاص تحریک ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:۔'' ایک اور سلسلہ مضامین میرے زیر نظر ہے۔ وہ یہ کہ جس قدر مذاہب ہیں ان کے اصل عقائد و اعمال خود انہی کے ماننے والوں کی قلم سے لکھے ہوئے بہم پہنچ جائیں تا کہ ہم ٹھنڈے دل سے ان پر غور کر کے اسلام کی تبلیغ کی راہ ان میں نکال سکیں۔''اس کے بعد زمانہ کے حالات اور مخالفین کے ذکر کے بعد ان الفاظ سے مضامین لکھنے پر آمادہ کرتے ہیں:۔'' ہمارے دوست، ہمارے بھائی یہ جان لیں کہ پیغام والے اور اہلحدیث کا کوئی نامہ نگار ہمارا مدمقابل نہیں بلکہ کل دنیا کا سامنے ہے..........اور ہمارے امام مسیح علیہ السلام کی بعثت کس صلیب کے لئے ہے۔ پس ایک وسیع نظر رکھتے ہوئے ہر قسم کے اعتراضوں کی تردید پر کمر ہمت باندھنی چاہئے اور ہر رنگ میں اسلام کی خوبیاں بیان کرنی چاہئیں ....ریویو تبلیغ واشاعت کی مشین ہے تو اس کے تمام پرزے جب تک اپنا اپنا کام نہ کریں گے وہ بخوبی نہیں چل سکے گا۔اس لئے سبھوں کو اپنا اپنا فرض پہچان کر اس کام میں لگ جانا چاہئے۔''

آخر مضمون میں مالی، قلمی اور روحانی مدد کے لئے ان الفاظ میں درخواست کرتے ہیں:۔

''جو صاحبان تحریری مدد نہیں کر سکتے اور خدا نے انہیں صاحب استطاعت بنایا ہے۔ یا اثر و رسوخ بخشا ہے وہ اس کی توسیع اشاعت میں کوشاں ہوں اور پھر دعا فرماویں کہ وہ اس عاجز کا حافظ و ناصر، معین و یاور ہو۔ وہ اپنے بندے کو روح القدس سے موید کر کے اکناف عالم میں احمد ﷺ کا نام پہنچانے کی توفیق دے۔ نعم المولیٰ و نعم النصیر۔'' (ریویو مارچ 1922ء)

آپ کے زیر ادارت ریویو بروقت شائع ہوتا رہا باوجود مختلف مشکلات کے رسالہ کا علمی معیار برقرار رکھا اور تبلیغی مضامین کے ساتھ ساتھ تحقیقی مضامین بھی بعض احباب سے اصرار کے ساتھ اور

بعض کو مواد فراہم کر کے لکھواتے رہے اور آج ان میں سے اکثر صف اولین کے قلمی مجاہدین میں سے ہیں۔

احمدیہ گزٹ

مکرم مولوی سلطان احمد صاحب پیرکوٹی تحریر کرتے ہیں:۔

''صدر انجمن احمدیہ اور اس کی نظارتوں کی سہولت کے پیش نظر مئی 1926ء میں جناب قاضی محمد ظہور الدین اکمل صاحب کی ادارت میں شائع ہونا شروع ہوا۔مگر چند سالوں کے بعد اس کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔اسے بند کر دیا گیا اور اس کے فرائض الفضل کی طرف منتقل ہو گئے۔

انجمن ہائے احمدیہ اور افراد سلسلہ کو ایک باقاعدہ صورت میں سلسلہ کے مرکزی صیغہ جات کے اعلانات سے باخبر رکھنا۔محکمہ جات کی رپورٹیں پیش کرنا، سرکلر چٹھیاں شائع کرنا، کارکنوں کی تعیناتیوں، تبدیلیوں اور ان کی رخصتوں کے متعلق اطلاع دینا۔حضور کے ارشادات، ہدایات و احکام کو جماعت تک پہنچانا اور دیگر امور جن کا جماعتوں کو علم دیا جانا مرکزی صیغہ جات کے نزدیک ضروری تھا، شائع کرنا اس رسالہ کے فرائض میں شامل تھا۔ (الفضل 11 دسمبر 1956ء صفحہ 6)

اس رسالہ کا پہلا پرچہ 26 مئی 1926ء کو نکلا۔مکرم جنید صاحب کی روایت ہے کہ قاضی صاحب کی دلی خواہش تھی کہ اخبار کی اشاعت بہت زیادہ ہو۔اس کی ایک صورت یہ سوچی کہ مذہبی مضامین کے ساتھ ساتھ سیاست کا بھی ذکر ہوتا غیر از جماعت کو بھی دلچسپی پیدا ہو۔اگرچہ غالب حصہ مذہبی ہی ہو۔اس لئے آپ نے تجویز کی کہ صدر انجمن کی اطلاعات کے لئے الگ گزٹ ہو جو ماہوار یا پندرہ روزہ ہوتا کہ اخبار میں گنجائش پیدا کر کے دلچسپی پیدا کرنے والے مضامین لئے جائیں۔

اس تجویز کو منظور کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مرفوع الی اللہ نے احمدیہ گزٹ حضرت قاضی صاحب کی زیر ادارت شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

مصباح

ابتدا میں حضرت استانی سکینۃ النساء کے اصرار پر البدر میں ایک کالم مستورات کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔جس سے مستورات میں تحریر کا ملکہ پیدا ہوا۔ پھر ایک زنانہ اخبار کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ایک تو مستورات میں تحریر کا ملکہ پیدا کرنا، دوسرے جماعتی ضروریات تھیں جن میں تربیتی پہلو مقدم تھا۔آخر یہ دیرینہ خواہش 15 دسمبر 1926ء کو اس طرح پوری ہوئی کہ مصباح نام سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے انجمن کو ایک رسالہ نکالنے کا ارشاد فرمایا۔

اس رسالہ کا تخیل پیش کرنے والوں میں حضرت قاضی صاحب اور حضرت استانی سکینۃ النساء خاص امتیاز رکھتے ہیں۔رسالہ کا انتظامی کام تمام کا تمام حضرت قاضی صاحب نے سرانجام دیا۔ ڈیکلریشن حاصل کیا۔سرمایہ مہیا کیا۔مضامین لکھے لکھوائے۔دیگر چھپوائی کے کام سرانجام دے کر اس رسالہ کو نکالا۔ابتدا میں مالی حالات ایسے نہ تھے کہ مزید ایک رسالہ کا بوجھ برداشت کریں۔جبکہ دیگر رسائل مشکلات سے دوچار تھے۔مگر حضرت قاضی صاحب نے ہمت نہ ہاری۔اور حضور سے منظوری کے بعد خدا کا نام لے کر شائع کر دیا۔الفضل سے ادھار لیتے رہے۔اور زندگی میں شاید یہ آپ کا پہلا قرض تھا۔اور یہ بھی ایک مذہبی ضرورت کے تحت ہوا۔ورنہ آپ نے اپنی نجی ضروریات کے لئے کبھی کسی سے قرض نہیں لیا تھا۔اس رسالہ کے مینجر و ایڈیٹر آپ ہی مقرر ہوئے۔آپ مکرمی مولوی پیرکوٹی صاحب لکھتے ہیں۔''اوائل میں دس گیارہ سال تک اس کی ادارت مکرمی قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کے سپرد رہی۔'' (الفضل 11 دسمبر 1956ء صفحہ 5)

آپ پہلا رسالہ کے عرض حال میں اس رسالہ کا تعارف ان الفاظ میں کرواتے ہیں۔''سلسلہ کے آرگن الفضل میں ایک عرصہ سے یہ تحریک ہو رہی تھی کہ عورتوں کے لئے الگ اخبار جاری کیا جائے تا کہ وہ اس کے ذریعہ باہم تبادلہ خیالات کر سکیں۔اور اپنی بہتری اور بہبودی کی تجویزیں مشورے کے ساتھ طے کر سکے۔سو الحمدللہ! کہ ہمارے امام حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے صدر انجمن احمدیہ کو ایک اخبار خواتین کے لئے جاری کرنے کا ارشاد فرمایا اور اس کا نام مصباح

رکھا ہے‘‘۔

اس کے ساتھ مصباح کے معنی بتا کر اس سے استدلال کرتے ہوئے تعلق باللہ پیدا کرنے اور رسالہ کو کامیاب کرنے میں مستورات کو بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور تربیت اولاد کے لئے اس رسالہ کی توسیع اشاعت کے متعلق یوں رقمطراز ہیں: ’’مصباح بہت ہی اچھا نام ہے۔ مصباح چراغ کو کہتے ہیں جو تاریک گھروں میں اجالا کرتا ہے اور امیر سے لے کر ایک غریب کے گھر تک اس کی یکساں ضرورت ہوتی ہے اور اس کی روشنی میں سب کاروبار ہوتا ہے۔ خدا کرے ہمارا یہ اخبار مصباح بھی اسم بامسمی بن جائے اور یہ گھر گھر علم وفضل کی روشنی لے جائے۔ سب سے ضروری اور فائدہ پہنچانے والی روشنی وہ ہے جو انسان کی روح کو روشن کرے اور انسان اس کے ذریعے ہر قسم کی ٹھوکر سے بچتا ہوا منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ حقیقی نور وہی ہے جو خدا سے آتا ہے اور دلوں کو روشن بناتا ہے جسے کوئی آندھی نہیں بجھا سکتی اور نہ اس کے زائل ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اس نور کے حاصل کرنے کے لئے سب نوروں کے سرچشمے سے تعلق جوڑنے کی ضرورت ہے۔ سو وہ ایسا مہربان ہے کہ آپ اپنے بندوں کو انا الموجود کہہ کر بلاتا اور بھولے بھٹکوں کو راستہ دکھاتا ہے اور اس پر اپنے فرستادے کے ذریعہ چلاتا ہے۔ خدا کا فضل اور احسان ہے کہ مصباح اس صدر مقام سے نکل رہا ہے جہاں نور السماوات والارض کا بھیجا ہوا پرنور ہادی آیا اور اس نے بنی نوع انسان کی ترقی کا راستہ دکھایا۔ یہ ترقی دیرپا اور مکمل نہیں ہوسکتی جب تک کہ مرد وعورت دونوں تمدنی، معاشرتی، دینی، دنیوی کسب خیر نہ کریں بلکہ بچوں کی آئندہ زندگی کی بنیاد ماؤں کی گود ہی میں پڑتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ عورتوں کی تعلیم وتربیت زیادہ کامل ہو اور وہ مذاہب سے بدلائل واقفیت رکھیں۔ اس کے لئے مصباح ہر قسم کا سامان بہم پہنچائے گا۔‘‘

اس مقام پر آپ مستورات سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ عزم واستقلال سے کام لیں اور مصباح کا حلقہ اشاعت وسیع تر کر دیں۔ وہ الفاظ یہ ہیں: ۔’’ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری بہنیں ایک

عزم اور استقلال سے کام لے کر اس کا حلقہ اشاعت وسیع کر دیں اور اخراجات طبع سے بے فکر کر دیں۔ پھر انشاءاللہ جن مقاصد واغراض کو مدنظر رکھ کر یہ اخبار جاری کیا گیا ہے کہ ان کا حصول جلد اور آسان تر ہوگا۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں توفیق بخشے کہ ہم یہ خدمت بجا لاسکیں۔ آمین''۔

(مصباح 15 دسمبر 1926ء صفحہ 1)

آپ نے یہ کام شروع کیا۔ مگر ارادہ یہ تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو یہ رسالہ مستورات کے سپرد کر دیا جائے اور آپ کا نام برائے نام ہی ہوتا کہ قانونی الجھنوں میں ان کو نہ الجھنا پڑے۔ اور یہ جلد آپس میں تعارف پیدا کریں اور ایک دوسرے کی اصلاح کریں اور غمی وخوشی میں شریک ہوں اور تربیتی میدان میں خودکفیل ہوجائیں۔

تیسرے شمارے میں اپنی آرزو کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''مصباح کا یہ تیسرا نمبر شائع ہوتا ہے۔ اخبار کا ابھی تک کوئی خاص طرز مقرر نہیں ہوا کیونکہ میں ابھی تک یہی امید رکھتا ہوں کہ عورتوں کا اخبار عورتیں ہی چلائیں۔ وہ خود ہی اپنے مذاق کے مطابق مضمون مہیا کریں۔ میرا نام تو سرورق پر محض قانونی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے ہے۔ چاہئے کہ یہ نام برائے نام ہو............ دوم مصباحی بہنیں آپس میں تعلقات بڑھائیں۔ اپنے اخبار کے ذریعے ایک دوسرے کی غمی وخوشی میں شریک ہوں............ اسی طرح امور خانہ داری میں کوئی مشکل ہے یا سینے پرونے میں کوئی بات حل طلب ہے یا کسی دستکاری کا علم ہے تو دوسری بہنوں سے اس بارے میں مشورہ لینا چاہئے۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہ سلسلہ جلد سے جلد جاری ہوجائے گا۔''

(مصباح فروری 1927ء)

اس کے بعد آپ نے آہستہ آہستہ اس سکیم پر عمل شروع کر دیا اس طرح تھوڑے عرصہ میں مستورات اس قابل ہوگئیں کہ رسالہ کو چلا سکیں۔ آپ نے بھی ان کی خوب حوصلہ افزائی کی۔ اس طرح آپ کا نام قانونی ذمہ داریوں کے لئے ہی رہ گیا۔

اس رسالہ کا ذکر تنظیم اخبار بھی محکمہ طبع واشاعت قائم ہونے کے ذکر کے ساتھ ان الفاظ سے کرتا ہے:۔

''حال ہی میں اس محکمے کی طرف سے ایک عورتوں کا رسالہ شائع ہوا ہے جس کا مقصد عورتوں کی تنظیم اور عورتوں کے ذریعہ عورتوں میں بیداری پیدا کرنا ہے۔'' (تنظیم 28 دسمبر 1926ء)

خدا کے فضل سے یہ پودا جس کی ابتدا میں آپ نے آبیاری کی اب خوب پھل پھول چکا ہے اور دن بدن ترقی کرتا چلا جا رہا ہے۔

ناظم طبع واشاعت

صدر انجمن کے ریزولیوشن سے ظاہر ہے کہ آپ نومبر 1926ء میں ناظم مقرر ہوئے۔ جس کی نقل مندرجہ ذیل ہے:۔ ''ریزولیوشن صدر انجمن احمدیہ قادیان''

مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ نے اپنے اجلاس منعقدہ 14 نومبر میں اس مضمون کا ریزولیوشن پاس کیا کہ صدر انجمن کی طرف سے شائع ہونے والے تمام اخبارات و رسالہ جات کو ایک صیغہ طبع و اشاعت کے متعلق کر دیا جائے۔ اس صیغہ کے ناظم قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل ہوں گے۔ چنانچہ صیغہ طبع اشاعت کے تحت یہ اخبارات و رسالہ جات ہیں۔

(1) الفضل ہفتہ میں دو بار۔ (2) ریویو آف ریلیجنز اردو ماہانہ (3) ریویو آف ریلیجنز انگریزی ماہانہ (4) احمدیہ گزٹ مہینہ میں دو بار (5) دی سن رائز مہینہ میں دو بار (6) مصباح مہینہ میں دو بار

مطبع ضیاء الاسلام۔ جس میں ریویو، الفضل، احمدیہ گزٹ اور مصباح چھپتے ہیں۔ (الفضل 10 دسمبر 1926ء صفحہ 6)

تنظیم اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔ ''صدر انجمن احمدیہ قادیان نے اپنے بیشتر اخبارات و رسائل کو ایک مرکز سے وابستہ کر کے صیغہ طبع و اشاعت کے نام سے ایک مستقل محکمہ قائم کر دیا ہے جو اس وقت سات اردو اور انگریزی اخبارات کی اشاعت و طباعت و دیگر ضروری امور کا انتظام کرتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی اکثر پراپیگنڈا آفس اور پبلسٹی بیورو قائم ہوئے ہیں۔

ع مگر وہ بات کہاں مالوی مدن کی سی

اس زمانہ میں آپ کی مصروفیات اس قدر تھیں کہ آپ کو آرام کا بھی وقت نہ ملتا۔مگر اپ نے ایک جوانمرد مومن کی طرح ہر مشکل کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ پریس کا معائنہ کرتے ۔اس زمانہ میں پریس ابتدائی سٹیج پر تھی۔پلیٹس پتھر کی ہوتیں۔احتیاط کا کام تھا۔ذراسی بے احتیاطی سے ٹوٹ جاتیں۔جس سے وقت کے ہرج کے ساتھ نقصان بھی ہوتا۔ نیا پتھر لاتے اور دوبارہ لکھانا ہوتا اور پھر ہاتھ سے گھمانا ہوتا۔آٹو میٹک مشین نہ تھی۔مزدور تنگ کرنے کے لئے وقت پر کام چھوڑ کر چلے جاتے۔جس سے سخت مشکل پیش آتی۔حضرت قاضی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں خداوندکریم کا بڑا فضل وکرم دیکھا۔مشین چلانے کے لئے ایک خوب،مضبوط اور شریف آدمی مل گیا اور پھر کاتب بھی ایسا ملا کہ جو الٹا لکھنے میں کافی مہارت رکھتا تھا۔اس طرح دقت پیش نہ آتی۔آپ نے ان پر احسان پر احسان کیا تاکہ سلسلہ کے کام میں کسی بھی وقت رکاوٹ پیدا نہ ہو۔آپ کو اس سے قبل کچھ تجربہ نہ تھا۔قادیان میں آکر سب کچھ سیکھا اور وہ بھی اپنی عقل خداداد سے۔

آپ حساب کتاب رکھنے میں بہت محتاط تھے۔رجسٹر بنائے اور برابر حساب رکھا جاتا کہ پائی کا بھی فرق نہ پڑتا۔ایک دوبار سخت چیکنگ بھی ہوئی مگر حساب میں معمولی سا بھی فرق نہ نکلا۔اس زمانہ میں سرمایہ کا سب سے بڑا سوال تھا اور یہی سب سے بڑی مشکل تھی۔آپ نے بطور ناظم اخبارات کی توسیع اشاعت کی بار بار اپیلیں کیں اوراس طرح اشاعت بڑھی۔پھر بغیر ضرورت کے اخراجات پر کنٹرول کیا اور حساب پائی پائی کا رکھا۔آپ نے نہایت کفایت شعاری میں اس دور میں سلسلہ کی خدمت کی ہے۔یہاں تک کہ اپنی ذاتی ضروریات کے لئے کبھی بھی دفتر کی کوئی چیز استعمال نہ کی بلکہ بچوں کو بھی سختی سے منع کرتے اور سیاہی تک نہیں لینے دی۔اپنے استعمال کے لئے پن خود خریدتے تھے اور دوسروں سے بھی یہی امید رکھتے تھے۔ایک موقعہ پر ایڈیٹر الفضل مکرم خواجہ غلام نبی صاحب نے پن کا مطالبہ کیا تو لکھ دیا ’’میں نے اپنا خریدا ہے اس کو کہو کہ اپنا خرید لو‘‘ (روایات

مکرم شبلی صاحب)

اس کے علاوہ دفتر کی اشیاء کی نگرانی بہت سختی سے کرتے۔خودتو استعمال میں نہ لاتے اور دوسروں کو بھی ممانعت کر دی تھی بلکہ جب وہ کسی چیز کا مطالبہ کرتے تو آپ اس پر جرح کرتے کہ یہ نب اتنی جلدی کیوں گھس گئی؟ پنسل اتنی جلدی کیوں ختم ہوگئی؟غرض جو چیز دفتر کے استعمال میں آتی اس کا بھی کفایت کے ساتھ صحیح استعمال کرواتے تھے۔ (روایات مکرم شبلی صاحب)

کہا جائے گا کہ اتنی کنجوسی بھی کیا؟ بلکہ یہ کہا بھی گیا مگر جو بھی اس وقت کے حالات پر نظر کرے گا وہ آپ کی تعریف وتوصیف ہی کرے گا کیونکہ یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ اخبار جو سلسلہ کی اشد ضرورت تھی اس کو بند کر دینے کی راہ ہموار کی جائے جو سلسلہ کا بہت بڑا نقصان تھا۔مگر آپ نے عزم صمیم کر رکھا تھا کہ اخبارات کم سے کم خرچ میں جاری رکھنا ہے اور اس عظیم اور ناممکن کام کو آپ نے نصرت الٰہی کی مدد سے کر کے دکھا دیا۔آپ کا اپنا یہ عالم تھا کہ صبح کی نماز وتلاوت سے فارغ ہو کر دفتر میں چلے جاتے۔اس وقت مضامین وغیرہ لکھتے۔ یا کوئی کتاب تصنیف کرتے۔دفتر خود کھولتے اور خود صفائی کر لیتے۔جب دوسرے احباب آجاتے تو دفتری کام شروع کر دیتے جو ظہر تک مسلسل جاری رہتا۔ظہر کے وقت گھر آتے۔لیٹتے اور اخبارات کا مطالعہ کرتے کیونکہ اخبار نویس کے لئے اخبار کا مطالعہ اخبار نکالنے سے بھی زیادہ ضروری ہے اور پھر عصر تک اس کام میں مصروف رہتے۔

آپ دن رات کام کرتے تھے مگر کبھی کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا۔اوور ٹائم تنخواہ تو کجا کبھی اس امر کا اظہار نہ کیا کہ اتنا کام کرتا ہوں اور تنخواہ اس قدر قلیل ہے۔اگرچہ ان دنوں آپ کے حالات کافی کمزور تھے۔وہ انسان جس کی جائیداد بھی ہو اور کھلے مکان رہنے کو ہوں اور پھر علمی وجاہت ونسبی بلندی کی وجہ سے عوام عزت وتکریم بھی کرتے ہوں۔ان حالات میں مرکز میں فقیرانہ زندگی بسر کرنا آپ کی مومنانہ شان کو دوبالا کرتا ہے۔

فصل دوئم

دیگر مصروفیات

اخبارات ورسائل کے علاوہ بھی آپ کے سپرد کام ہوتے رہے اور آپ ان کو خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے معتمدین میں سے تھے۔آپ سے بے تکلف تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی تو چھوٹی عمر سے ہی بے تکلف تھے۔آپ نے ان کی قلمی میدان کا شہسوار بننے کے لئے کافی تعاون کیا۔جب حضور مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ کی مصروفیات بھی بڑھ گئیں۔حضور اکثر ان کے سپرد مختلف کام فرماتے رہے جنہیں آپ نے مومنانہ جذبہ سے کیا۔
''ابتداءِ خلافت میں ایک مجلس معتمد بنی جس کو مشاورتی کمیٹی بھی کہہ سکتے ہیں۔آپ اس کے ایک رکن تھے۔حضور اہم معاملات میں آپ سے انفرادی طور پر بھی مشورہ فرمایا کرتے'' (مکرم جنید صاحب کی روایت)

صیغہ تربیت

الفضل سے معلوم ہوتا ہے کہ 1922ء میں آپ کے سپرد صیغہ تربیت بھی تھا۔اس صیغہ میں آپ نے کیا کام کیا اور کس قدر کامیاب رہے۔تفصیل سے علم نہیں ہوسکا۔دسمبر سے قبل کا ایک واقعہ کا ذکر الفضل میں ملتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے آپ کے سپرد نوجوانوں کی تربیت خصوصی طور پر کی۔اس میں آپ کامیاب ہوئے۔

اس کے بعد دسمبر میں جلسہ سے قبل احباب کو مختلف تربیتی امور کی طرف متوجہ کرنے کے لئے چند امور کو بیان کیا گیا ہے جو الفضل میں چھپے ہوئے ہیں۔مثلاً ان میں سے ایک انڈے کھانے کی رسم کو ترک کرنا، تبلیغ کے لئے چندہ دینے کے متعلق ہے۔''جلسہ پر دس ہزار انڈا'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

’’پچھلے سالوں کی فروخت سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ جلسہ سالانہ پر دس ہزار انڈا فروخت ہو جاتا ہے۔کیا میں اپنے معزز و محترم احباب سے درخواست کرسکتا ہوں کہ وہ اس دفعہ یہ عہد کرلیں کہ انڈوں پر جو خرچہ ہوتا ہے وہ تبلیغ اسلام واحمدیت میں دے دیں گے۔اس طرح سات آٹھ سو روپے کی رقم جمع ہو جائے گی ......اور ایک اسراف رک جائے گا۔............ میں التجا کرتا ہوں کہ وہ اس دفعہ بلا کسی طبی ضرورت کے انڈے استعمال نہ کریں اور اس رقم کو تبلیغ میں دیں۔‘‘(الفضل 11 دسمبر 1922ء صفحہ 8)

اس سے قبل آپ نے جلسہ پر باہمی میل جول کی افادیت کے متعلق مختلف امور کی نشاندہی کر کے ایک نوٹ شائع کروایا۔فرماتے ہیں:’’......میرا مطلب یہ ہے کہ احباب کو دوسرے علاقے کے احباب سے ملاقات وتعارف کا ضرور وقت نکالنا چاہئے۔اس میں بہت فائدے ہیں......ان کی کئی ایک مشکلات حل ہو جائیں۔مثلاً رشتوں کا معاملہ ہے......ایک احمدی گاؤں میں اکیلا ہے۔دشمنوں کے نرغے میں ہے۔اگر وہ دو چار اور ایسے بھائیوں کی زبانی ان کے حالات سنے گا تو اس کے دل کو ڈھارس ہوگی۔کئی بھائی روزگار کی تلاش میں ہوتے ہیں......‘‘(الفضل 10 دسمبر 1922ء صفحہ 8)

اس سال سارا سال حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے خطبات اخلاق پر ہوتے رہے اور آپ نے نہایت احسن پیرایہ میں جماعت کو اپنے اندر اخلاق پیدا کرنے کی توجہ دلائی۔جلسہ کے موقعہ پر حضرت قاضی صاحب نے ......’’اخلاق حسنہ کے امتحان کا وقت‘‘ کے عنوان سے احباب کو عمدہ اخلاق کا مظاہرہ کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔فرمایا:

’’............حضور چاہتے ہیں کہ جماعت کا ایک ایک فرد فضائل اخلاق سے مالا مال ہو............ غیر مسلموں کو اسلام میں لانے کے لئے بہترین ہتھیار خلق حسن ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا اثر دوسروں پر پڑتا ہے............سالانہ جلسہ کے موقعہ پر اجتماع ہوتا ہے............ یہ اس بات کے امتحان کا اچھا موقع ہے کہ ہم نے اخلاق میں کہاں تک ترقی کی ہے اور ہم میں کیا کیا نقائص اور

کمزوریاں ہیں ....گھر میں صفت تحمل کا علم نہیں ہوسکتا......کھانا......بستر کی تکلیف وغیرہ۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت کے افراد اس موقعہ پر یہ بات مدنظر رکھ کر گھر سے نکلیں کہ انہوں نے اپنے اخلاق کا مطالعہ کرنا ہے اور دوسروں کی عیب چینی یا شکایت نہیں کرنی بلکہ اپنے نقصوں اور کمزوریوں کی طرف دھیان دینا ہے اور پھر ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔'' (الفضل 18 دسمبر 1923ء صفحہ 12)

اگر یہ صفات انسان میں پیدا ہو جائیں جن کی طرف حضرت قاضی صاحب نے توجہ دلائی ہے تو انسان روحانیت کے اعلیٰ مدارج جلد جلد طے کرتا ہوا خداوند کریم کا قرب حاصل کر لیتا ہے اور دوسروں کے لئے ہدایت ورشد کا موجب ہوتے ہیں۔

اس موقعہ پر آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار پر جا کر دعا کرنے کی بھی ان الفاظ میں توجہ دلاتے ہیں:

''ایام جلسہ میں یا اس کے بعد وطن واپس جانے سے پیشتر کچھ نہ کچھ وقت مقبرہ بہشتی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پُرانوار پر حاضر ہونے کا ضرور نکالنا چاہئے ....لوگ مکہ معظمہ میں جاتے ہیں تو روضہ رسول پر حاضری کے لئے کئی منزلوں کا سفر بطیب خاطر اٹھاتے ہیں بلکہ اصل صعوبت سفری ہے یہی مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ کے درمیان ہے................اس لئے کہ اپنے ہادی و راہنما کے مرقد مطہر کی برکات سے بہرہ اندوز ہوں ....الوصیت میں ہے.................یہ ان لوگوں کی آرام گاہ ہے جو اپنے کارناموں کی وجہ سے ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔ پھر اس میں وہ روضہ مطہر ہے جس میں اس خدا کے برگزیدہ کا جسم مبارک مدفون ہے جس کو افضل الرسل نے اپنا سلام بھیجا اور جس کی نسبت حضرت خاتم النبیین نے فرمایا۔ یدفن معی فی قبری۔ اس اعتبار سے مدینہ منورہ کے گنبد خضراء کے انوار کا پورا پورا پرتو اس گنبد بیضا پر پڑ رہا ہے اور آپ گویا ان برکات سے حصہ لے سکتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مرقد منور سے مخصوص ہیں۔ کیا ہی بد قسمت ہے وہ شخص

جو احمدیت کے حج اکبر میں اس تمسح سے محروم رہے۔'' (الفضل 10 دسمبر 1922ء صفحہ 6-7)

آپ خود بھی روزانہ بلا ناغہ بہشتی مقبرہ جایا کرتے تھے۔ اس عشق کی وجہ سے آپ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ جو احمدی بھی جلسہ پر آئے وہ بہشتی مقبرہ میں دعا نہ کرنے جائے۔ اس سے آپ کو سخت صدمہ ہوتا۔ اس لئے آپ نے قبل از وقت توجہ دلائی اور اسکے علاوہ اکثر سالوں میں ایسا کیا۔ دشمن جو اعتراض برائے اعتراض کرتا ہے اس کو بہانہ چاہئے۔ آپ کے ان پاکیزہ جذبات کو مولوی ثناء اللہ صاحب نے قبر پرستی سے تعبیر کیا جو صریحاً ظلم ہے۔ آپ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اے کاش! اتنا تو دیکھ لیتے جسے تم قبر پرستی کا رواج دینے والا کہنا چاہتے ہو (اکمل) اس کی نسبت حضرت خلیفہ اول نے دو چار بار اپنی تقریر میں بیان فرمایا کہ سماع موتی کا قائل نہیں۔ بھلا جو یہ کہتا ہو کہ مردے قبروں میں باہر کی آواز نہیں سنتے۔...... وہ کس طرح اس بات کا قائل ہو سکتا ہے ...... کہ اس صاحب قبر سے اپنی طلب کرو، جو سنتا ہی نہیں وہ حاجت کیا روا کرے گا۔'' (الفضل 18 جنوری 1923ء صفحہ 8) غرض آپ نے اس نازک ذمہ داری کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔

مجلس شوریٰ کے ممبر

سفر یورپ کے وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ایک مجلس شوریٰ امیر مقامی کی مدد کے لئے بنائی جس کے بارہ ارکان تھے۔ ان میں سے ایک آپ تھے۔ حضور نے اس مجلس اور ممبران کا تعارف کرتے ہوئے فرمایا: ''ایک مجلس شوریٰ بھی تجویز کی گئی ہے۔ اس کے ممبر بھی جو قادیان میں رہتے یا باہر سے آتے ہیں ان سے مشورہ لیں گے۔ اس کے ممبر یہ قرار دئے گئے ہیں............ قاضی اکمل صاحب............ قاضی اکمل صاحب بھی نہایت مخلص لوگوں میں سے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کام کے لحاظ سے بہتوں سے زیادہ قابلیت رکھتے ہیں اور باوجود بیمار رہنے کے زیادہ کام کر سکتے ہیں اور جلدی کر سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے سلسلہ کی بہت سی خدمات کا انہیں ایسا موقع مل جاتا ہے جو اوروں کو حاصل نہیں ہوتا اور یہ قابل قدر بات ہے۔'' (الفضل 22 جولائی 1922ء صفحہ 5)

ناظر دعوۃ وتبلیغ

اس کے علاوہ آپ ناظر دعوۃ وتبلیغ بھی مقرر ہوئے۔اس دوران بہائیوں نے دعوت مقابلہ دی کیونکہ 1917ء میں تشحیذ میں حضرت قاضی صاحب نے ایک سلسلہ مضامین شروع کیا جس کا مقصد تھا کہ دیگر مذاہب کے عقائد سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔اس سلسلہ میں آپ نے بہائیوں کے متعلق مضمون لکھا اوراس کے ابتداء میں لکھا:۔''تشحیذ میں ایک سلسلہ مضامین شروع کیا گیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے دوستوں کو دوسرے مذاہب کے عقائد سے پوری واقفیت ہو جائے۔اس سلسلہ میں بہائی مذہب کے عقائد لکھے جاتے ہیں جن کے متعلق واقفیت بہم پہنچانا ہر ایک کا کام نہیں اور خدا کے فضل سے مجھے ذاتی طور پر موقعہ ملا کہ میں ان کے عقائد معلوم کروں۔میرے پاس بہت سا ذخیرہ ہے اور میں وہ دلائل بالتفصیل لکھ سکتا ہوں جو یہ لوگ اپنے بانی مذہب کی صداقت کے دیتے ہیں مگر فی الحال مختصراً عقائد کا ایک نقشہ پیش کرتا ہوں ....''اس مضمون کے آخر میں آپ نے اپنی وسیع معلومات کا ان الفاظ میں اظہار کیا:۔

''بہائی عقائد کا ایک حصہ میں نے انہیں کے الفاظ میں شائع کر دیا ہے۔اگر آپ ان کی تمام کتب بھی پڑھ دیں جن کا حاصل ہونا ازبس دشوار ہے تو بھی اتنی باتیں نہیں نکال سکتے۔بغیر اس کے کہ ان کے کسی عالم ومبلغ کی صحبت میں ایک عرصہ رہ کر خاص تعلق قائم کریں۔'' (تشحیذ جنوری 1917ء)

یہ ایک حقیقت پر مبنی معرکۃ الآراء مضمون تھا جس نے بہائیت کی صفوں میں کھلبلی مچا دی۔کوئی بھی مرد میدان بننے کو تیار نہ ہوا۔احمدی ان عقائد کو پیش کرتے اور اصل کتب کا مطالبہ کرتے مگر خاموشی کے علاوہ ان کے لئے کوئی چارہ نہ تھا۔آخر تقریباً آٹھ سال کے بعد ایک بہائی حشمت اللہ صاحب نامی ساکن آگرہ کی طرف سے بذریعہ خط اور اخبار حسب ذیل اعلان شائع ہوا:۔''اے جماعت قادیان آپ کا دعویٰ ہے کہ جناب میرزا غلام احمد صاحب رضی اللہ عنہ موعود ادیان تھے اور

نہ صرف اسلام بلکہ عیسائی یہودی، زردشتی، ہندو، بورائی بھی انتظار کر رہے ہیں اور آپ ان سب کے مشترک موعود ہیں۔'' اہل بہاء کا بھی یہی دعویٰ ہے اور ہم اپنے دعویٰ کی تصدیق میں ہر مذہب کے متعدد افراد بھی پیش کرتے ہیں۔ ہماری بیس سال کی متواتر دعوت و تبلیغ کے بعد اب آپ نے ہماری مخالفت کا ارادہ کیا ہے۔ مگر باوجود پے در پے دعوت کے آپ بالمواجہ حق سے گریز ہی کرتے ہیں ......اگر آپ اپنے تئیں موعود عالم وجمیع ادیان مانتے ہیں تو میدان میں تشریف لائیے............اب سوائے اس کے چارہ نہیں کہ آپ اپنا استحقاق ثابت کریں اور ہم اپنا۔ لیس لکم الیوم من محیص''
(الفضل یکم نومبر 1924ء)

ایک کامیاب شکاری کی زد میں جب شکار آتا ہے تو اس کو اتنی خوشی محسوس نہیں ہوتی جتنی اس وقت احمدی علماء کو ہوئی کیونکہ وہ تو علمی اعتراضات ومباحثات کے لئے چشم براہ ہیں۔ حضرت قاضی اکمل صاحب نے اس چیلنج کو منظور کیا اور جواب میں تحریر فرمایا:۔

''حضرت امیر جماعت احمدیہ ہند قادیان کی خدمت میں آپ کی طرف ایک مناظرہ کا چیلنج بذریعہ ایک پرائیویٹ چٹھی نیز بواسطہ بہائی اخبار ''کوکب'' ہند کے پہنچا ہے۔ آپ کو یقین رکھنا چاہئے کہ جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمام اختلافی امور کے متعلق تبادلہ خیالات کرنے کی دلی آرزومند ہے کیونکہ اس ذریعہ سے اس کو یہ موقع حاصل ہوتا ہے کہ وہ قرآنی تعلیم کا کمال اور قرآنی شریعت کا آخری شریعت ہونا ثابت کرے۔ نیز............کہ وہ لوگوں تک اس پیغام آسمانی کو پہنچائے جو اس زمانہ کے نبی مرسل مسیح موعود، مہدی معہود مصلح آخرالزمان کے ذریعے سے ملا جو خدمت اسلام کے لئے مبعوث ہوئے تھے (علیہ الصلوٰۃ والسلام) لیکن قبل اس کے کہ مناظرہ فیما بین کی نوعیت، شرائط، تاریخ کا فیصلہ کیا جائے۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہمیں اپنی اصولی کتب یعنی بیان مصنفہ جناب علی محمد صاحب اور کتاب الاقدس واقتداء ومبین مصنفہ جناب مرزا حسینی علی صاحب مشہور بہ بہاء اللہ کے مصدقہ نسخے بھیج دیں۔ کیونکہ حوالہ کے لئے مصدقہ کتب لازمی ہیں

................مناظرہ کو صحیح طور پر مفید بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہمارے ہاتھ میں وہ نسخہ جات ہوں جو آپ کے نزدیک آپ کے مصدقہ ہوں اور جن کی صحت آپ کے نزدیک مسلم ہو۔مہربانی کر کے بہت جلد جواب ارسال کریں تا کہ آپ کے ساتھ پبلک مناظرہ کا انتظام کیا جائے۔ (اکمل قائمقام ناظر دعوۃ وتبلیغ قادیان۔الفضل یکم نومبر 1924ء صفحہ 11)

یہ مطالبہ جوان پر ضرب کاری تھا۔اس نے بہائیوں کو خاموش کر دیا۔بڑی سوچ بچار کے بعد بڑا مضحکہ خیز جواب دیا جس کا ذکر حضرت قاضی صاحب نے اس کے جواب میں ان الفاظ میں کیا۔

’’.................بہت سوچ بچار کے بعد 1 نومبر کے کوکب ہند میں جو 15 نومبر کو ہمیں ملا ہے یہ لکھا ہے کہ آپ (کتاب اقدس مبین اقتداء) ان کتابوں کو میرے پاس بھیج دیجئے میں بعد ملاحظہ تصدیق کر دوں گا۔کتاب بیان طبع نہیں ہوئی ہے اور نہ ہندوستان میں دستیاب ہو سکتی ہے۔‘‘

اس طرح بہائی اپنے مذہب سے تمسخر کرنے لگے اور اس کی حقانیت کے عقل کے گھوڑے دوڑانے لگے۔ کتب کو پیش نہ کرنا مذہب کی توہین ہے۔مسلمان نے کسی بھی زمانہ میں قرآن مجید کو نہیں چھپایا۔ہر ایک کے سامنے پیش کیا۔اسی طرح دیگر مذاہب نے اگرچہ ان میں تحریف اصل سے بھی زائد ہو چکی ہے اس جواب کے ساتھ اس اخبار میں انہوں نے ایک اشتہار دیا کہ مندرجہ ذیل کتب کی قادیان کی جماعت سے مناظرہ کے لئے ضرورت ہے۔جس کے پاس ہوں وہ عنایت فرمائے۔

اشتہار یہ تھا:۔

’’کتاب البیان	برائے مناظرہ جماعت قادیان لازم است۔
کتاب الاقدس	ہر کس می تو اند عاریتاً یا مجازاً یا بقیمت این
کتاب المبین	کتب تقدیم نماید مرحمت فرمودہ نماید۔
کتاب الاقتداء	بصدر لجنۃ الاشاعت مخابرہ (حشمت اللہ آگرہ)

یہ اعلان بھی بہائیت کی کھلی شکست تھی مگر وہ بضد رہے۔ ادھر قاضی صاحب مطالبہ پر مطالبہ کرتے چلے گئے۔ مگر انہوں نے کوئی کتاب نہ دی۔ اس پر حضرت قاضی اکمل رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا:

''باوجود خرچہ دینے کے اصل مدعیوں کی کتابیں ہمارے حوالے نہ کرنا اور یونہی اٹکل پچو طور پر ان کے دعاوی کے متعلق بحث کرنے کے لئے زبانی کہتے جانا عملی طور پر بہائیوں کا مباحثہ کرنے سے فرار ہے۔'' (اکمل ناظر دعوۃ وتبلیغ قادیان۔ الفضل 22 نومبر 1924ء صفحہ 4)

اس کے بعد بھی غیرت دلانے والے مضامین لکھے اور ذاتی خطوط تحریر کرتے رہے مگر ان کے پاس کتب ہوتی تو فراہم کرتے۔ وہ تو دل بہلا رہے تھے اور اگر ان کے پاس کچھ ہوتا تو وہ پیش کرتے۔ ادھر برابر مطالبہ ہو رہا تھا۔ اس پر حضرت قاضی صاحب نے غیرت دلانے والے الفاظ میں ایک مضمون لکھا۔ اس میں فرمایا:۔

''...................... یہ کیا انصاف ہے کہ خود ہی مناظرہ کا چیلنج دینا اور پھر جب کتب کا مطالبہ ہو تو کہنا کہ کتابیں نہیں تھیں تو مناظرہ کیوں منظور کیا۔ اس طرح پر تو ہر ایک کو آپ مناظرہ سے فرار کرنے والے اور اپنے آپ کو فاتح کہتے رہیں گے۔ ان کتب مطلوبہ میں سے سب سے پہلی کتاب تو ''البیان'' ہی ہے جس سے آپ صاف جواب دے رہے ہیں۔ حالانکہ بہائی مذہب کی بنیاد ہی البیان پر ہے............ البیان سامنے لاؤ تو دنیا کو معلوم ہو جائے کہ مرزا حسین علی صاحب کو کوئی حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ ربوبیت والوہیت کا دعویٰ کریں اور جناب علی محمد باب کے مبشر کہلائیں۔''

اسی طرح دیگر کتب کا ذکر کرتے ہوئے ان سے بہائیت کے بطلان پر استدلال کرتے ہوئے آخر مضمون میں لکھتے ہیں:۔ ''پس اپنی بنیادی کتابیں مہیا کرلو۔ مطبوعہ نہیں تو نقول مصدقہ ہماری اجرت مناسبہ پر ہمیں دو۔ اور پھر مناظرہ کرلو یا یہ تسلیم کرلو کہ قرآن مجید آخر الشرائع ہے اور اس کے بعد نئی شریعت کا ادعا دجل وفریب ہے تو پھر قرآن مجید ہی کی رو سے مناظرہ کرلو۔ مگر مناظرہ کس چیز پر کرو

گے۔ جب تک تم پہلے جناب علی محمد صاحب باب اور جناب مرزا حسین علی صاحب المعروف بہ بہاء اللہ کے اصل دعاوی ان کی اصل کتابوں سے ثابت نہ کرو گے۔ ان کی کتابیں تو چھپاتے ہو اور ان کے دعاوی موہومہ پر مناظرہ کی طرح ڈالتے ہو۔ یہ کیا دینداری ہے؟

(اکمل ناظر دعوۃ وتبلیغ قادیان۔ الفضل 13 دسمبر 1924ء صفحہ 4)

حضرت قاضی صاحب کے برابر اصرار اور غیرت دلانے پر انہوں نے جو جواب دیا حضرت قاضی صاحب نے اس کا ذکر اپنے مضمون میں اس طرح کیا ہے:۔

''............حال کے بابی اخبار میں خاکسار اکمل پر نظر عنایت ہوئی ہے۔ عنوان رکھا ہے ''بہائی کتابوں کا بہت سا ذخیرہ اکمل کے پاس قادیان میں ہے'' اور اس کے ثبوت میں میرا یہ فقرہ تشحیذ الاذہان جنوری 1917ء سے نقل کیا ہے۔ ''خدا کے فضل سے ذاتی طور پر موقعہ ملا کہ میں ان کے عقائد معلوم کروں۔ میرے پاس بہت سا ذخیرہ ہے'' میں نے ذاتی طور پر بعض بہائیوں سے خط و کتابت کر کے اور بعض دیگر کتب سے حالات وعقائد نوٹ کر رکھے تھے۔ خطوط کا نام بہائی کتب نہیں ہوتا..................سیدھی بات ہے اپنے مذہب کی بنیادی کتابیں مہیا کر دو............ یہ آپ کے اوسان کیوں خطا ہوئے جاتے ہیں۔ کیا قطع و برید، تحریف وتصحیف کا راز کھل جانے کا خوف ہے ......البیان کو سراسر خلاف اقدس پائیں گے ......اچھا ہم تو احمدی ہیں۔ القاسم امرتسر کے ایڈیٹر کو ضمانت پر بھی دوروز کے لئے کتاب اقدس نہ دکھائی گئی۔ کیا اس سے آپ کے مذہب کی حقیقت نہیں کھل رہی۔ انشاء اللہ تعالیٰ............عنقریب **یختلون الدنیا بالدین اور یلبسون جلود الضان** کے معنی سمجھ جائیں گے۔ (اکمل الفضل 18 دسمبر 1924ء صفحہ 2)

اس کے بعد ان کو یہ ہمت تو نہ ہوئی کہ مقابلہ کریں اور یا جواب دیں۔ اب وہ خفیہ چالوں پر آ گئے اور الوہیت بہاء سے انکار کرنے لگے۔ کیونکہ حضرت قاضی صاحب نے جو حوالہ جات دیئے تھے وہ کسی ایک مضمون سے اخذ نہ تھے بلکہ آپ ایک عرصہ تک اس فتنہ کا مطالعہ کرتے رہے۔ ان

کے اشتہارات پڑھے۔ جو کتب مل سکیں ان کا مطالعہ کیا اوران کے علماء سے تحریری بحث کی اوران کے مبلغوں سے رابطہ رکھا جس سے آپ کے پاس اتنا ذخیرہ ہوگیا کہ جو ایک بہائی مبلغ اور عالم کے پاس بھی نہ تھا۔ اس لمبے عرصہ کی تحقیق وتدقیق کے بعد آپ نے تشحیذ میں مضمون لکھا جس کے دلائل میں سے ایک دلیل بھی وہ توڑ نہ سکے اور دعوت مناظرہ دی کہ لوگوں میں پراپیگنڈا کریں کہ ہم نے دعوت دی۔ کیونکہ وہ حق پر نہیں اس لئے مقابلہ پر نہ آئے۔ مگر یہ ان کی بدقسمتی تھی کہ حضرت قاضی اکمل صاحب ہی ان کے مقابلہ پر آئے۔ جن کے پاس ہی وہ ذخیرہ تھا جس کا کوئی جواب ان کے پاس نہ تھا۔ اس مناظرہ کی دعوت میں بھی حضرت قاضی صاحب نے دلائل پیش کئے۔ مگر وہ جواب نہ دے سکے اور لاجواب ہوکر خاموشی اختیار کر لی اور لوگوں میں الوہیت بہاء سے انکار کرنے لگے۔ اس کا علم ہونے پر حضرت قاضی اکمل صاحب جو ہر وقت شکار کے طاق میں تھے ان پر آخری بھرپور وار کیا جس سے وہ ایک عرصہ تک خاموش رہے۔ فرماتے ہیں:۔

''بہائی اب حسب معمول خفیہ چالوں پر آئے ہیں۔ وہ ہماری زبردست گرفتوں کا جواب اخبار میں تو دے نہیں سکتے ادھر ادھر ٹریکٹ پھیلا رہے ہیں کہ مرزا حسین علی المعروف بہ بہاء اللہ مدعی الوہیت نہ تھے۔ مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ حوالوں کا جواب نہیں دیتے۔ جو ہم متواتر دے رہے ہیں۔ اگر ہم غلط تاویل کرتے ہیں تو ہم المسیح الرجال کے پیرووں کے سامنے صرف ایک ہی حوالہ ان لك فيك ضربته لن تعد بعد کہتے ہوئے پیش کرتے ہیں۔ ع

بالوہیت حبی لا یزال بے مثال	جمال قدم قدغن و مطمئن گشتیم

اس عبارت بہجۃ الصدور کے معنی کرواو اگر کچھ اور معنی نہیں بن سکتے اور یقیناً نہیں بن سکتے تو اپنا سر پیٹ لو۔ (اکمل۔ الفضل 10 جنوری 1925ء صفحہ 4)

اس کے بعد بھی بار بار حضرت قاضی اکمل صاحب نے آرٹیکل لکھے اور ان کو غیرت دلانے والے الفاظ میں اکساتے رہے۔ مگر وہ میدان میں نہ آئے۔ اس طرح حضرت مصلح موعود کے جون

1924ء کی فرمودہ پیشگوئی حضرت اکمل صاحب کے ذریعہ پوری ہوئی۔جس کا ذکر حضرت قاضی صاحب ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

’’............اس سلسلہ میں بہائیوں کے فتنے کا ذکر آ گیا تو آپ نے فرمایا میں جتنا بھی غور کرتا ہوں یہ کوئی مذہب نہیں بلکہ مذہب کے ساتھ ایک مخول ہے اور خدا نے اس کے متعلق مجھے ایسا علم دیا ہے کہ ان کی ہستی سلسلہ احمدیہ کے مقابلے میں ایک مچھر کی مانند ہے............(اس کے بعد حضور کی آواز پرجلال ہوگئی اور جوش سے فرمایا) کہ ان کی ہستی کیا ہے؟ وہ اگر ہمارے مقابل پر آئیں تو ایک مچھر کی مانند مسلے جائیں گے۔(ٹھیک جس وقت یہ الفاظ آپ نے فرمائے ایک نہایت روشن شہاب ثاقب آسمان کی فضا میں ظاہر ہوا۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بجلی کا لمپ یکدم سے آیا) حضور نے اس تقریر کو مسلسل رکھتے ہوئے فرمایا۔دیکھو آسمان بھی اس پر گواہی دیتا ہے اور خدا نے بتادیا ہے کہ ہم اس شیطانی تحریک کے لئے شہاب ثاقب ہیں۔سبحان اللہ و بحمدہ۔ اس وقت سوا نو بجے تھے۔‘‘(الفضل 6جون 1924ء صفحہ 9)

اس کے علاوہ آپ ان خوش قسمت چالیس صحابہ میں بھی شامل تھے جن کو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ایک ہفتہ کے لئے استخارہ کے لئے کہا تھا۔اس میں (مکرم جنید صاحب کی روایت کے مطابق) آپ نے اپنے والد محترم حضرت مولوی امام الدین صاحب فیض کو بھی شامل کیا۔وہ اس طرح کہ ان کو خاص طور پر استخارہ کے لئے درخواست کی۔اور یہاں تک کہا کہ آپ کے رویاء کشف کو میں پیش کردوں گا۔اس کا بھی ذکر ان الفاظ میں حضرت قاضی صاحب کرتے ہیں۔

’’مورخہ 28 مئی کو نماز مغرب کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح نے ان چالیس اصحاب مسیح موعود کی باریاب مجلس شوریٰ فرمایا۔جن کو ایک ہفتہ سے استخارہ کے لئے ارشاد فرما رکھا تھا۔حضور نے دریافت کیا کہ اگر کسی دوست کو کوئی رویاء ہوئی تو وہ سنادے۔بعض رویاء آنے والے فتنوں کی خبر دیتی تھی............مجلس شوریٰ پونے بارہ بجے ختم ہوئی۔ (الفضل 6جون 1924ء صفحہ 9)

مکرمی جنید صاحب کی روایت کے مطابق یہ سفر یورپ کے متعلق استخارہ تھا۔جس کے حق میں حضرت قاضی اکمل صاحبؓ ابتداء سے ہی تھے کہ یہ ایک تبلیغ کا سنہری موقعہ ہے۔ضرور دعوت قبول کی جائے۔

مختلف خدمات

علاوہ ازیں مختصر عرصہ کے لئے بھی آپ کے سپرد کام ہوتے رہے۔رسالہ ''احمدیہ گزٹ'' کی چند جلدیں لائبریری میں ہیں۔ان سے ان کاموں کا علم ہوتا ہے۔

(1) ناظر صاحب دعوۃ وتبلیغ 9 سے 15 تک آن ڈیوٹی باہر شیخوپورہ تشریف لے گئے۔اوران کی جگہ قاضی محمد ظہورالدین صاحب اکمل انچارج رہے۔ (احمدیہ گزٹ 11 نومبر 1927ء صفحہ 1)

(2) دعوۃ وتبلیغ میں 10 اور 25 ستمبر کو چوہدری فتح محمد صاحب رخصت پر رہے اور قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل انچارج رہے۔ (ایضاً)

(3) دعوۃ وتبلیغ۔ 15 تا 17 مولوی محمد الدین صاحب آن ڈیوٹی رہے قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل ان کی جگہ انچارج رہے۔ (احمدیہ گزٹ 11 نومبر 1928ء)

فصل سوئم

حضرت قاضی صاحب اور صحافت

صحافت کیا ہے۔(آزادی سے اظہار مافی الضمیر کرنا)

اس میں بھی قرآن ہماری راہنمائی کرتا ہے۔اور خاص طور پر مذہبی صحافت جس میں سیاست کا حصہ نہ ہو۔

''ادع الی سبیل ربك بالحكمة و الموعظة الحسنة و جادلهم بالتی هی احسن'' پیار و محبت سے اسلام کی دعوت دو۔طبیعت کی جولانی کا اس میں دخل نہ ہو۔دل میں درد ہو

نام ونمائش کا خیال نہ ہو۔

اظہار غیرت بھی لازم ہے۔ فرمایا ''**محمد رسول اللہ و الذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم**'' جب دشمن شرافت کو چھوڑ دے۔ تو اس پر مومن کی گرفت انتہائی سخت ہوتی ہے۔ اس وقت خدا مومن کی تائید میں ہوتا ہے اور مخالفت ہوتی ہے اور دنیا میں ذلیل ہوتے مخالفت کو دیکھا ہے۔

حضرت قاضی اکمل صاحب نے اپنی صحافتی زندگی میں لائحہ عمل پر عمل کیا۔ اور آپ نے اپنے محبوب مسیح موعود علیہ السلام کے اصول کو حرز جان بنایا۔

''میرا اصول ہے کہ جو شخص حکمت اور معرفت کی باتیں لکھنا چاہے وہ جوش سے کام نہ لیوے۔ ورنہ اثر نہ ہوگا۔'' (بدر 27مارچ 1903ء)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر مخالف خوشیاں منانے لگے کہ اب یہ سلسلہ ختم ہوا۔ اس کی مدت ختم ہوئی۔ اب انتشار ہی انتشار ہوگا۔ اتحاد واتفاق وتنظیم ایک خواب ہوگئی۔ آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ اور ہر ایک ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالے گا۔ اور یہ عظیم سلسلہ چند دنوں میں خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اس خوشی میں بعض نے مشورے دینے شروع کر دیئے کہ احمدیو! ہم میں شامل ہو جاؤ۔ اسی میں عافیت ہے۔ ورنہ تمہاری حیثیت ہی کیا ہے۔ مچھر کی طرح مسل دیئے جاؤ گے۔ دنیا تمہارے انتشار پر تمسخر کرے گی اور تمہیں ذلیل وخوار کرے گی۔ مگر دنیا میں عزت کا سودا تمہارے دماغوں میں ہے تو ہمارا دامن پکڑلو۔

زبردست صدمہ ایک طرف اور ظالم مخالفوں کے طعنے اس پر مزید صدمہ کا موجب ایک بہت بڑا ابتلاء ہوتا ہے۔ اس وقت حضرت اکمل صاحب نے دکھے ہوئے دل سے اپنے پاکیزہ جذبات کا اظہار ان مقدس الفاظ میں کیا۔ صدائے اکمل سے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں:

''مختلف اخباروں میں مختلف مذاق وعلم وفضل وخیالات کے اصحاب احمدیوں کے بارے میں

کچھ لکھ رہے ہیں۔اس پر میرے قلب کی جو کیفیت ہے میں اس کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں۔کوئی ہمیں مشورہ دیتا ہے کہ ہمارے ساتھ مل جاؤ کوئی یہ کہتا ہے کہ اب میرزا کے دعاوی ان کے ساتھ ہی قبر میں دفن ہو جائیں گے۔سچ ہے۔المرء یقیس علی نفسہ میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا۔یہ بالکل بھول گئے کہ قوت ایمانیہ اور جوش اخلاص وثبات مومنانہ کس چیز کا نام ہے۔اتر دکن کے رہنے والے پورب پچھمّ کے رہنے والے سن رکھیں اور کان کھول کر سن لیں کہ انشاءاللہ تعالیٰ احمدیوں کا قدم ہاں خدا کی پاک جماعت کا قدم اس مینار بلند پر مستحکم پڑ گیا ہے۔جہاں تمہاری دعوتوں کے تیر نہیں پہنچ سکتے۔انشاءاللہ تعالیٰ تم کیوں خواہ مخواہ اوپر خاک پھینک کر اپنے منہ پر ڈالتے ہو۔اگر عرب سے ایک آواز نکلی تھی کہ آج شیطان اس بات سے ناامید ہو گیا کہ جزائر عرب میں اس کی فرمانبرداری کی جائے تو یہاں سے بھی یہی آواز نکل رہی ہے۔آج دنیا کے تمام مذاہب اس بات سے مایوس ہو جاویں کہ احمدی ان میں پھر داخل ہوں گے۔فالحمدللہ رب العالمین کیا وہ جو مصفا چشمے کا پانی پی چکے ہیں تم انہیں پھر سنڈاس پر لے جانا چاہتے ہو۔جہاں سے پانی لینا تو در کنار کھڑے ہونا بھی مشکل ہے۔کیا وہ جو جنات نعیم میں رہتے ہیں تم انہیں اس جنگل میں لے جانا چاہتے ہو جہاں اوہام باطلہ وعقائد نالدہ کی جھاڑیوں کے ساتھ کچھ نہیں۔دیکھو تم خوب کان کھول کر سن لو کہ احمدی انشاءاللہ تعالیٰ جاذب ہیں اور راکب ہیں۔وہ ایک دنیا کو اپنی مقناطیسی قوت قدسیہ سے انشاءاللہ تعالیٰ اپنی طرف کھینچیں گے۔پر خود تمہاری طرف کھچے کھچے نہ جائیں گے۔وہ انسان پرست نہیں بلکہ خدا پرست ہیں۔کسی انسان کی موت ان کو طریق حق سے ڈگمگا نہیں سکتی۔“

اس مقام پر دعاوی کی وضاحت انہیں کھلے کھلے الفاظ میں کرتے ہیں۔ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان دعاوی پر ایمان لاتے ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات سے ان کی پختگی میں ذرا برابر بھی فرق نہیں پڑا۔خدا ہمارے ساتھ ہے۔ہم خدا کے ہیں۔اور خدا ہمارا حامی و ناصر ہے۔یہ صدمہ اگرچہ عظیم ہے۔مگر ہمارا خدا ہمارا ساتھ دے گا۔اور ہم دنیا میں بڑھتے چلے

جائیں گے۔اوراپنے عقائد سے سرِمُوانحراف نہیں کریں گے۔

’’سنو! ہرایک احمدی اس عقیدہ پر قائم ہے کہ مبارک ومطہر ومقدس وجود جسے مرزا قادیانی کہتے تھے۔خدا کا برگزیدہ نبی ہے۔وہ اکثر انبیاء بنی اسرائیل سے افضل ہے۔وہ واقعی بروز مصطفیٰ ہے۔وہ حبیب کبریا ہے۔وہ جری اللہ فی حلل الانبیاء ہے۔ہاں وہی ہے۔جسے خدا نے بمنزلہ اولاد بمنزلہ عرش فرمایا اور جسے کہا کہ تیرا ظہور میرا ظہور ہے اور میں تجھ سے ہوں۔اور تو مجھ سے ہے۔وہ آسمان نبوت کا شمس بھی ہے اور قمر بھی ان کا بھید خدا کا بھید ہے۔وہ خدا کی مجسم قدرت ہو کر ظاہر ہوا۔ اور اس نے وہ کام کیا کہ اگر تمام جہان بھی مل کر کرتا تو نہ کرسکتا۔اس کے لئے میرے مولا کریم نے بے شمار نشان دکھلائے یہ کیوں؟ تا کہ دنیا جان لے کہ خدا ہے۔اور وہ لامحدود قدرتوں والا خدا ہے۔ پس ہم اس زندہ حی و قیوم خدا قادر وتوانا خدا کے پرستار ہیں۔اور اس کے احکام کے تابعدار جس طرح تیرہ سو برس اس سے پیشتر احمد ہم سے جدا ہوا۔اس طرح غلام احمد ہم سے جدا ہو چکا ہے۔پر ہمارا خدا ہم سے جدا نہیں ہوا۔وہ ہماری تائید میں ہے۔ہماری نصرت میں ہے کیونکہ ہمارا ذرہ ذرہ اس کی تائید ونصرت میں ہے۔یہ مت کہو کہ مرزا وفات پا گیا ہے۔تو اس کے خیالات بھی مر چکے۔ ہرگز نہیں۔بلکہ اچھی طرح سے سن لو کہ آگے اگر ایک مرزا تھا تو اب اس مرزا کی بجائے چار لاکھ انسان اس کی روح وقوت میں باطل کا سر کچلنے کے لئے موجود ہیں۔پہلے وہ خاموش تھے۔اس خیال میں کہ ہمارا امام موجود ہے۔وہی سب کام کر رہا ہے۔مگر اب ان کو محسوس ہو چکا ہے۔ہر ایک کا جوا اس کی گردن پر ہے۔پس اے مخالفو! اب ایک کی بجائے چار لاکھ سے تمہارا مقابلہ ہے۔اس روحانی جنگ میں فتح اس کو ہوگی جو صداقت کے ہتھیاروں سے مسلح ہے۔اس بات کا وہم تک بھی اپنے دلوں میں نہ لاؤ کہ احمدی تم میں پھر شامل ہو جائیں گے۔یا وہ اپنے عقائد اور خیالات میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا کرلیں گے یا تمہارے ساتھ پھر نمازیں پڑھنی شروع کر دیں گے۔وہ خالص دودھ کی مانند ہیں۔اور خوب جانتے ہیں کہ پھٹے ہوئے دودھ کے ساتھ ملنے سے خالص دودھ بھی

پھٹ جاتا ہے۔ وہ الگ رہنا چاہتے ہیں۔ ان کا امام تم کو پیام صلح دے چکا ہے۔ مگر اس کے لئے ایک ہی طریق ہے کہ تم اپنی مخالفت کا ہتھیار ان کے آفیسر کے حضور میں ڈال دو۔ اور اس حصار عافیت میں آبیٹھو جو دنیا اور مافیہا کے مکروہات سے ہر طرح محفوظ ومصون ہے۔

آخر میں احمدی کے یقین محکم کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ اس نورانی چہرہ کو دیکھ چکے ہیں اور اس کے ہو چکے ہیں اب وہ کسی کو نظروں میں نہیں لا سکتے۔ کیسے اخلاص اور یقین سے لکھتے ہیں۔

دیکھو میں پھر کہتا ہوں اور ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ اگر تم کسی احمدی کے پرخچے بھی اڑا دو۔ اور اس کی بوٹی بوٹی کر کے ذرہ ذرہ بنا دو تو ہر ذرہ سے یہ آواز آئے گی کہ عیسیٰ مر گیا۔ اور غلام احمد وہی مسیح و مہدی ہے جس کی بشارت افضل الرسل خاتم الانبیاء وعلیہ التحیۃ والثناء نے دی۔ عبدالحکیم کی پیشگوئی کے بت پر خدا کی طرف سے کذب کا سیاہ پوڈر پھر گیا۔ لیکن اگر وہ مہینہ اور دن اور وقت بھی بتا دیتا اور پھر بھی ایسا ہوتا تو احمدیوں کے ایمان متزلزل نہ ہوتے کیونکہ وہ استراق السمع کے قائل ہیں۔ اور عبدالحکیم خود مانتا ہے یا تینی صادق و کاذب۔ اس کی کوئی تعلیم نہیں اس کا استقلال اس سے کہ اردو و انگریزی تفسیر میں مرزا کو مسیح و مہدی مانتا ہے ظاہر ہے۔ اس کی تفسیر کا بڑا حصہ نورالدین کی فصل الخطاب وغیرہ سے لیا گیا۔ بھلا وہ جو ہزاروں نشان کسی کے صدق کے دیکھ چکے ہیں۔ کسی ایک ''درخ'' کہنے والے کے بروز کی باتوں کا اثر قبول کر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ثناء اللہ لاکھوں موقع جاری کرئے۔ پر جنہوں نے میرے محبوب کا موقع دیکھا ہے وہ اس پر تھوکنا بھی گوارا نہ کریں گے۔ اے آندھی دنیا تو نے وہ کچھ نہیں دیکھا جو کچھ ہم نے دیکھا۔ ورنہ تو ان فریب دہ جھوٹ کی مورتوں پر فریفتہ نہ ہوتی۔ ہم نے جس چشمہ سے پانی پیا ہے۔ اگر تمہیں اس سے ایک گھونٹ بھی مل جاتا تو تم سوآب حیات اس پر قربان کر دیتے۔ وہ پیارا پیارا نورانی چہرہ جو ہم نے دیکھا ہے۔ اگر تم پر اس کی ایک جھلک بھی پڑ جاتی تو صد قصہ ہائے طور بھول جاتے۔ جس باغ کی ہم نے سیر کی۔ اگر تم اس کا ایک کانٹا بھی دیکھ لیتے۔ تو پھر ہزار گلزار تمہاری نظر میں نہ جچتے۔ جو لذیذ غذا ہم نے کھائی۔ اگر اس کا

ایک لقمہ کیاایک ذرہ بھی چکھ لیتے۔تو دنیا کی کوئی لذت تمہیں فریفتہ نہ کرسکتی۔ہاں میں سہ کرراً اعلان کرتا ہوں کہ ہم موسیٰ کے وہ مرید نہیں جنہوں نے کہا کہ اذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون اور نہ ہم انا مدرکون پکارنے والے ہیں۔ہم یسوع کے حواری نہیں جو اپنے آقا کو مصیبت میں گرفتار دیکھ کر لعنت کہتے ہوئے کھسک گئے۔ہم وہ نہیں جو امر خلافت پر اختلاف کرنے والے ہیں بلکہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ مٹ کر اس کی خاک راہ کا ذرہ بن چکے ہیں۔ہاں ہم وہی ہیں جو ایک دن اس پر ظلمت دنیا پر آسمان صداقت کا آفتاب ہو کر چمکیں گے۔اور دنیا کی کل قومیں ہمارے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گی۔انشاء اللہ تعالیٰ ۔(بدر دسمبر 1908ء)

مخالفین کو تو آپ نے یہ جواب دیا کہ تمہاری خوشیاں جھوٹی خوشیاں ہیں۔ چند روزہ ہیں۔ حقیقت سے عاری ہیں۔اس لئے اتنے نہ پھولو کہ بعد میں شرمندگی سے سر نہ اٹھا سکو۔ہم قرون اولیٰ کے ساتھ ہیں۔جن کا آخرین منھم میں وعدہ ہے۔لہٰذا ایمان سے پھر جانا ناممکن ہی نہیں بلکہ تصور کرنا بھی ہم پر ظلم ہوگا۔تو اس وقت جماعت احمدیہ کو بھی ایک مضمون بعنوان ''ہمارا مستقبل'' لکھ کر ان کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا۔اپنی حیثیت پہچانو۔اپنے وعدے اور قول وقرار یاد رکھو اور اسی کے مطابق عمل کرو کہ اس میں دین و دنیا کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔فرماتے ہیں:

''............ ہمیں اپنے مشن کی اشاعت کے لئے یہ دیکھنا ہے کہ صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ کے بعد کیا کیا تھا۔کیا وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھ رہے تھے۔یا یہ کہ دور دراز ملکوں میں نکل گئے تھے۔اور وہاں جا کر بود و باش اختیار کر لی۔اور اپنے نیک نمونے سے ملکوں کو نہیں بلکہ دلوں کی سرزمین کو فتح کر لیا۔پس اے میرے دوستو! اے میرے بھائیو! اے میرے عزیزو! تم اپنی پوزیشن پر غور کرو۔تم کوئی معمولی مسلمان نہیں ہو بلکہ تم وہ ہو جنہیں اس قادر توانا خدا نے اپنے دین کے احیاء کے لئے اپنے کلمہ کے اعلاء کے لئے چن لیا ہے۔اب تمہارا فرض ہے کہ تم ثابت کر دو۔ہم ہی وہ ہیں جن کی نسبت قرآن کریم میں بشارت دی گئی ہے۔**و آخرین**

منھم لما یلحقوا بھم یادرکھو ہر چیز اپنے وصف سے پہچانی جاتی ہے اگر تم وہ خصوصیتیں پیدا نہ کرو گے جو صحابہ کرام میں تھیں تو کس طرح اس پاک جماعت کے جانشین کہلاؤ گے۔ دیکھو دنیا تم پر ناراض ہے کہ تم دنیا پرستوں کی اہواء کے تابع نہیں مگر میرے عزیزو! کتنے بڑے افسوس کی بات ہے۔ جب دنیا کا پیدا کرنے والا بھی تم پر ناراض ہو کہ تم نے حق عبودیت ادا نہ کیا تم نے عہد تو کر لیا کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے مگر عملی رنگ میں اس عہد کو نہ نبھایا اور تمہارے اعمال نے گواہی دی تو یہ کہ ہر حرکت ہر سکون میں دنیا کو دین پر مقدم کرتے رہے۔ عبد کہلانا آسان ہے پر عبد بننا بہت ہی مشکل ہے۔ عبودیت فنا ہو جانے کو کہتے ہیں اور بیعت کرنا بک جانے کو۔ جب فنا ہو گئے جب کسی کے ہاتھ بک گئے تو پھر اپنی اولاد کیا اپنا مال کیا اور اپنی جان کیا۔ وہ تو سب کچھ اسی کا ہو چکا جس کے ہم ہو گئے۔ اور سلف صالحین کے سوانح ہمیں بتاتے ہیں کہ یہ سودا نفع کا سودا ہے۔ اس میں کوئی نقصان نہیں وہ کون ہے جس نے خدا کے لئے کچھ خرچ کیا اور اس سے دگنا چوگنا اسی دنیا میں پایا۔ پس اگر ہم خدا کے لئے کچھ چھوڑیں گے تو ہرگز یہ نہ ہوگا کہ ہم سے سب کچھ چھوٹ جائے گا بلکہ ہمیں اس سے بڑھ کر دیا جاوے گا۔ آؤ اپنے مال کو اس کی راہ میں فدا کر دیں تا کہ وہ مال پائیں جو ہمیشہ ہمارے پاس رہے۔ آؤ اپنی جانیں اس محبوب پر قربان کر دیں تا وہ ابدی حیات پائیں۔ جس کے لئے کوئی فنا نہیں۔ آؤ اپنی اولاد کو دین کے لئے وقف کر دیں تا کہ وہ اولاد پائیں جو ابد الآباد تک آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہو۔ آؤ راتوں کو بہت دیر سونا چھوڑ دیں تا کہ وہ نیند پائیں جو ہمہ سرور ہے۔ آؤ اس کی راہ میں سفر اختیار کریں تا کہ وہ منزل مقصود پائیں جو محبوب ازل کی منزل ہے۔ کچھ پرواہ نہیں۔ اگر ہمارے پاس کوئی نقدی نہیں۔ نقد دل نقد جان اور نقد ایمان تو ہے۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر ہمیں ملانوں سا علم نہیں آخر صحابہ بھی امی ہی تھے۔ گو ہم عالم نہیں پر وہ تو عالم ہے۔ جس کے نام کی تسبیح و تقدیس کے لئے ہم نکلے۔ اجی کچھ فکر کی بات نہیں۔ اگر ہماری اولاد کے لئے کوئی وجہ معاش نہیں۔ وہ ما من دابۃ الا علی اللہ رزقھا کا وعدہ کرنے والا تو زندہ ہے وہ

خودان کے سامان پیدا کر دے گا۔

آؤ ہم شمع کی مانند سوز و گداز پیدا کریں۔تا مخلوقِ خدا ہم پر پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ آؤ ہم چشمہ شیریں بن جائیں تا کہ پیاسے خود بخود ہماری طرف بڑھیں۔آؤ نور بن جائیں تا کہ ہماری روشنی سے ظلمت کدہ عالم سے ظلمت دور ہو۔ (بدر 17 دسمبر 1908ء)

اس طرح آپ مخالفین کو دندان شکن جواب دیا۔اور احمدیوں کو ان کے فرائض کی طرف با حسن پیرایہ میں توجہ دلائی۔آپ نے اس کے علاوہ ہر اس مخالف کا مقابلہ کیا جس نے اخبار میں بحث کا چیلنج دیا۔اور اس کو دق کر دیا۔کہاں تک کہ وہ خاموش ہونے میں عافیت محسوس کرنے لگا۔بہائیوں کے ساتھ بحث کا ذکر پہلے ہو چکا۔اب یہاں چند ایک کے ذکر پر اکتفا کروں گا۔

ایک موقعہ پر خواجہ کمال الدین صاحب کو نبوت پر بحث کی سوجھی۔اور انہوں نے الفاظ میں چیلنج دے دیا۔''میرے ساتھ بحث کرنے کا یہ طریق نہیں کہ میرے ساتھ حضرت مرزا صاحب کا کوئی ایسا فقرہ یا سطر پیش کی جائے ....مسئلہ نبوت میں تو میں صرف قرآن و حدیث پر چلتا ہوں ....میں حضرت مرزا صاحب کا اس دن تک عاشق و والہ ہوں جب تک وہ میری سمجھ اور ایمان میں احمد نہیں بلکہ غلام احمد ہے۔نبی نہیں بلکہ امتی ہے۔اس تحریر سے میرا مطلب یہ ہے کہ اگر کوی مدعی نبوت یا اس کا کوئی پرستار قرآن پر ایمان رکھتا ہے تو پھر صرف قرآن کے ماتحت وہ مجھ سے مسئلہ نبوت پر گفتگو کرے۔''

حضرت قاضی صاحب اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں اور یہ واضح کرنے کے بعد کہ خواجہ صاحب کے مضمون میں کوئی نئی چیز نہیں وہی پرانی رٹی باتیں لکھی ہیں۔جس کا بار بار رد ہو چکا ہے۔پھر بھی ہم حضرت کو قبول کرتے ہیں۔فرمایا:''..................ہمیں میدان وہمیں چوگان۔خواجہ صاحب پر اس وقت تک کھانا حرام ہے۔جب تک ہم سے فیصلہ نہ کر لیں وہ فرمائیں کہ بالمشافہ تقریری بحث چاہتے ہیں یا تحریری ہی خوب رہے گی۔وہ طریق بحث لکھیں یا مجھے اجازت دیں۔میں پیش

کروں۔ پھر فریقین کے پرچے اخبار پیغام اور الفضل میں چھپتے جائیں۔ اگر ہمت ہے جرات ہے۔ایمانی قوت ہےتو اٹھیں اور سامنے آئیں۔مگر مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے امیر کے مانند کبھی مقابلہ پہ نہیں آئیں گے کہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد بھی حضرت قاضی صاحب نے مضامین میں خواجہ صاحب کو مخاطب کیا۔مگر وہ مقابل نہ آئے۔اس طرح مولوی ثناءاللہ صاحب سے اکثر سوال جواب رہتا۔جب بھی وہ قلم اٹھاتا ۔اس کی قلم توڑ دی جاتی۔آئیں بائیں شائیں تو ہر کوئی کر لیتا ہے اگر ایک عالم دین اور خود کو سردار علماء تصور کرنے والا وجود ایسا کرے تو ڈوب مرنے کا مقام ہے۔اگر اخبارات کی ورق گردانی کی جائے تو حضرت قاضی صاحب کے اکثر مضامین مولوی صاحب کے خلاف نظر سے گذریں گے۔ اور آخر آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مولوی صاحب ایک دلیل کا بھی جواب نہ دے سکے۔آپ بار بار اکساتے بھی رہے۔اصرار بھی کیا۔غیرت بھی دلائی مگر جواب اگر بن پڑ سکے تو دیں۔ایک مسئلہ پر بھی تو جم کر بحث نہ کر سکے۔اور ہر دفعہ قرآنی آیت کریمہ کی صداقت پر مہر ثبت کی دی۔ جاء الحق وزھق الباطل۔

ایک مثال پیش کرتا ہوں۔6 جنوری 1922ء کو مولوی صاحب نے ''جھوٹوں کا ہرگز اعتبار نہ کر'' کے عنوان سے ایک نہایت سخت مضمون لکھا ہے جس میں دریدہ دہنی سے حضرت مسیح موعود کی ذات ستودہ صفات پر نہایت بزدلانہ مکارانہ حملہ کیا۔اور لکھتے لکھتے یہاں تک لکھ گئے:

''کہ اگر صحاح ستہ کے مصنفوں میں سے کوئی زندہ ہوتا تو مرزا صاحب قادیانی اور ان کے اتباع کو واضعین احادیث میں لکھ کر ان کی کل روایات کو موضع بتاتے۔''اس پر بس نہیں کیا بلکہ اپنے علم کا سکہ جمانے اور علمیت کو شہرت دینے کے لئے ایک عدد چیلنج بھی دے مارا۔یہ مانتے ہوئے کہ لگا لیں زور میں کو اسفید مان چکا۔

چیلنج:

مرزا صاحب خود بدولت اپنی کتاب تحفہ گولڑ ویہ کے صفحہ 73 پر حاشیہ میں لکھتے ہیں۔نسائی نے ابوہریرہؓ سے دجال کی صفت میں حضرت ﷺ سے یہ حدیث لکھی ہے۔ **یخرج فی آخر الزمان دجال یختلون الدنیا بالدین** .... حالانکہ اصل حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ **یخرج فی آخر الزمان رجال یختلون الدنیا بالدین** (مشکوٰۃ باب الریا) یعنی بجائے دجال کے رجال ہے۔اور رجال جمع رجل کی جس کے معنے ہیں بہت سے لوگ .... چونکہ یہ حدیث دراصل مرزا صاحب جیسے دنیاداروں کے حق میں تھی۔اس لئے مرزا صاحب نے اس کو بگاڑ کر پادریوں کے حق میں لگا کر ان کو دجال بتادیا۔

قادیان اور لاہور کی پارٹیوں سے تعلق رکھنے والو بلکہ ان کے سوا بھی کسی اور پارٹی کے ممبرو۔ اگر تم مرزا صاحب قادیان کی روایت مندرجہ تحفہ گولڑ ویہ صفحہ 73 کسی کتاب سے دکھا دو تو لدھیانہ کا تین صدروپیہ تم سے لیا ہوا واپس کرنے کا وعدہ لکھا لو۔ (اہلحدیث 6 جنوری 1922ء صفحہ 2)

اس چیلنج کو حضرت قاضی اکمل صاحب نے منظور کیا۔اس کا جواب ان الفاظ میں دیا۔لکھا:

''ہم بڑی خوشی کے ساتھ مولوی ثناء اللہ صاحب کا چیلنج منظور کرتے ہیں۔وہ تین سو روپیہ جمع کردیں اور ایک معقول مجلس میں جس میں فریقین کے آدمی مساوی ہوں گے۔ پہلے آپ کے چیلنج کے الفاظ پڑھے جائیں گے پھر ہم خدا کے فضل سے نہ صرف کسی کتاب سے بلکہ مشہور کتاب حدیث سے ہی یہ الفاظ دکھا دیں گے۔ **یخرج فی آخر الزمان دجال یختلون الدنیا بالدین** ....اس کے ساتھ ہی لکھا۔

الفاظ دکھانے پر تین سو روپیہ الفضل کے قائمقام کے حوالے کرنے ہوں گے۔مگر مجھے اس وقت ایک حدیث یاد آ رہی ہے جس کی بناء پر سب کہہ سکتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب جواب سردار اہلحدیث بن رہے ہیں۔اپنی تحریر پر قائم نہیں رہیں گے اور جس طرح بھی ہو سکے۔اس پیالہ کو ٹالنے کی کوشش کریں گے۔اور کچھ ایسی شرطیں نکالیں گے جس سے بچاؤ ہو سکے بہرحال ایک دفعہ

اور دنیا پر ثابت ہو جائے گا کہ ثناء اللہ کو حضرت اقدس قادیانی علیہ السلام الصلوٰۃ کے خدام کے مقابلہ میں سخت ہزیمت ہوئی۔(الفضل 7 جنوری 1922ء)

اس کے جواب میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے مندرجہ ذیل مراسلہ دفتر اہلحدیث سے 14-1-1922 کو روانہ کیا۔

''جناب ایڈیٹر صاحب الفضل''

الفضل 9 جنوری میں میرے چیلنج کی منظوری از جانب قاضی اکمل صاحب شائع ہوئی ہے۔ جس میں موصوف نے مجھ سے تقاضا کیا ہے کہ میں مبلغ تین صد روپے انعامی رقم جمع کرا دوں۔تو وہ حدیث مندرجہ تحفہ گولڑویہ صفحہ 73 دکھا دیں گے۔جس کے الفاظ یہ ہیں۔ **یخرج فی آخر الزمان دجال** .... اس لئے میں آپ کے ذریعہ سے آپ کے ناظرین کو عموماً اور خود قاضی صاحب کو خصوصاً اطلاع دیتا ہوں کہ میں نے حسب تحریر ان کے مبلغ تین سو ارکان حاجی نور احمد صاحب سوداگر چرم امرتسر جمع کرا دیا جس کی اصل رسید بھی ارسال ہے۔

یہ تو احمدی علماء کو بھی معلوم ہوگا کہ اہل علم کے نزدیک یہ قاعدہ مسلم اور مروج ہے کہ جس کتاب مخرج کے الفاظ میں شک ہو۔اس کی تصحیح مسند سے کی جاتی ہے۔.................. پس ہم دونوں فریق اس مقبولہ اصولوں کے پابند رہیں گے۔ ہاں اس امر کے اظہار یا شرط کی ضرورت نہیں کیونکہ بعد عدم ثبوت یہ خود بخود ثابت ہو جائے گی کہ مرزا صاحب قادیان روایت حدیث میں معتبر یا محتاط نہ تھے۔

مجلس دفتر اہلحدیث میں ہوگی جس میں میری طرف سے میں علاوہ چار اہل علم ہوں گے۔اتنے ہی حسب وعدہ آپ لوگ۔دن کسی اتوار کا ہوگا اور وقت نو بجے صبح جب آپ آنا چاہیں۔مجھے ایک روز پہلے اطلاع کر دیں۔

میں ہوں احمدیوں کا بہی خواہ

ابوالوفاءثناءاللہ ایڈیٹراہلحدیث امرتسر‘‘

اس میں مولوی صاحب نے اپنی دانستہ میں بڑی چالاکی سے تحریف کی ہے۔مگر پکڑنے والے بھی عقاب کی نظر رکھتے ہیں۔حضرت قاضی صاحب اس کا جواب دیتے ہوئے اس تحریف کی نشاندہی کر دیتے ہیں۔لکھا: ’’ہم نے پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ مولوی صاحب ٹالیں گے جب دیکھا صیادسر پر ہے اور ایک ہی ضرب کام تمام کردے گی تو دوسرے سوراخ سے سر نکالا مگر ع

جلوے میری نگاہ میں کون ومکاں سے ہیں

مجھ سے کہاں چھپیں گے ایسے کہاں کے ہیں۔‘‘

اس کے بعد حضرت قاضی صاحب ان تحریفات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

1۔مولوی صاحب وضع حدیث سے روایت میں معتبر یا محتاط نہ ہوں گے پر آ گئے۔

2۔کتاب مخرج نہیں کوئی مسند دیکھی جائے گی۔

3۔رسید سے عیاں ہے کہ روپیہ دینے پر تیار نہیں۔الفاظ یہ ہیں۔

باعث تحریر آنکہ مبلغ تین صدروپیہ نصف جس کے مبلغ ایک سو پچاس روپیہ ہوتے ہیں۔مولانا ابوالوفاءثناءاللہ صاحب امرتسری نے برائے فیصلہ مرزائیاں ہمارے پاس امانت جمع کروادیا ہے۔ لہٰذا رسید لکھ دی ہے کہ سندرہے۔

حاجی نوراحمد میونسپل کمشنر۔مالک دوکان موسومہ حاجی غلام حسین نوراحمد سوداگران چرم امرتسر

مورخہ 13 جنوری 1922ءنوراحمد بقلم خود

اس رسید میں بھی رقم ہے۔

1۔کہ امین سخت مخالف ہے۔اس نے احمدی لکھنا بھی گوارا نہ کیا۔

2۔الفاظ مبہم ہیں۔فیصلہ مرزائیاں۔کون سا فیصلہ کوئی تصریح نہیں۔

3۔امین کو حق ہی نہیں دیا گیا کہ وہ حوالہ پیش کرنے پر روپیہ دے سکے۔

4۔ امین مسلمہ فریقین چاہئے۔ ہمارے نزدیک یہ ہیں۔ شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر۔ شیخ عبدالعزیز صاحب۔ پنڈت ستونرائن صاحب وکیل ہائی کورٹ

آخر میں تحریر فرماتے ہیں۔ آپ روپیہ باضابطہ شرائط معقولہ جمع کرائیں۔ اور اپنے چیلنج کے الفاظ پر آئیں۔ اس کے بعد جب مولوی صاحب سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو 3 فروری کے اہلحدیث کے پرچہ میں یہ لکھ دیا۔ ''5 فروری امرتسر آؤ تو آؤ ورنہ پھر روپیہ دینا میری مرضی پر موقوف ہوگا۔''

مولوی صاحب تو سمجھے نہ کوئی آ سکتا ہے اور نہ آئے گا اور میرا پیچھا چھوٹ جائے گا۔ مگر احمدی موقع کب ضائع کرنے والے۔ قائمقام ایڈیٹر الفضل چوہدری نصر اللہ صاحب وکیل ہائی کورٹ مولانا فضل الدین پلیڈر اور سید محمد اسحاق صاحب مولوی فاضل وقت پر امرتسر ہی پہنچ گئے۔ انہوں نے تو فروری کو اطلاع کر دی کہ ہم آ گئے ہیں۔ مگر مولوی صاحب نے پہلے تو نئے امین کا جھگڑا کھڑا کر دیا۔ پھر کتابت کی غلطی کے فیصلے کا امین کو حق دیں گے اور پھر یہ مطالبہ کر دیا کہ تم حلف اٹھاؤ کہ یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں۔

ہماری طرف سے بہتیری کوشش کی گئی کہ مولوی صاحب راہ راست پر آ جائیں اور فیصلہ ہو جائے۔ بار بار کہا گیا کہ تم نے چیلنج کیا۔ ہم نے قبول کیا۔ اب فیصلہ کرو۔ آ کر تنگ آ کر نویں چٹھی میں لکھ دیا کہ آج تین دن ہوئے ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ اور آپ فیصلہ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے اور انحراف کر رہے ہیں تو ہم واپس جاتے ہیں۔ اس طرح وقت کو کیوں ضائع کریں۔

اس کے جواب میں مولوی صاحب نے لکھا کہ یہ آپ نے کیا لکھ دیا کہ ہم آج قادیان جانے والے ہیں۔ کیا آگ لینے آئے تھے۔ کیا آئے کیا چلے۔ مگر ہمارا گروپ واپس ہوا۔ کیونکہ کوئی بھی عقل مند مولوی صاحب کے رویہ سے مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے مایوس حالت میں وقت ضائع کرنے سے کیا حاصل۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے چار شرائط پیش کیں کہ کسی طرح ہی فیصلہ ہو جائے بلکہ تین سو روپیہ کا چیلنج بھی دیا کہ اپنا انحراف نہ کرنا ثابت کر کے تین سو روپیہ نقد حاصل کرو۔

اول۔ اگر مولوی صاحب چیلنج بدلنا چاہتے ہیں تو پہلے آپ جنوری والے چیلنج) غلطی کا اقرار کریں۔ دوئم: ہم تین سورو پیہ انعام رکھتے ہیں۔ اگر مسلمہ فریقین شخص یہ حلفیہ فیصلہ دے کہ 6 جنوری کے اہلحدیث کے چیلنج کے یہ معنے ہیں جواب مولوی صاحب بیان کررہے ہیں تو یہ روپیہ انہیں دے دیا جائے گا۔ سوئم: حاجی نور احمد صاحب موکد بعذاب قسم کھائیں کہ چیلنج کا یہی منشاء ہے جواب مولوی صاحب بیان کررہے ہیں۔ تو میرے بچوں پر خدا کا عذاب نازل ہو۔ ہم رفع نزاع کے لئے مان لیں گے کہ مولوی صاحب نے اپنے چیلنج میں تحریف نہیں کی۔ چہارم: مولوی کا حلفیہ موکد بعذاب اعلان کریں کہ کتاب سے نقل کرنے والا۔ اگر غلطی کرے تو اصطلاح میں واضع حدیث و دجال ہوتا ہے۔

اگر چاروں باتوں میں سے ایک بات بھی نہ ہوئی تو مذہبی دنیا گواہ رہے کہ ثناء اللہ نے مقابلہ سے نہ صرف فرار کیا۔ بلکہ اپنی بطالت پر اپنے ہاتھوں سے مہر لگادی۔ اور اپنی گردن پر خود چھری پھیرلی۔ (الفضل 16 فروری 1922ء صفحہ 6۔7)

اس کے بعد بھی حضرت قاضی صاحب ہر موقعہ پر مولوی صاحب پر گرفت کرتے رہے مگر مولوی صاحب اگر فیصلہ کرنا چاہتے تو راہ راست پر آتے۔ انہیں تو چیلنج دینا مقصود تھا۔ فیصلہ حوالہ بخدا۔ جب مولوی صاحب نے دیکھا کہ اب اس سے بچنا مشکل ہے تو ایک اور انعامی چیلنج دے دیا کہ مرزا صاحب نے حمامۃ البشریٰ صفحہ 88 پر من السماء کے الفاظ حذف کر دیئے ہیں۔ تا وفات مسیح پر استدلال ہو سکے اس کے جواب میں حضرت قاضی صاحب تحریر کرتے ہیں:۔

''پچھلے دنوں مجھ کو مولوی ثناء اللہ کے ایک اور انعامی چیلنج کو پڑھ کر بہت حیرت ہوئی۔ اس کے جواب میں میں چاہتا ہوں کہ کچھ لکھوں۔ مگر میں جانتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ پھر اس روباہ بازی سے کام لینا شروع کر دیں گے۔ اس لئے چند امور لکھتا ہوں۔ شرائط پھر طے ہو جائیں گے۔

اوّل۔ دعویٰ کو متین کریں۔ تا کہ فیصلہ ہو سکے کہ حضرت مرزا صاحب نے حدیث ابن عباس

مندرجہ حمامۃ البشریٰ صفحہ 89 / 88 میں بد دیانتی کی ہے۔ اور جان بوجھ کر لفظ من السماء کو اپنے دعوے کے خلاف پا کر ہضم کر گئے۔ مولوی صاحب ثبوت دیں گے ہم تردید کریں گے۔

دوئم: فیصلہ کنندہ کا فیصلہ بحلف موکد بعذاب ہوگا۔ سوئم: اور فیصلہ کرنے والا منتخب کر لیا جائے۔ ہم تین اہلحدیث سے منتخب کرتے ہیں۔ جس سے مولوی صاحب چاہیں وہ فیصلہ کرے گا یا وہ ہم سے تین فرد منتخب کر لیں۔ جو شخص منتخب ہوگا وہ پنجاب میں سے ہو اور فیصلہ کرنے کی قابلیت اور اہلیت رکھتا ہو۔

چہارم: یہ مجلس گورداسپور میں منعقد ہو۔

مگر مولوی اپنے دعویٰ کا ثبوت رکھتے ہیں اور عوام کو یونہی دھوکہ دینے کی کوشش نہیں کرتے تو مقابلہ میں آئیں۔ اور اپنے دعویٰ کو ثابت کریں۔ یہ کیا فضول بات ہے کہ انعامی چیلنج تو دے دیئے مگر فیصلہ کی طرف نہ آنا۔ اور تصفیہ کی راہ اختیار نہ کرنا۔

اس مضمون میں اور اس کے بعد حضرت قاضی صاحب نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو بارہا اس چیلنج پر قائم رکھنے کی کوشش کی۔ غیرت دلانے والے الفاظ بھی استعمال کئے۔ سرداری کا واسطہ بھی دیا۔ مگر انہوں نے فیصلہ کے لئے چیلنج دیا ہوتا تو اس طرف آتے۔ فہرست مضامین سے معلوم ہوگا کہ کس طرح قاضی صاحب نے مولوی صاحب کا تعاقب کیا کہ آخر وہ کچھ عرصہ خاموش رہے۔ اعتراض کرنا تو ان کی عادت تھی مگر مقابلہ پر آنا اور پھر شکست تسلیم کرنا ان کے مزاج نازک پر سرد ہوا کے جھونکے کے مترادف تھا۔

غیر کے رد کے ساتھ ساتھ غیر کے پھیلائے ہوئے فریب سے اپنوں کو بچانا ضروری ہے جیسا کہ انظرنا سے منع کیا۔ اس طرح آپ نے جب بھی دیکھا کہ غلط رجحان پیدا ہو رہا ہے آپ نے اس کے خلاف نہایت مناسب الفاظ میں توجہ دلائی۔ ریلوے والوں نے قادیان کا نام قادیان مغلاں رکھ دیا اور لوگ بھی یہی کہنے لگے۔ آپ کے جذبات کو ٹھیس پہنچی۔ آپ نے اپنے جذبات کا ان الفاظ

میں اظہار کیا۔’’ریلوے والوں نے باوجود ہمارے اعتراض کے سٹیشن کا نام قادیان مغلاں رکھ دیا ہے کیونکہ کاغذات مال میں یہ نام درج ہے۔اس کا اعلان دیکھ کر ہمارے بعض احباب کرام نے خطوط پر بجائے قادیان دارالامان کے قادیان مغلاں لکھنا شروع کر دیا ہے جو ٹھیک نہیں۔پس انہیں قادیان درالامان ہی حسب سابق لکھنا چاہئے بلکہ ہم تو چاہتے ہیں کہ سٹیشن کا نام صرف قادیان ہو................ ہماری بول چال،خط وکتابت اور تحریر میں کبھی قادیان کے ساتھ بجز دارالامان کے کوئی لفظ نہیں آنا چاہئے۔‘‘(الفضل 10 جنوری 1930ءصفحہ 5)

کس قدر نازک جذبات ہیں اور یہ غیر معمولی محبت و پیار کا کرشمہ تھا۔آپ برداشت نہ کر سکے کہ آپ کے پیارے ومقدس شہر کے ساتھ دارالامان نہ لکھا جائے۔اس طرح اکثر اخبارات میں احمدیوں کو قادیانی ومرزائی لکھا جانے لگا۔آپ نے ایک موقعہ پر ان کا رد کیا اور ان پر واضح کیا کہ تم غلطی پر ہو۔لکھا:

’’آپ کو اصرار ہے کہ ہم احمدیوں کو مرزائی وقادیانی کہنے میں حق بجانے ہیں۔مگر نہیں سوچتے کہ مرزا تو دنیا میں بہت ہیں .... ہم نے حضرت احمد رسل کو مرزا ہونے کی وجہ سے نہیں مانا۔پس ہمیں مرزائی کہنا چہ معنے۔قادیان میں ہندو بھی رہتے ہیں۔سکھ بھی چوھڑے بھی۔قادیانی کہنے سے آپ کا کیا منشاء ہے؟ ہاں ہمارے ہادی کا نام احمد تھا۔اس نام سے وہ بیعت لیتا تھا۔اسی نے ہم بھولے بھٹکوں کو راہ ہدایت دکھائی۔رسول عربی کے قدموں میں لا ڈالا۔حقیقی اسلام دکھایا۔ اس پر چلایا۔پس ہمیں احمدی کہو۔ان کی طرف نسبت کو ہم اپنی ذلت کیوں سمجھنے لگے۔ہماری روحوں کا ذرہ ذرہ اس طور ہدایت پر فدا ہے۔ہم اس کے اور وہ ہمارا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلیٰ مطاعہ۔‘‘(الفضل 29 اگست 1925ءصفحہ 6)

حضرت قاضی صاحب کا قلم آپ کے قبضہ میں تھا۔وہ جذبات میں بے قابو نہ ہوتا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کے خلاف نہ اٹھاتا اور وہ قلم جو حضرت صاحب اور سلسلہ کی ہتک کے زعم

میں اٹھایا جاتا اس کے خلاف حضرت قاضی صاحب کے قلم کی تیزی اور روانی حیرت انگیز ہوتی۔ مخالف کومحققانہ رنگ میں، الزامی رنگ میں، غیرت دلانے والے الفاظ میں اور طنزیہ رنگ میں جواب دینے میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔مگر آپ کو ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ مخالفت مذہبی رنگ میں اٹھائی جائے تا کہ اسلامی ماحول میں اختلاف آراء پر بحث ہو۔غیر اسلامی رنگ پیدا نہ ہونے پائے۔اس لئے آپ نے متعدد بار اپیل کی کہ اعتراض کرومگر شرافت سے۔سخت الفاظ لکھنے ہمیں بھی آتے ہیں۔ مگر کیا فائدہ۔ان میں سے ایک دو کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔تحریر کیا:۔

''حضرات۔آپ اس صحافت جدیدہ کے ارکان رکین ہیں جس کا ایک میں بھی فرد ہوں۔اس لئے یہ توقع کرنا بیجا نہ ہوگا کہ آپ میری نہایت ضروری گزارش کو توجہ سے سنیں گے۔

سلسلہ احمدیہ کے عقائد اگر آپ کے معتقدات کے خلاف ہیں ....تو آپ کو فی الواقع یہ حق حاصل ہے کہ اس پر اعتراض کریں یا کسی بات کو سمجھنے یا اس کا ضعف ظاہر کرنے کے لئے اس پر اپنی استعداد علمی کے مطابق خرچہ کریں۔لیکن یہ نہیں ہونا چاہئے کہ آپ متانت وسنجیدگی چھوڑ کر محض تمسخر واستہزا سے کام لیں .... ہمارے پہلوؤں میں بھی دل ہے اور ان دلوں میں احساس ہے۔ہمیں بھی اپنے معتقدات مال وجان سے پیارے ہیں۔یہ دعویٰ ہمارا زبانی نہیں ہمارا عمل اس پر گواہ ہے۔مگر ہم گالیاں اور اشتعال دلانے والی باتیں سن کر خاموش رہتے ہیں۔اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دیتے ....علمی اعتراضات کا جواب دینے کے لئے تو ہم ہر وقت تیار ہیں۔بلکہ جب کوئی شخص کوئی علمی اعتراض متانت سے پیش کرنے کے لئے ہمارے مقابل میں ہوتا ہے تو ہم ایسے ہی خوش ہوتے ہیں جیسے تجربہ کار شکاری اپنے شکار کے ٹھیک زد میں آجانے پر............''

حضرت مسیح موعود کے متعلق اعتقاد صریحاً لکھنے کے بعد حضرت قاضی صاحب نے نہایت زور دار الفاظ میں ایک غیرت مند مومن کی حیثیت سے ان پر واضح کر دیا کہ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے جان ومال سے پیارے مطاع پر ہتک آمیز الفاظ سے حملہ کیا جائے۔کیا خوب لکھا:۔

’’تو آپ کے لئے یہ کیوں جائز ہوگا کہ اس خدا کے برگزیدہ جاہ وجلال کے نبی، عظیم الشان نبی، ایک لاکھ چوبیس ہزار کی شان رکھنے والے نبی۔ انت منی و انا منك ـ ظہور کے ظہوری کے مخاطب نبی کو کھلے کھلے الفاظ میں گالیاں دی جس کے پانچ لاکھ جان نثار ابھی اس وقت زندہ ہیں۔ جو یہ گوارا کر سکتے ہیں کہ ان کے سامنے ان کا مال لوٹ لیں۔ ان کی اولاد کو ذبح کر دیں۔ خود ان کو پھانسیوں پر چڑھا دیں۔ آگ سے خندقیں بھر کر وہی کچھ کریں جو اصحاب الاخدود نے کیا۔ مگر یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ انکے مسیحا ان کے مرشد ومقتداء کو آپ گالیاں دیں۔ استہزا کریں۔ ناواجب کلمات کہیں............‘‘

آخر میں حضرت قاضی صاحب نہایت ہی کریمانہ رنگ میں ان کو سمجھاتے ہیں کہ شورش سے کیا حاصل۔ لکھو خوب لکھو۔ مگر شرافت کو تو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے اور لکھا کہ ہم بھی اہل قلم ہیں اور لکھنا بھی جانتے ہیں اور وہ بھی ایسا کہ سکہ منوائیں۔ مگر ہمارا حسن، ہاتھ شرافت، ہمارا وقار، ہماری اسلامی رواداری میں ہے اور اس کو ہم ہاتھ سے نہیں دینے والے۔ فرمایا:۔

’’شورش کا کچھ فائدہ نہیں۔ ہم نے بہت صبر کیا لیکن آخر ہم بھی انسان ہیں۔ ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں۔ آپ کیا جانیں کہ ہمیں روکنے کے لئے ہمارے موجودہ امام حضرت فضل عمر کو کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ جب 30 ستمبر کو ’’ستارہ صبح‘‘ نکلا اور جماعت احمدیہ سخت برافروختہ ہوئی اور جماعت کے خطوط آنے لگے۔ اس لئے نہیں کہ اس میں کوئی اعتراض تھا بلکہ اس لئے کہ اس میں بہت گالیاں تھیں۔ تو اس حالت کا اندازہ کرتے ہوئے حضور نے مجھے تار دیا کہ اپنے قلم کو کچھ کہنے سے روکو۔ یہ حکم عین وقت پر ملا۔ جس کی تعمیل میرا فرض تھا۔ ورنہ خدا جانے قلم سے کیا کچھ نکلتا۔ پھر ظفر علی خان صاحب بھی دیکھ لیتے کہ جماعت احمدیہ میں بھی اہل قلم ہیں............مگر کیا کیا جائے۔ ہم اپنے امام کے حکم سے مجبور ہیں۔

پس کیا آپ ہماری یہ دوستانہ درخواست منظور فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں گے کہ آئندہ آپ جو کچھ

بھی لکھیں۔شرافت اور تہذیب سے،متانت اور سنجیدگی کے ساتھ اعتراض کریں۔ہم خدا کے فضل سے جس عقیدہ پر قائم ہیں۔اس کی حقانیت پر ہزاروں دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ رکھتے ہیں جو ہم پیش کر سکتے ہیں .... اگر آپ صاحبان سب وشتم سے نہیں رک سکتے تو پھر کم از کم ہماری درخواست کے اس حصہ کوتو شرف قبولیت بخشیں۔بجائے ہمارے مسیح موعود کے ہمیں جو کہ پانچ لاکھ ہیں۔پیٹ بھر کر جو کہنا چاہیں کہہ لیں۔ہمارے محبت سے بھرے ہوئے دل اور اپنے ہادی کے احسانات سے جھکی ہوئی گردنیں حاضر ہیں۔آپ مشق ناز کریں لیکن خدارا ہمارے امام مقدس امام کو برا نہ کہیں کہ اس سے ہمارے دل مجروح ہوتے ہیں اور یہ امر ہمارے لئے ایسا تکلیف دہ ہے کہ آپ شاید اس کا اندازہ کسی صورت میں نہیں لگا سکتے .... اعتراض جو چاہیں کریں۔مخالفت کریں اور خوب دل کھول کر کریں اور کوئی تدبیر باقی نہ رہنے دیں۔سب ہی قسم کے تیر چلا کر اپنا ترکش خالی کر لیں مگر شرافت،تہذیب عامہ کا خیال رہے۔'' (الفضل 16 اکتوبر 1917ء صفحہ 9،11)

آپ نے اپنی ساری صحافتی زندگی میں کبھی اپنی ذات کو نمایاں کرنے کے لئے مضامین نہیں لکھے نہ اپنی ذات پر حملے کا جواب دیا۔مگر آپ نے ہر دفعہ جواب دیا تو اس مضمون اس آرٹیکل کا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ارفع شان کے خلاف کچھ لکھا ہو جس کا اظہار مذکورہ بالا مضمون کے اقتباسات سے ہوتا ہے اور اس طرح ایک عریضہ سے جو آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت اقدس میں تحریر کیا اور اجازت چاہی کہ پیغامیوں کا منہ بند کیا جائے۔تحریر کیا:۔

سیدی و مولائی ایدك الله بنصرہ العزیز ۔السلام علیکم و رضوانہ۔

17 دسمبر 1926ء کو حضور کا اعلان در بارہ غیر مبائعین خلافت چھپا تھا اس کے بعد آج تک پیغام صلح لاہور کا کم ہی کوئی پرچہ خالی گیا ہوگا جس میں ہمیں کسی نہ کسی طرح پر اشتعال نہ دلایا گیا ہو ....جس سے ہم جواب پر مجبور ہو جائیں مگر حضور کے ارشاد کی تعمیل میں قادیان کے کسی اخبار

نے کچھ بھی نہیں لکھا.................وہ باہر ہماری جماعت کے احباب کو اشتعال دلاتے رہے ہیں اور خواہ مخواہ مباحثات کی بنیاد رکھتے رہے ہیں۔مباحثات تو ایک طرف۔حضور کے متعلق سخت بدزبانی کی...........اب ان حالات میں فرمایئے کہ یہ زہرمی توشیم لیکن زہرۂ گفتار نیست کی حالت کب تک قائم رکھی جائے گی...........لیکن میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ فریق ثانی کو ہمارے احساسات کا خیال چاہئے۔بولنا اور لکھنا تو ہمیں بھی آتا ہے...........ہم حق پر ہیں۔خدا کے فضل سے ہر سوال کا جواب دے سکتے ہیں۔ہر اعتراض کو رفع کر سکتے ہیں۔خود خاموش رہ کر ان کو اپنے عقائد کی اشاعت کی اجازت نہیں دے سکتے...........ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو یہ نہیں چاہئے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہتک کریں...........

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے یہ ارشاد فرمایا:

''اگر صرف مسائل پر بحث ہو تو جواب دیں۔مذہبی مسائل پر بحث نہیں رک سکتی۔ہم مذہب فروش نہیں۔''(الفضل 20دسمبر 1927ء)اس اجازت کے بعد پیغام کا ایسا تعاقب کیا گیا کہ وہ کسی مسئلہ پر ثابت قدم نظر نہیں آتا۔ایک میں منہ کی کھائی تو بچنے کے لئے دوسرا شروع کر دیا۔اس میں لاجواب ہوا تو تیسرا۔اس طرح تبدیلی عقائد نے ان کو تبدیلی موضوعات میں بھی ماہر کر دیا۔

''الوصیت پر ایک نظر'' حضرت قاضی صاحب کا نہایت جامع مانع اور تحقیقی مضمون ہے۔الوصیت کا ایک ایک فقرہ لے کر اس سے استدلال کیا اور غیر مبائعین اس دندان شکن جواب کا آج تک جواب نہیں بن پڑا۔صحافت دین کے اصول سے آزاد ہو کر تو شاید آسان ہو مگر تبلیغ اسلام کی خاطر صحافت بہت مشکل ہے۔یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فیض تھا کہ حضرت قاضی صاحب نے یہ خدمت سرانجام دی۔اس خوبی سے دی کہ آج ہم حیران ہیں کہ نامساعد حالات میں کس طرح آپ نے سلسلہ کے اخبارات کو سنبھالا اور اصول کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔سب سے بڑا اصل یہ تھا کہ معترض کا جواب قرآن سے دیا جائے۔اس میں آپ کو کمال حاصل تھا۔آپ کے ایک اقتباس سے ظاہر ہے

جو آپ کے ایک مضمون بعنوان ''قرآن سے اعتراضات کے جوابات'' سے لیا گیا ہے:۔

''ایک مولوی نے مجھے لکھا کہ مرزا صاحب اگر سچے ہیں تو زلزلہ کی تاریخ سے کیوں اطلاع نہیں دیتے کہ فلاں تاریخ، فلاں وقت آئے گا۔ مجھے اس وقت یاد آیا و یقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صادقین۔ اور پھر ساتھ ہی جواب بھی قل انما العلم عند اللہ و انما انا نذیر مبین .... دوسرے نے لکھا کہ مرزا صاحب تو کہتے تھے کہ زلزلہ قریب ہے۔ پھر اب تک آیا نہیں۔ میں نے اسے لکھا کہ تم قرآن مجید میں پڑھتے ہو۔ دیکھو تیرہ سو برس گذرے۔ ابھی تک قیامت آ تو نہیں گئی۔ تیسرے نے کہا یہ طاعون وغیرہ تمہیں مرزائیوں کی شامت ہے۔ اس وقت مجھے یہ آیت قرآنی یاد آئی قالوا انا تطیر نا بکم.................. قالوا طائرکم معکم ائن ذکرتم (الایۃ) پھر ایک نہایت ہی چالاک مگر پرلے درجے کے بیوقوف نے مجھے لکھا یہ جو پاس کے حواری ہیں اگر ان کو جو حصہ ملتا ہے بند کر دیا جائے تو سب فقراء ہو جائیں۔ میں نے اسے یہ آیت لکھ بھیجی کہ نادان غور کر یہ کس کا قول ہے لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا اب کس کے منہ سے نکل رہا ہے۔

غرض جس قدر اعتراضات ہمارے مسلمان بھائی کرتے ہیں ایک دفعہ میں نے غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ تمام اعتراضات پہلے کفار کے منہ سے نکلتے تھے اور اب ہمارے مسلمان بھائیوں کی زبان سے نکلتے ہیں اور یہ سب منہاج نبوت سے ناواقفیت کا ثمرہ ہے .... حضور کا الہام ''ہزاروں آدمی تیرے پروں کے نیچے ہیں''۔ ہر شوخی و استہزا سے اعتراض کرتا ہے اور لکھتا ہے ایک پردار پیغمبر پیدا ہو گیا۔ نادان کو یاد نہیں آیا کہ دراصل آنحضرت ﷺ پر اعتراض کر رہا ہے کہ ان کی نسبت قرآن مجید میں ہے۔ ''و اخفض جناحك للمومنين......'' (الحکم 30 اپریل 1907ء صفحہ 7)

صحافی زندگی کی تحریکات

آپ نے اپنی صحافی زندگی میں نصب العین یہ مرتب کر رکھا تھا کہ مناسب موقعہ پر موقعہ کے

مطابق تحریک کی جائے۔ان میں سے چند تحریکات کا ذکر کرتا ہوں۔آپ نے ایک مضمون بعنوان ''اکمل کا پیغام اپنے بھائیوں کے نام'' کی ذیلی سرخی ''کام تو بہت ہیں پر کام کرنے والا بھی کوئی ہو'' کے تحت قوم کو چند اہم کاموں کی طرف توجہ دلائی ہے اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہی کام نہایت بابرکت ہیں۔

''سب سے پہلے جو خیال میرے دل میں اٹھا وہ یہ تھا کہ ایک ایسی جامع کتاب تالیف ہونی چاہئے جس میں ہمارے عقائد اور طرزِ عمل کا مفصل و مدلل ذکر ہو۔اس بارے میں میں نے قوم کے بزرگوں کو بھی گو لیکی سے خطوط لکھے مگر میری استدعا پر پہلے کم توجہ ہوئی۔آخر میں نے ایک کتاب تیار کی جو پانچ سو صفحہ کی ہے اور اس کا خلاصہ ''عقائد احمدیہ'' سنت احمدیہ'' میں تیار کیا۔مگر یہ حضرت امام سلسلہ کے الفاظ میں نہیں بلکہ میری اپنی ذاتی ذمہ داری پر ہے۔

پھر ملفوظات کو یکجا کر کے شائع کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہیں:

''اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے بدر و الحکم میں جس قدر ڈائریاں حضور علیہ الصلوۃ کی چھپ چکی ہیں۔ان کو کتابی شکل میں جمع کر دیا جائے کیونکہ ان میں بہت سے حقائق و معارف متعلق دین متین ہیں۔دیکھئے کون صاحب یہ ہمت کرتے ہیں''۔الحمدللہ آج دس جلدوں میں آپ کے شاگرد رشید کی محنت سے ہمارے پاس ہیں جن کو ہم تربیت کے لئے ایک انمول اصل پاتے ہیں۔جزاہ اللہ تعالیٰ

پھر قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کے متعلق ان درد بھرے الفاظ میں تحریر کیا:''پھر جس ضرورت کو شدت کے ساتھ میں محسوس کر رہا ہوں وہ قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیری نوٹ ہیں۔الحکم کا فائل دیکھ لو۔بدر کے اوراق الٹو۔اس خاکسار نے کن کن پیرایوں میں اپنے دردِ دل کا اظہار کیا ہے۔لیکن غنچۂ مطلب کسی کی نسیم نوازش سے نہ کھلنے میں آیا تھا نہ کھلا۔''اس وقت تو کم توجہ ہوئی مگر بعد میں اس کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی اور تفسیر سروری اور مختلف تراجم کریم جماعت کے علماء نے کئے

اور حضرت مسیح موعود کی تفسیر کی ہوئی بھی یکجا کر کے شائع کی گئی اور اب دوبارہ خدا کے فضل سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ارشاد کے تحت یہ کام مکمل ہوا۔ پھر آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات وکشوف کو یکجا کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

’’پھر ایک اور ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ حضور مغفور سیدنا المسیح الموعودؑ کے الہامات جمع کئے جائیں۔اس سے دو فائدے ہیں۔ایک تو یہ ہمیں کلام الٰہی کا مجموعہ دیکھ کر ایک خاص ایمان حاصل ہوگا ان میں جو جو الہام پورے ہو چکے ہیں ان کے متعلق تشریحی فٹ نوٹ ہونے چاہئیں۔اور جن کا انتظار ہے ان پر واقعات عالم کے مطابق ہم غور کر سکیں گے۔نشانات تو حسب وعدہ الٰہی ’’امانرینک بعض الذی نعدھم اونتوفینک‘‘ قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے۔مگر افسوس یہ ہے کہ ہم حوالہ دے کر دشمن پر اتمام حجت نہ کر سکیں گے۔‘‘اور ساتھ ہی قادیان سے باہر رہنے والوں کو توجہ دلائی کہ ہر کام تم قادیان والوں پر نہ ڈالو۔انہوں نے اور بھی کام کرنے ہیں۔تم میں اکثر یہ عظیم کام کر کے اجر جزیل حاصل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ الحمد للہ کہ آج تذکرہ کی صورت میں آپ کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا اور حقیقت میں ہم اس کو دیکھ کر ایک خاص ایمان حاصل کرتے اور مخالفین پر حجت قائم کرتے ہیں۔ اس مضمون میں آپ نے صحابہ کے حالات مرتب کرنے کی طرف توجہ مبذول کروائی اور اس کی اہمیت واضح کی۔تحریر کیا:۔

’’پھر میرے دل میں ایک اور آرزو ہے۔ وہ یہ کہ یہاں جو مہاجرین رہتے ہیں ان کی ایک ڈائری تیار ہو۔ان کی جائے سکونت، حالات خاندانی وغیرہ کا ذکر ہو۔ پھر ایمان لانے کی کیفیت اور ہجرت کے اسباب ہوں اور پھر یہاں کا مشغلہ۔ اس سے جہاں ہم اسماء الرجال کے ضروری فرض سے سبکدوش ہوں گے وہاں یہ بھی دنیا پر ظاہر ہوگا کہ ہم لوگ محض دین کی خاطر یہاں آئے ہیں۔ ورنہ ایسے ہیں جو اگر باہر ہوتے تو اس سے دگنا چوگنا کما سکتے۔صرف اس وجہ سے کہ ہمارے حالات تاریکی میں ہیں۔ دشمن خبیث کو یہ کہنے کا موقعہ ملتا ہے کہ پیٹ کی خاطر وہاں بیٹھے ہیں۔ حالانکہ یہ

بالکل غلط ہے۔کبھی کسی بات نے مجھے اتنا دکھ نہیں دیا جتنا کہ ایک کے اس کلمہ نے جو اس نے میرے سامنے کہا کہ یہاں پیٹ کے دھندے نے اتنے لوگوں کو جمع کر دیا ہے۔بخدا میں سچ کہتا ہوں۔اس روز شام کا کھانا نہ کھا سکا۔ہمیں کم ازکم مجھے اپنی کمزوریوں، گناہوں، خطا کاریوں کا اقرار ہے۔مگر واللہ یہ صحیح نہیں کہ پیٹ کی خاطر یہاں بیٹھے ہیں یا باہر ہمیں کوئی وجہ معاش نہ تھی۔''

حقیقت بھی یہی ہے کہ دنیا داری میں قاضی صاحب کو ضرورت نہ تھی کہ قادیان میں رہائش رکھیں۔دو تین مکان، کاشت کے لئے زمین، خدمت کے لئے عوام الناس۔غرض ہر قسم کی سہولت اور علمی مقام کے لئے انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسوں پر آپ کی نظمیں بھی پڑھی جاتیں۔اگر آپ کے شاگرد مولانا سالک مقام حاصل کر سکتے ہیں تو آپ کے لئے تو یہ زیادہ ممکن تھا۔اگر آپ کے شاگرد اخبارات کے ایڈیٹر ہو سکتے ہیں تو آپ بھی یہ مقام حاصل کر سکتے تھے۔مگر آپ نے دنیا پر دین کو مقدم کیا اور قادیان میں در حبیب پر دھونی رما بیٹھے۔

اس مضمون میں آپ مخالفین کی کتب کا جواب دینے کی طرف توجہ مبذول کرواتے ہیں۔کہ جواب اس کا موجود ہے۔کوئی صاحب ہمت کرے اور کتابی شکل میں مرتب کر کے شائع کرے۔

''پھر ایک اور عرض ہے۔وہ یہ کہ بعض مخالف کتابیں ہیں کہ وہ اندر ہی اندر اپنا زہر پھیلا رہی ہیں۔الہامات مرزا، شہادۃ القرآن۔یہ دو کتابیں ایسی ہیں کہ ان کی اشاعت بہت ہے اور باہر سے ان کے متعلق خط بھی آتے رہتے ہیں مگر آج تک ان کا جواب ہماری طرف سے شائع نہیں ہوا۔کیا ان کتابوں کا کوئی جواب نہیں؟ ہرگز نہیں؟ بات صرف یہ ہے کہ سستی اور غالباً اعجبتکم کثرتکم یہاں کے رہنے والے کچھ ایسی حالت میں رہتے ہیں کہ وہ محسوس ہی نہیں کر سکتے کہ باہر والوں کو کیا مشکلات ہیں۔محل کے اندر محبوب کے حضور بیٹھا ہوا کیا جانتا ہے کہ اس محل اور بوستان کے گرد ایک خاردار جنگل ہے اور بلڈاگ کاٹنے کو دوڑتے ہیں۔میں نے جیسا شہادۃ القرآن حصہ اول کا جواب لکھا تھا۔حصہ دوم کا جواب بھی ضرور لکھ دیتا مگر مولوی برکت علی صاحب نے مجھ کہا کہ میں لکھ

رہا ہوں۔ پھر میں یہاں آ گیا اور پھر رہتے رہتے رہ گیا۔ اب انشاءاللہ پھر ارادہ ہے۔''

آخر مضمون میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرۃ طیبہ کی جلد مرتب کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: ''اب ایک اور رونا سنئے۔ مولوی عبدالکریم صاحب کی سوانح عمری کا اشتہار بھی ہو گیا۔ حضور مغفور کے سوانح کا نوٹس بھی ہم نے پڑھ لیا۔ حیات نورالدین کا دیباچہ بھی دیکھا۔ پر کچھ ہوا بھی؟ کس قدر شرم کی بات ہے کہ ہمارے سید و مولا، مقتدا و پیشوا حضرت نبی کریم ﷺ کے سوانح ایک غیر مسلم لکھے اور ہم اسے منگوا کر اپنے بچوں کو پڑھائیں اور خود کوئی کتاب نہ تیار کر سکیں۔ پھر سب سے پہلے ضروری تھا کہ سیدنا المسیح کے سوانح شائع ہوتے کیونکہ ابھی ایسے لوگ زندہ موجود ہیں جنہوں نے حضرت اقدس کو اپنے کھلایا ہے۔ تمام حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔ کیا ان واقعات زندگی کو اس وقت جمع کیا جائے گا جب باتوں میں التباس بڑھ جائے اور پھر خواہ مخواہ جھگڑے اٹھیں کہ یوں نہیں تھا یوں تھا۔''

اس طرح آپ نے قادیان میں ایک گرلز سکول کی ضرورت محسوس کی اور اس کی طرف پُرزور الفاظ میں توجہ دلائی۔ لکھا: ''بہن فاطمہ بیگم نے ایک نصرت ہائی سکول اور دارالاقامہ کا مطالبہ کیا ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں ہمارا مطمح نظر اس سے بہت بلند ہے۔ ہمارے لڑکوں نے موجودہ نصاب تعلیم سے کیا حاصل کیا ہے جو لڑکیوں سے توقع رکھی جائے گی۔ ہمیں تو وہ نصاب مطلوب ہے جو ایسی ایسی مائیں پیدا کرے جن کے بچوں میں صحابہ کرام کا کیریکٹر ہو اور ایک دوسرے سے برتر ہوں۔ ایسی بہنیں ہوں جو بھائیوں کی قوت بازو ہوں۔ ایسی بہو بیٹیاں ہوں جو اسلامی تعلیم کی جیتی جاگتی تصویر ہوں اور گھروں کو جنت بنا دیں اور دنیا کو دکھا دیں کہ دنیا میں حقیقی ترقی پانے والی اور اعلیٰ تمدن بنانے والی یہ نسل ہے۔ جو ان سے ہوگی بڑھے گی، پھولے گی، پھیلے گی۔ ہاں ہم ایسی تعلیم چاہتے ہیں جو دین اسلام کا حقیقی مقصد ان کے ذہن نشین کرا دے اور انہیں سچی مسلمہ بنا دے۔ سو مبارک ہو کہ ہمارے موجودہ امام حضرت خلیفہ انام کے پیش نظر یہ بات ہے اور وہ اس کے لئے کوشش فرما رہے

ہیں۔" (الفضل 3 دسمبر 1926ء)

محترمہ اہلیہ ملک کرم الٰہی صاحب نے اس مضمون کو پڑھ کر لکھا۔

"میرے مکرم و محترم بھائی قاضی اکمل صاحب نے (الفضل میں) بنات کے سکول کا جو اعلیٰ خاکہ کھینچا ہے بعینہٖ اس قسم کے سکول کے قیام کا میرا مدعا ہے............جس میں ایسی اعلیٰ اور مکمل تعلیم و تربیت ہو کہ کسی اور جگہ اس کی نظیر نہ پائی جاتی ہو جس میں تعلیم پا کر صادقات، صالحات، قانتات، صابرات اور مومنات اور احمدیت کی زندہ اور جیتی جاگتی صورتیں بن کر نکلیں اور صحابیات کا عین نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں۔" (مصباح دسمبر 1926ء جلد اوّل) مجھے تو حضرت قاضی صاحب کا مندرجہ بالا حوالہ ملا ہے۔ معلوم نہیں محترمہ اہلیہ ملک صاحب کا اشارہ اس حوالہ کی طرف ہے یا کسی اور مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں آپ نے مروجہ تعلیم کے خلاف ایک اسلامی نصاب تعلیم سے تحصیل علم کرنے والی مسلمان مستورات کا نقشہ کھینچا ہے۔

جب حضرت سیدہ امۃ الحی مرحومہ مغفورہ کی وفات پر آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح سے عقد ثالث کی اپیل کی اور اس بارہ میں یہ مضمون لکھا:۔ "جب سے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز مسند خلافت پر متمکن ہوئے ہیں آپ کو جماعت احمدیہ کی جسمانی، دینی، دنیاوی بہتری و بہبودی کی جو فکر ہے وہ ایک باپ کو بھی اپنے بیٹوں کے لئے کیا ہوگی۔ آپ نے کوئی لمحہ، کوئی موقعہ ایسا رائیگاں نہیں جانے دیا جس میں جماعت احمدیہ کی ترقی کی کوئی صورت نکلتی ہو اور آپ نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا ہو۔ اپنا مال، اپنی جان، اپنی طاقت، اپنا علم و فہم فی سبیل اللہ وقف ہے............سیدہ امۃ الحی (مرحومہ مغفورہ) کی وفات کا واقعہ پیش آیا اور وہی حالت ہوئی جو چلتی گاڑی کے ایک پہیئے میں نقص آجانے کی وجہ سے ہو جاتی ہے۔ اس کا احساس سب سے زیادہ اس وجود مسعود کو ہونا تھا اور ہوا۔ جو اس گاڑی کا قائد اعظم ہے۔ آپ کئی بار اپنا خیال ظاہر فرما چکے ہیں کہ جماعت کی ہر شعبۂ حیات میں ترقی بغیر اس کے ممکن نہیں۔ جب تک کہ دونوں طرف کی زندگی کو بہتر نہ بنایا جائے اور

دونوں (رجال ونساء) کی عملی و مذہبی وتمدنی ترقی کو پیش نظر نہ رکھا جائے۔مردوں میں تو خدا کے فضل سے آپ کا وجود براہ راست فیض رساں ہے لیکن خواتین میں ضرورت ہے۔ایسی خواتین کی جو نہ صرف خود زیور علم سے مزین ہوں اور تفقہ فی الدین سے حصہ وافر رکھتی ہوں بلکہ اپنی دوسری بہنوں کو بھی اس نعمت کا افاضہ حضرت امام جماعت کی رہنمائی میں کرسکیں۔یہی وہ ضرورت ہے جس کے لئے حضرت نبی کریم ﷺ نے کئی شادیاں کیں اوران کی برکات سے تمام خطہ عرب معمور ہوا۔اوراسی مقصد کے لئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح نے یہ مجاہدہ اختیار فرمایا............سیدہ امۃ الحی کی وفات پر ہم سب نے نقصان عظیم محسوس کیا اور دیکھ رہے ہیں کہ سلسلہ کے کاموں میں حضرت خلیفۃ المسیح کا ان کی طرح ہاتھ بٹانے والا اور ہجوم افکار کو ہلکا بنانے والا پاکیزہ وجود نہیں.................بے شک آپ نے سکول کا افتتاح فرمایا............لیکن ضرورت ہے ایسے وجود کی جو نہ صرف علم الدین میں بہرہ کامل رکھے بلکہ حضرت امام کی تربیت میں اپنی صنف کی دوسری بہنوں کے ہر معاملہ میں راہنمائی کرسکے اور دین کے مغز اور اسلام کی حقیقت کو اس طریق پر سمجھے اور دوسروں کے ذہن نشین کرسکے جس طریق پر حضور چاہتے ہیں اور سلسلہ کے کاموں میں حضرت خلیفۃ المسیح کا دست و بازو بن کر حصہ لے سکے۔یہ ضروریات جن کو اس چھوٹے سے نوٹ میں پورے طور پر بیان نہیں کیا جا سکا۔میرے خیال میں متقاضی ہیں کہ حضور باوجود اس کے کہ آپ کی صحت بالعموم اچھی نہیں رہتی۔محض سلسلہ کی بہبودی و بہتری کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے لئے ایک صعب ترین مجاہدہ تیسری شادی کی صورت میں تجویز فرمائیں۔بے شک جو وجود دس سال کی تربیت میں تیار ہوا تھا اس کا نعم البدل اتنی جلد بظاہر نظر نہیں آتا۔لیکن جماعت احمدیہ میں کئی گھرانے ہیں جن میں ہم قرآن وحدیث کے علم اور عربی انگریزی زبانوں کی تحصیل کا چرچا پاتے ہیں اور جو سلسلہ احمدیہ سے ایسی وابستگی رکھتے ہیں کہ ان کی تمام راحت اس کی ترقی اور بہبودی میں ہے۔وہ صرف تربیت کی محتاج ہیں۔پس کیا عجب ہے کہ بہت جلد اس خصوص میں ہم کوئی خوش کن اور اطمینان بخش خبر سن سکیں۔اللہ تعالیٰ جلد وہ دن

دکھائے۔'' (الفضل 7 اپریل 1925ء)اس کی تائید میں حضرت عرفانی صاحب نے بھی ایک مضمون لکھا جس میں پرزور تائید فرمائی۔ لکھتے ہیں عنوان تھا ''کیا حضرت خلیفۃ المسیح تیسری شادی کریں؟ خواتین جماعت کی بہبودی کا اقتضا یہی ہے''۔

الفضل 7 اپریل 1925ء کی اشاعت میں قاضی اکمل صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح کی تیسری شادی کا سوال اٹھایا ہے۔ اگرچہ انہوں نے ڈرتے ڈرتے اس بحث کو شروع کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سوال نہایت اہم اور ضروری ہے کہ کوئی ایسی خاتون ہو جس نے حضرت خلیفۃ المسیح سے براہ راست پوری تعلیم اسلام حاصل کی ہو اور وہ مروجہ علوم کو بھی جانتی ہو اور وہ مستورات کی تعلیم کی انچارج ہو.................اس لئے آپ کو احمدی خواتین کی اصلاح آئندہ نسلوں کی اصلاح اور موجودہ ضروریات تبلیغ وہدایت کو مدنظر رکھ کر ایک اور شادی کرنی چاہئے۔

میں قاضی اکمل صاحب کی رائے سے بالکل متفق ہوں اور یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت امام کے لئے یہ بہت بڑی قربانی اور بہت بڑا مجاہدہ ہے.................جیسا کہ قاضی صاحب نے لکھا ہے ایسے ممتاز خاندان میں جو اخلاص وعقیدت کے ساتھ عربی اور انگریزی علوم سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اپنی دینداری تقویٰ وطہارت میں بھی شاندار نمونہ رکھتے ہوں اور ان کی دلی تڑپ ہے کہ ان کی اولاد خادم دین ہو بہر حال یہ تحریک ہر طرح قابل عزت اور لائق عمل ہے۔(الحکم 7 اپریل 1925ء صفحہ 8)

حضرت قاضی صاحب نے ایک دو بار اس امر کا خاکسار سے بھی ذکر کیا کہ یہ تحریک میں نے کی اور فرمایا کہ اس کی اس سے قبل میں نے حضور سے اجازت حاصل کر لی تھی۔ اجازت کے بعد میں نے یہ جرات کی جو خدا کے فضل سے بڑی بابرکت ثابت ہوئی۔

اس تحریک کے بعد 12 اپریل کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حضرت ام رفیع مرحومہ سے نکاح کیا۔ الحکم میں اس کا ذکر موجود ہے۔''معزز ہمعصر الفضل کی کسی گذشتہ اشاعت میں میرے محترم بھائی قاضی اکمل صاحب نے ڈرتے ڈرتے حضرت خلیفۃ المسیح کے نکاح کا سوال خواتین سلسلہ کے

تعلیم وتربیت ضروریات کے پہلو کو مدنظر رکھ کر چھیڑا تھا.................خدا کا شکر ہے کہ یہ تجویز و تائید کی حد میں نہ رہی بلکہ اس نے عملی صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ 12 اپریل 1925ء کو بعد نماز مغرب مسجد اقصیٰ میں اس نکاح کا اعلان خود حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے فرمایا۔''
(الحکم 7،13اپریل1925ءصفحہ 7)

الحمدللہ کہ حضرت قاضی صاحب کی یہ تحریک نزول برکات خداوندی کا موجب ہوئی اور جن مقاصد کے مدنظر یہ شادی ہوئی وہ کماحقہ حضرت سارا بیگم مرحومہ ومغفورہ نے ادا کر دکھائے۔ مستورات میں زندہ ایمان پیدا کیا اور دینی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگیں۔

آپ کی ایک اہم ترین تحریک ''تحریک جدید کے پانچ ہزار مجاہدین'' کے متعلق ہے۔تحریک جدید ایک الہامی تحریک ہے اور اس میں شامل ہونے والے مجاہدین خدا کے نزدیک مقرب ہیں۔ خاص طور پر السابقون الاولون والے مجاہدین کرام۔فتنہ احرار کے سد باب کے لئے خدا نے اس تحریک کو اپنے محبوب بندہ محمود (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) پر القاء فرمایا۔جب اس تحریک کا پانچواں سال شروع ہونے والا تھا اور مطالبہ قربانی کا وقت قریب آیا تو حضرت قاضی اکمل صاحب نے ایک مضمون جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی 1891ء کی پیشگوئی پانچ ہزار سپاہی دیئے جانے کے بارہ میں ہے۔ زیر عنوان ''خدا تعالیٰ کی فوج ظفر موج کے پانچ ہزار سپاہی'' **نصر من اللہ و فتح قریب** لکھا۔اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

''یہ وہ کشف ہے جو حضور علیہ السلام کو آج سے 47 سال پہلے دکھایا گیا۔اس میں کسی اہم مہم کے لئے ایک لاکھ فوج کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔مگر پانچ ہزار کی منظوری بارگاہ ربی میں ہوئی اور ساتھ ہی بشارت دی گئی ہے کہ یہ گروہ اگرچہ قلیل ہے مگر کثیر پر اللہ کے فضل سے غالب آئے گا۔'' میرے نزدیک چھت سے قرب اور آسمان کی طرف یعنی عالم بالا کے فیوض سے معمور خلافت ثانیہ کا وجود مسعود ہے جسے کشف میں دوسرے شخص سے تعبیر کیا گیا ہے۔اس عہد میں ایسے نازک

حالات پیش آئے کہ:۔ع

چو دور خسروی آغاز کردند	مسلمان را مسلمان باز کردند

کے مطابق ایک مہم درپیش ہوئی کہ والنٹیئر وں کی ضرورت ہوئی جو اپنا مال و جان فدا کرنے پر عملی رنگ میں تیار ہوں۔اس لئے تحریک جدید جاری ہوئی۔

آج رات کوئی دو بجے کے قریب جب میری روح آستانہ الوہیت پر بہہ رہی تھی۔ یک دم یہ بات میخ آہنی کی طرح میرے قلب میں گڑ گئی کہ حضور کا یہ کشف تحریک جدید میں قربانیاں کرنے والوں کے ذریعہ پورا ہورہا ہے۔اس خیال کے آتے ہی مجھ پر ایک عجب کیفیت طاری ہوئی۔ میں اس میں دیر تک محو رہا۔ جب آفتاب طلوع ہوا تو مجھے اس بات کی فکر ہوئی کہ میں ان پاکیزہ روحوں کی تعداد معلوم کروں جو اس پاک جہاد میں حصہ لے رہے ہیں..........مندرجہ بالا فہرست اسماء میں ہر علاقہ کی جتنی تعداد لکھی ہے ان کے نام اور پتے اور چندہ تحریک جدید کی رقم سب موجود و محفوظ ہے اور یہ فہرست تو حسابی اغراض سے پہلے تیار ہ شدہ ہے۔جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ پانچ ہزار سے متجاوز سپاہیوں کی تعداد مقدر ہے جو چار سال سے برابر اپنے مجاہد فی سبیل اللہ ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں۔اور عجیب بات ہے کہ ہر سال تعداد ان کی پانچ ہزار کے لگ بھگ رہی ہے.......... یہ سلسلہ احمدیہ اور خلافت ثانیہ کی صداقت پر ایک ایسی پختہ شہادت ہے کہ عنید سے عنید دشمن ماننے پر مجبور ہے۔الحمدللہ علی ذالک الھم انصر من نصر دین محمد واجعلنا منھم۔ (الفضل 16 نومبر 1938ء)

آپ کی یہ تعبیر بہت پسند کی گئی۔سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ جماعت سے پانچویں سال کے لئے مالی قربانیوں کا مطالبہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

’’بعض کام اتنے اہم ہوتے ہیں کہ دنیا میں بطور یادگار قائم رہتے ہیں...............میں سمجھتا ہوں تحریک جدید کا کام بھی اسی قسم کا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ جماعت کے مخلص کی ایک مستقل یادگار قائم کرنا چاہتا ہے...............کہ جو لوگ اس میں حصہ لیں گے انہیں اللہ تعالیٰ اپنے

قرب کا خاص مقام عطا فرمائے گا۔ قاضی اکمل صاحب کا ایک مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک پیشگوئی کے متعلق شائع ہوا ہے وہ دراصل ایک پرانا کشف ہے............ قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ اس رویاء کے متعلق میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ یہ تحریک جدید میں قربانیاں کرنے والوں کے ذریعہ پورا ہو رہا ہے۔ چنانچہ میں نے منشی برکت علی خان فنانشل سیکرٹری سے پوچھا۔ تحریک جدید میں حصہ لینے والوں کی کس قدر تعداد ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ پانچ ہزار چار سو بائیس۔ چونکہ ہر جماعت میں کچھ نہ کچھ نادہندہ ہوتے ہیں اگر ان کو نکال دیا جائے تو پانچ ہزار تعداد بنتی ہے۔ علاوہ ازیں کسور بالعموم اعداد میں شمار نہیں کئے جاتے۔ پس پانچ ہزر چار سو دراصل پانچ ہزار ہی ہیں۔ لیکن اگر کسور کی تعداد بھی ہوتی ہے جو وعدہ تو کرتے ہیں مگر اسے پورا نہیں کرتے۔ پس ایسے نادہندہ اگر اس تعداد سے نکال دیئے جائیں تو پانچ ہزار ہی رہ جاتے ہیں۔ جنہوں نے اس تحریک میں حصہ لیا............ مجھے خود بھی دو تین سال ہوئے یہی خیال آیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی تحریک جدید میں حصہ لینے والوں پر چسپاں ہوتی ہے............ مگر چونکہ انہوں نے جو تخمینہ بتایا وہ بہت زیادہ تھا اس لئے میرے ذہن سے اتر گیا۔ مگر اب قاضی صاحب کے یقینی مضمون سے جو اعداد و شمار سے مرتب کیا گیا ہے مجھے وہ پرانا خیال یاد آ گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ درحقیقت انہی لوگوں کے متعلق یہ کشف ہے۔ (الفضل خطبہ جمعہ نومبر 1938ء صفحہ 13، 14)

نیز فرمایا: ''پھر عجیب بات یہ ہے کہ ادھر الفضل میں یہ مضمون شائع ہوا ادھر چند دن پہلے میں یہ سوچ رہا تھا کہ تحریک جدید میں آخر تک قربانی کرنے والوں کو آئندہ نسلوں کے لئے بطور یادگار بنانے کے لئے کوئی تجویز کروں .... چنانچہ اس کے لئے میں نے ایک نہایت موزوں تجویز سوچ لی ہے جسے اپنے وقت آنے پر ظاہر کیا جائے گا۔ غرض اس مضمون کے پڑھنے کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ جسے خدا نے اپنا لشکر قرار دیا ہے اور جس کے ذریعہ اسلام کی فتح کا سامان ہونے والا ہے اس جماعت کو کون مٹا سکتا ہے۔ یقیناً کوئی نہیں جو اسے مٹا سکے۔ (ایضاً)

چنانچہ حضور مرفوع الی اللہ کی اس موزوں تجویز کے مطابق دور اول کے سابقون الاولون کی پہلی کتاب شائع کی گئی جو ''تحریک جدید کے پانچ ہزار مجاہدین'' کے نام سے موسوم ہے۔ ایک عظیم یادگار رہے۔ ایک زبردست تحریک دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا خاص فضل فرمائے۔ آمین اللھم آمین۔ خدا کے فضل سے آپ بھی ان عظیم الشان مجاہدین میں شامل ہیں۔ کتاب کے صفحہ 252 پر درج ہے۔

2۔ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکملؓ میزان 50-115

3۔ حضرت مولوی امام الدین صاحبؓ 70-80

آپ کی صحافتی زندگی کے باب کا اختتام میں مکرم ایڈیٹر صاحب الفضل کے دو اقتباسات سے کرنا چاہتا ہوں جس میں انہوں نے آپ کے قلمی تعاون کو سراہا ہے۔ ''الفضل کا سال گذشتہ'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:۔ ''اس مضمون کو ختم کرنے سے قبل اس بات کا افسوس سے ذکر کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ باوجود اس کے کہ ہماری جماعت میں اچھے اچھے لکھنے والے موجود ہیں۔ پھر بھی بہت کم ایسے اصحاب ہیں جو مضامین لکھنے کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ سال گذشتہ میں سوائے چند ایک اصحاب کے جن میں .... قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل .... قابل ذکر ہیں۔''
(الفضل 7 جولائی 1920ء صفحہ 3) ایک موقعہ پر پھر لکھتے ہیں جس میں صحابہ کے خصوصاً قلمی تعاون کی اپیل کی ہے: ''اور اس وقت حالت یہ ہے کہ سوائے جناب قاضی اکمل صاحب کے کوئی صاحب ایسے نہیں جنہیں اخبار الفضل کا مستقل قلمی معاون کہا جا سکے۔''

(الفضل 11 جولائی 1923ء صفحہ 4)

فصل چہارم

تصنیف وتالیف

اس فصل کی دوشاخیں ہیں:۔

شاخ اول۔کتب کا اجمالی تعارف۔شاخ دوم۔مضامین۔

تصنیف وتالیف

جہاد اسلام میں فرض ہے۔مگر اختلاف مانہ کے باعث اس کی نوعیت بدل جاتی ہے۔توپ و تفنگ کا جہاد آج کی ترقی یافتہ دنیا میں نہ صرف ہلاکت خیز بلکہ مضحکہ خیز بھی ہے کیونکہ ہم مسلمان اسلحہ کی دوڑ میں دشمن سے بہت پیچھے ہیں۔ جہاد سیف کی جلالی دور میں علاج بالمثل کے طور پر اجازت ہوئی مگر آج اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہے جو جمالی رنگ رکھتی ہے۔آج اسلام پر اعتراض ہے کہ اشاعت اسلام تلوار کی مرہون منت ہے۔اس کا جواب خدا نے مسیح موعود کو مبعوث فرما کر دیا۔جس کے زمانہ کی فطرت مخبر صادق ﷺ نے یوں دی۔یضع الحرب

آج زمانہ ہے کسر صلیب اور قتل خنزیر کا اور ظاہری طور پر اس کا پورا کرنا مذہب سے تمسخر ہے۔ ہاں ان کے عقائد کا رد اصل ہے۔اور یہ قلم سے ہوگا سیف سے نہیں۔جیسا کہ اسلام کے حکم وعدل نے فرمایا: ع سیف کا کام قلم سے کردکھایا ہم نے یہی وہ جہاد ہے جس میں شامل ہونا ہر مومن کا فرض اولین ہے۔جیسا کہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں روایت ہے:’’میں جب حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کی مریدی میں کیا مجاہدہ کرنا چاہئے کہ خدائے تعالیٰ کی محبت میں ترقی ہو۔آپ نے فرمایا کہ میں یہ مجاہدہ بتاتا ہوں کہ آپ عیسائیوں کے مقابلہ میں ایک کتاب لکھیں۔‘‘ (مرقاۃ الیقین فی حیاۃ نورالدین صفحہ 147-148 شائع کردہ الشرکۃ الاسلامیہ)

اس تعلیم کے پیش نظر حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں:

جہاد اب زبان وقلم ہی سے ہوگا	کہ ہوئے بند غزوات سیفی سنانی

اس زمانہ میں اسلام پر حملہ قلم سے ہوا۔ لازم ہے کہ مقابلہ بھی قلم سے ہو۔ مخالف کا قلم توڑ دینا۔ یہ ہے اس زمانہ کا جہاد۔ حضرت قاضی اکمل صاحب بھی صف اول کے مجاہدین میں سے وہ خوش قسمت مجاہد ہیں جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفائے راشدین سے سند خوشنودی حاصل ہوئی۔ خدا کرے کہ ہم بھی ان مجاہدین میں سے ہوں۔ آمین۔ اللّٰھم آمین۔

کتب کا اجمالی تعارف

ظہور المسیح، خلق محمدی، استخلاف

ان کتب کا تعارف قاضی صاحب کے ایک خط سے ہوتا ہے جو آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں کتب کے ساتھ پیش کیا۔ تحریر فرماتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسول الکریم

قادیان مورخہ 4 مارچ 1908ء السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے سید ومولیٰ میرے مطاع وآقا گنہگار رسیہ کار۔ خطاء کار (اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ عبادت الٰہی کے لحاظ سے نہیں کہا گیا۔ بل الانسان علیٰ نفسہ بصیرۃ) آپ کا غلام اکمل نام جس کے پاس سوائے حضور کی محبت کے اور کچھ بھی نہیں اپنی جسمانی وروحانی کمزوریوں کے لئے خاص دعاؤں کا محتاج ہے تین جلد کتابیں نذر کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ ایک ظہور المسیح، اس میں اکثر مخالف کتابوں کو پیش نظر رکھا کر وفات مسیح کو ثابت کیا گیا ہے۔ اور آیت وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم کی تفسیر ہے۔ جس میں یہ بات بھی ہے کہ لیستخلفنھم کے اعداد 1305ء ظاہر کرتے ہیں کہ تمام خلافتیں اس سن میں بروزی طور سے جمع ہوں گی اوّل کے اعداد 30 اگر خلافت

خلفاء اربعہ کی مدت بتاتے ہیں تو ہم کے خلافت آخرہ کے جو مطابق حدیث ہیں۔

دوسری کتاب ''خلق محمدی'' ہے جس میں آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات کا سلسلہ نظم میں ذکر ہے۔ تیسری ''الاستخلاف'' ردّ شیعہ ہے۔ صرف قرآن مجید سے مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کے طرز پر۔ افسوس کہ اس کی چھپوائی اچھی نہیں مگر اس میں میرا قصور نہیں۔ گر قبول افتد زعز و شرف

والسلام مع السلام

دعاؤں کا طالب خادم حضور ناچیز محمد ظہور الدین اکمل

دفتر بدر

اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس خط پر تحریر فرمایا۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کی تینوں کتابیں آپ کی طرف سے تحفہ مجھے ملا۔ جزاکم اللہ خیرًا

تھوڑا تھوڑا میں نے تینوں کو دیکھ لیا ہے۔ عمدہ اور مدلل بیان ہے۔ خدا تعالیٰ جزائے خیر دے۔ آمین آپ کو اس کی ہر ایک موقع مناسب پر اشاعت کرنی چاہئے۔ تا دوہرا ثواب ہو۔

والسلام

(دستخط) مرزا غلام احمد

''انصار اللہ'' فروری 1962ء

خلق محمدی

مکرمی کریم بخش مالکان مفید عام پریس سیالکوٹ اس کے متعلق لکھا۔

''آنحضرت ﷺ کے آداب و اخلاق کی اعلیٰ درجہ کی بے نظیر اور لاثانی کتاب ہے۔ جس کے پڑھنے سے ہر ایک مومن جو آنحضرت ﷺ کا جاں نثار اور عاشق زار ہے۔ آداب اور اخلاق

کی ترقی کے اعلیٰ درجہ پر جا پہنچتا ہے۔ واقعی یہ کتاب سونے کے تول اور جواہرات کے مول بھی سستی ہے۔ اس مبارک کتاب کو حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل آف گولیکی ضلع گجرات پنجاب نے نہایت جانفشانی اور محنت سے سلیس اردو نظم میں ترجمہ کیا۔ ہے امید ہے کہ عاشقان محمد صلعم اس خلق محمدی کو حرز جان بنا کر علاوہ خلق محمدی حاصل کرنے کے سعادت دارین حاصل کریں گے۔

آخری صفحہ خلق محمدی

ظہور المسیح

یہ اثبات دعویٰ مسیح موعود اور جواب اعتراضات پر مبنی ہے۔ حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی نے چھپوائی۔ مگر طبع شدہ کتاب مالک پریس کی فوتیدگی کی وجہ سے دو سال بعد ملی۔ یہ کتاب اس وقت لکھی۔ جب آپ کی بیماری کی پیچیدگی کی وجہ سے آپ کو لکھنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ فرمایا۔.................میری بیماری لمبی ہوگئی..........لکھنے پڑھنے کی مجھے ممانعت تھی۔.................
اس دوران میں نے کئی کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔ ظہور الدین المسیح اس زمانے کی یادگار ہے۔
اس کتاب کا مسودہ جب حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کو تبصرہ کے لئے دیا تو اس پر آپ نے تحریر فرمایا۔ برادر عزیز قاضی صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ طبیعت کے ضعف اور کسی قدر کسل کی وجہ سے جواب میں توقف ہوا۔ دماغی امراض میں ایسے واقعات بہت ہوتے ہیں۔ یہ چند سطریں امید ہے کافی ہوں گی۔ انہیں مولوی صاحب (نور الدین) اور میری طرف سے یکساں سمجھنا چاہئے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ آپ کا حق خدمت ان سطروں سے ادا نہیں ہوا۔ اور زیادہ لکھنے سے مجھے خوف پیدا ہوا کہ کوئی شخص مبالغہ نہ سمجھ لے۔ اور یار فروش پر حملہ نہ کرے۔ کتاب کے چھپ جانے پر اگر خدا تعالیٰ نے زندہ رکھا۔ تو زیادہ لکھ دوں گا۔ شاید اس وقت زیادہ مفید اور موثر ہوگا۔

والسلام خاکسار عبدالکریم

اور جب کتاب چھپی اور آپ کی خدمت میں پیش کی گئی تو تحریر فرمایا۔

میں نے ظہور المسیح کا مسودہ پڑھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میں پڑھتے پڑھتے دل کے تواحد اور تراقص کو ضبط نہیں کر سکتا تھا اور ہمارے سلسلہ کی کتابوں کے مضامین کو ایسے طور سے ایک جگہ جمع کیا ہے کہ اس سے زیادہ آسان تدابیر اس قدر مضامین متفرقہ کو حافظ کی الماری میں جمع کرنے کی ممکن نہیں۔ بہت سے مضامین نئے بھی ہیں۔ جو مولف کی جودت طبع اور ازانت فہم کی کافی دلیل ہے۔ میرے نزدیک ہمارے بھائیوں کو ایسی جامع کتاب کے وجود سے بہت نفع پہنچے گا۔ میری دلی آرزو ہے کہ یہ کتاب حلیہ انطباع سے آراستہ ہو کر ایک جہان پر اور ایک جہان کے لئے حجت ٹھہر جائے۔ خدا تعالیٰ ہمارے عزیز اور قابل فخر دوست قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کو عافیت جسمانی اور روحانی سے بہرہ کافی عطاء فرمائے۔ قاضی صاحب نے نہ صرف احمدی قوم کو اس بے نظیر خدمت سے مرہون منت کیا ہے بلکہ ناگریز اور مرد آزما منزلوں کے لئے کافی زادجمع کرلیا ہے۔

والسلام خاکسار عبدالکریم

نوٹ: میرے مخدوم و محسن مولوی نور الدین صاحب میری رائے سے متفق ہیں۔ (بدر 6 فروری 1908ء صفحہ 4) عبدالکریم اور جب قاضی صاحب نے یہ کتاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی۔ تو حضور نے فرمایا۔ احسنت جزاکم اللہ

الواح الہدیٰ

یہ ریاض الصالحین کی احادیث کا ترجمہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس کی خریداری کی تحریک جلسہ سالانہ پر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''ان کے علاوہ بعض اور دوستوں کی بھی کتابیں ہیں جو نہایت مفید اور ضروری ہیں۔ ایک کتاب الواح الہدیٰ بک ڈپو نے شائع کی ہے۔ یہ کتاب قاضی اکمل صاحب کی مرتبہ ہے۔ اور درحقیقت ریاض الصالحین کا ترجمہ ہے۔ ریاض الصالحین

ترتیب کے لحاظ سے ایک بے نظیر کتاب ہے۔اور بالخصوص بچوں کی تربیت میں بہت مفید ہے۔ اس بناء پر میں نے بچوں کی انجمن انصاراللہ کے لئے جوسکیم بنائی ہے اس میں ضروری قرار دیا گیا۔ کہ ہر طالب علم کے پاس تین چیزیں ضروری ہونی چاہئیں۔ایک قرآن شریف دوسرے کشتی نوح تیسری ریاض الصالحین۔ دوسری جگہوں پر اس کتاب کی قیمت بھی زیادہ ہے۔اور یوں بھی عربی میں ہے۔جس کو ہر شخص سمجھ نہیں سکتا اس لئے تجویز کی گئی کہ کتاب کے بعض فقہی مسائل خذف کر کے اس کا ترجمہ قادیان میں ہی چھپوالیا ہے۔ چنانچہ قاضی صاحب نے اس ضرورت کو پورا کر دیا۔اور اس کی قیمت بھی تھوڑی رکھی گئی ہے۔...............اب ترجمہ کر دیا گیا ہے۔احباب کو چاہئے کہ اس بہترین مجموعہ کو ضرور خرید کر زیر مطالعہ رکھیں۔ (تقریر جلسہ سالانہ 1926ء۔الفضل 21 جنوری 1927ء)(تشحیذ جلد 12)

حضرت مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ ناظر تجارت اس کتاب کے متعلق مندرجہ ذیل الفاظ میں تحریک کرتے ہیں۔

''احباب جماعت یہ معلوم کر کے خوش ہوں گے کہ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل نے ایسی کتاب مرتب کی ہے۔جس میں کوئی سوال جواب ہیں۔ ہر باب کے نیچے پہلے آیات قرآن مجید کا ترجمہ ہے۔ پھر ان احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ترجمہ دیا ہے۔ جو اس باب کے متعلق ہیں............ یہ کتاب نہ صرف مسلمانوں کے بچے بچیوں جوانوں بوڑھوں کے لئے مفید ہوگی بلکہ غیر مسلموں میں تبلیغ کے لئے بھی کارآمد ہوگی۔ پھر اس کتاب کی یہ بھی ضرورت تھی کہ جو نو مسلم ہوتے ہیں۔ وہ نہیں سمجھ سکتے کہ اب کیسی زندگی اختیار کریں یہ کتاب ان کو قدم قدم پر راہنمائی کرے گی................. اور اب یہ نہیں کہیں کہ عورتوں کے پڑھانے کے لئے کوئی عام فہم کتاب نہیں کہ جس میں اسلامی مسائل بھی ہوں اور ہر طرح کی بہبودی اخلاق کی ہدایات بھی کیونکہ یہ کتاب ہر طرح سے جامع ہے اور مختصر بھی۔(مرزا شریف اور ناظر تجارت قادیان) (الفضل 14 دسمبر 1926ء صفحہ 8)

روحانی طبیب ''دس روحانی کبیرہ گناہوں کا علاج قرآن وحدیث سے۔

حضرت قاضی صاحب کے الفاظ میں درج کرتا ہوں۔

''آپ کے مخلص آپ کے خادم اکمل صاحب نے ایک رسالہ 48 صفحے حجم کا لکھا ہے۔جس میں مفصلہ ذیل روحانی امراض بخل حرام حسد، تکبر، ریا، زنا، جھوٹ کا علاج قرآن شریف واحادیث شریف سے بتایا گیا ہے۔ اپنی طرز کی پہلی تالیف ہے۔ مجھے احمدی احباب سے جو روحانیت کے بھوکے ہیں۔قوی امید ہے کہ وہ اس کی اشاعت کی سعی بلیغ فرماویں گے۔لوگ جسمانی بیماریوں حفظ ماتقدم کے لئے بیسیوں روپے خرچ کر دیتے ہیں۔کیا روحانی بیماریوں کے علاج کے لئے 2 آنے کے پیسے نہیں خرچ کئے جا سکتے۔ (تشحیذ اگست 1912ء) افسوس یہ رسالہ مجھے نہیں ملا۔

ہدایات دربارہ معاملات

کچھ عرصہ ہوا۔ میں نے ایک رسالہ سنت احمد یہ لکھا تھا۔ (نماز روزہ زکوٰۃ کے مسائل مرقوم تھے) اب میں نے اس کا دوسرا حصہ لکھا ہے۔جس میں خرید وفروخت قرض، امانت، وکالت، اجارہ غرض ہر قسم کے معاملات کے مسائل قرآن وحدیث سے لکھے ہیں۔ یہ جیبی تقطیع پر چھپوائی گئی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے اسے ''بہت مفید'' فرمایا۔ (تشحیذ اگست 1912ء) افسوس یہ رسالہ مجھے نہیں ملا۔

دلفگار، فطرت، انقلاب، انجام عیاشی

یہ چاروں آپ کے ناول ہیں۔ یہ ناول 1900ء سے قبل کے تحریر کردہ ہیں۔اردو کے ابتدائی ناولوں میں ہیں۔ڈپٹی نذیر احمد صاحب شمس العلماء کے ہمعصر تھے۔ان میں سے مجھے صرف ایک ناول انجام عیاشی ملا ہے۔گیارہ ابواب پر مشتمل 40 صفحات ہیں ابتدا میں تحریر کیا۔

''ہائے عیاشی تیرا ستیاناس۔ تیرا انجام سراپا یاس ہے۔تو آدم زاد کے لئے ہیرے کی کنی یعنی الماس ہے۔تجھ سے پیار کرنے والا از قسم خناس ہے میں نے تجھ سے پیار کیا تو اپنے تئیں ذلیل وخوار

کیا۔توبہ ہزار توبہ تو جان کے لئے زہر ہلاہل ہے۔تیرا شیدا ذلیل وخجل و پاگل ہے۔آہ اے نامراد عیاشی تیرا انجام کیا ہے۔مگر دوزی دل خراش صاحب فروش۔سوزاک وآتشک تیری دوسگی بہنیں خانہ بربادی تیری ماں ہے۔تو دشمن جاں عدو ایمان ہے۔ہائے میں کیا کروں کتنی آہیں بھروں صفحہ(2)

اس ناول میں آپ نے شمشیر سنگھ کی زبانی اس کی عیاشی اور بھیانک انجام کی داستان بیان کی ہے۔وقفہ وقفہ سے شعر اور نظمیں لاتے ہیں۔ابتدا میں عیاشی کے حق میں اور بعد میں اس کے خلاف۔یہ آپ کا ایک کامیاب ناول ہے۔جیسا کہ دوسرے تھے۔

احمدی جنتری

یہ جنتری 1913ء کی ہے۔شاید اس سے قبل بھی چھپوائی ہو۔مجھے صرف یہی ایک سال کی ملی ہے۔اس میں حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کا ثبوت موجود ہے۔وفات مسیح موعود اور نزول مسیح موعود کے مسائل کا بیان ہے۔حضرت قاضی صاحب کی زبانی بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا اس طرز کی آپ نے کی پھر سرمایہ کی کمی کی وجہ سے جاری نہ رکھ سکے اور بعد میں یامین صاحب نے اس طرز کو اپنایا۔

تفسیر سورہ یٰسین

حضرت قاضی صاحب یہ کتاب 48 صفحات کا ہے۔اوپر آیات قرآنیہ لکھ کر نیچے اردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔ترجمہ خدا کے فضل سے عربی لغت کے اور محاورہ کے عین مطابق ہے۔جس سے آپ کے علم کے متعلق علم ہوتا ہے کہ قرآن و عربی پر کس قدر عبور حاصل تھا۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم

ہیں اللہ کے نام پر برکتیں	جو بھی مانگے سب پر کرے رحمتیں
وہ نیکوں کو نیکی کا دیتا ہے اجر	بڑا مہربان ہے نہیں کرتا زجر
طریق استقامت کا بتلاتا ہے	وہ فطرت حقہ جتلاتا ہے

یٰسین

ہے یٰسین سربستہ راز حکیم	خدا جانے خود یا رسول کریم
اے انسان کامل ہماری طٰذا	بہت مخفی رکھتی ہے سر طٰذا

و القرآن الحکیم: انك لمن المرسلین، علی صراط مستقیم

قسم ہے ہمیں خاص قرآن کی	جو کرتا ہے تکمیل انسان کی
سراسر جو حکمت بھرا ہے کلام	رسالت یہ جس کی شہادت ہے نام
کہ تو مرسلوں سے ہے بے اشتباہ	ہدایت کا رستہ دکھاتا ہے واہ

اس طرح ساری سورۃ کا ترجمہ کیا ہے۔اور عربی قواعد کی طرف بھی اشارہ کرتے چلے گئے ہیں۔

قصیدہ بہشتی

یہ رسالہ 1903ء کو چھپی ہوئی 28 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ترجمہ منظوم پنجابی میں ہے۔اوپر عربی شعر اور نیچے ترجمہ اردو نثر میں اور پھر پنجابی میں منظوم ترجمہ ہے۔ پہلا شعر بطور نمونہ درج ہے۔

بانت سعاد فقلبی الیوم مقبول	متیم اثرھا لم یعد مکبول
جدوں سعاد وچھنی میں تھیں گئی سعادت میری	کلپے قلب جدائی کنوں اج روگیں جند گھیری
نال زنجیر محبت والے بدھا جی وچارا	پچھے اس دے بھوا ہویا نہ ملئیوس چھٹکارا

قرآن کریم کی دعائیں

قرآن کریم کی ادعیہ کا اردو منظوم ترجمہ ہے اور تحت اللفظ ترجمہ بھی۔اور اس کے ساتھ قصیدہ تصدیق المسیح ہے۔جس میں ضرورت زمانہ ظہور امام اور دلائل صداقت مسیح موعود اردو میں منظوم ہیں۔

پیارے مہدی تجھے یہ لوگ برا کہتے ہیں	ہائے افسوس نہیں سوچتے کیا کہتے ہیں

مانتے ہیں کہ ہے اس دین کی حالت نازک	قصر معمورہ اسلام گرا کہتے ہیں
ایسی حالت ہے تو پھر کیوں نہ مسیحا آئے	جسے امراض مصیبت کر دوا کہتے ہیں
چھا گئی ظلمت ادبار تو کلا یہ بدر	جس کے انوار کو انوار خدا کہتے ہیں

قرآنی دعا کا ترجمہ کانمونہ

(ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار)۔

ربنا دنیا میں ہم پر فضل کر	آخرت میں بھی ملے اچھا ثمر
خیر و برکت ہر دو عالم میں تو دے	دکھ نہ ہونے پائے دائم سکھ رہے
پھر بچائے رکھ عذاب نار سے	اور بہشتی زندگی مجھ کو ملے
جب مال و جاہ بھی اک آگ ہے	الغرض دنیا کی ہرش ناگ ہے
ہر طرح کے رنج وغم کی آگ سے	اپنے عاصی کو بچا اے رب میرے
خاص کر جو آگ ہے طاعون کی	بھسم اس میں ہو نہ جائے زندگی

احسن القصص

یہ سورہ یوسف کا ترجمہ وتفسیر ہے کہ آپ نے 1903ء میں لکھی اور اپریل 1911ء میں شائع ہوئی۔ابتدا میں تحریر کیا ہے۔

''اظہار لیاقت وشہرت مقصود نہیں واللہ باللہ تاللہ محض للہ میں اللہ کے ایک برگزیدہ نبی پر الزام دیکھ نہیں سکتا.................ان خیالات سے مجبور کیا کہ میں اپنی سمجھ کے موافق ایک تفسیر لکھوں اور حتی الواسع صحیح ترجمہ کروں۔دوستو! ترجمہ قرآن بڑا مشکل ہے۔ایسا نہیں جیسا لوگ سمجھتے ہوں۔آج کل جسے تھوڑی بہت عربی آتی ہو یا یہ بھی نہ آئے...........وغیرہ ترجمہ آگے رکھ کر ایک ترجمہ بنالیتا ہے۔ مگر الفاظ کی تہ تک پہنچ کر اس کے لئے اردو نکالنا ایک ایسا مشکل امر ہے کہ جو لکھتا ہے۔وہی جانتا ہے۔آپ اس ترجمہ کو غور سے دیکھیں کہ حتی الوسع تحت الفضل کے مفہوم کے ادا کرنے کا کہاں تک

خیال رکھا گیا ہے۔اور یہ سب اللہ کے فضل سے ہوا ورنہ میں کیا اور میری لیاقت کیا۔(ص ب)

معیار الصادقین یعنی راستبازوں کی پہچان

بدر پریس قادیان سے ربیع الثانی 1326ھ میں چھپی ابتدا میں تحریر کیا۔

''جس میں میں نے اپنے علم وفہم کے مطابق وہ سب اصول بتائے ہیں جو آج تک کے مذہبی مطالعہ سے مامور من اللہ کی شناخت کے بارے میں مجھے معلوم ہوئے اس کے ضمن میں اپنے سید ومولا حضرت مسیح موعود مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی عقائد پر ایک مختصر مگر جامع بحث کر دی ہے۔اور مخالف علماء کے عقائد کا باہمی تناقض خود انہی کی کتابوں سے دکھایا ہے............اگر کوئی سعید روح اس سے فائدہ اٹھائے۔تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔(ص ب)

فیض الرحمان

سورہ رحمان کا عام فہم پنجابی میں منظوم کیا ہے۔یہ ترجمہ کتابی صورت میں مفید عام پریس لاہور 1902ء میں شائع ہوئی۔

کرامات المہدی

یہ کتاب 1329ھ میں بدر پریس قادیان سے شائع ہوئی۔اس میں 133 نشانات مسیح موعود علیہ السلام پیش کئے گئے ہیں۔اور آخر کتاب میں وفات مسیح قرآن حدیث، ائمہ اربعہ،صحابہ کرام کے اقوال سے ثابت کی ہے۔

پنج گنج

اس رسالہ میں آپ نے چار قل کی پنجابی منظوم تفسیر رقم کی۔اور آخر میں سورہ نباء کی اردو منظوم تفسیر ہے۔اس کی تاریخ آپ نے یہ کہی۔

یہ تاریخ اکمل نے اس کی لکھی	نباء۔ چار قل کی ہے تفسیر قول

1318ھ

شہادۃ الفرقان

یہ ایک مخالف کی کتاب شہادۃ القرآن حصہ اول کا جواب ہے۔ یہ آپ کے ہجرت سے قبل گولیکی میں لکھی۔ مگر سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے جنوری 1909ء میں قادیان سے شائع کی۔ اس کتاب کی ابتدا میں لکھتے ہیں۔ ”شہادۃ القرآن حصہ اول اس وقت میرے سامنے ہے۔ جو مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے مسیح کے حیات کے بارے میں لکھی ہے۔ اس پر مختلف ریویو کرتا ہوں۔ مختصر اس لئے کہ ایک تو مجھے صرف اصول کا جواب دیتا ہے۔ دوم اب وفات مسیح ایک ایسا مسئلہ ہو چکا ہے کہ اس پر زیادہ خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں رہی۔ صفحہ (2)

کتاب الصیام

مسائل رمضان پر پہلا رسالہ ہے جو احمدیہ مسلک کے مطابق شائع ہو۔ بدر پریس سے چھپ کر قادیان سے یکم ستمبر 1910ء میں شائع ہوا۔

احمدی طریقہ

یہ کتاب 1325ھ بمطابق 1907ء میں بدر پریس قادیان سے چھپ کر قادیان سے شائع ہوئی۔ اس میں احمدی عقائد اور نماز روزے کے متعلق طرز عمل بالدلائل درج ہیں۔ یہ آیات قرآنیہ دے کر نیچے پنجابی نظم میں ترجمہ کیا ہے۔ اور استدلال بھی پنجابی منظوم ہے۔ ان مسائل پر رسالہ کی صورت میں احمدیت کی پہلی کتاب معلوم ہوتی ہے۔

اس کے ابتدا میں لکھتے ہیں کہ ”ایک احمدی عقائد کے متعلق لکھی پھر اس کا ترجمہ خلاصہ ”سنت احمدیہ“ کیا۔ اس تصنیف کے بعد خیال آیا کہ اس کتاب کو پنجابی نظم میں کر دوں مگر ساتھ ہی اختصار کا بھی خیال رکھوں یعنی حدیث کے الفاظ نہ لکھوں صرف حوالہ دے دوں۔ ایسا ہی کم ضروری چھوڑ کر بہت ہی ضروری دلائل و مسائل لکھوں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ تا کہ پنجاب کے احمدی بچے اس کو بسہولت یاد کر سکیں اور ہوش سنبھالتے ہی اپنے احمدی عقائد سے واقف ہو جائیں۔ نیز ان اَن پڑھ

یا کم علم احمدیوں کے لئے مفید ہو۔ جو سلسلہ عالیہ کی کتابیں نہیں پڑھ سکتے ہیں۔ اور انہیں مخالفین سے مکالمہ کرنا ہوتا ہے............ میں امید کرتا ہوں۔ اگر یہ اشعار ان کو یاد ہوں گے تو وہ ہر اپنے جیسے بلکہ آج کل کے عالم ملانوں کو کافی جواب دے سکیں گے .... میں نے اس کتاب کے لکھنے میں بڑی محنت اٹھائی ہے۔ وہ یہ کہ شعر کہنا تو آسان ہے مگر شعر لکھتے وقت ناظم کا یہ خیال ہوتا۔ کہ حتی الوسع بہت سے مسئلے ایک ہی شعر میں آجائیں ساتھ ہی مسند کا بھی ذکر ہو جائے۔ پھر آسان اور سلیس بھی ہو۔ علاوہ ازیں یہ کوشش بھی کی گئی کہ تمام ضروری اور موٹی موٹی باتوں کا ذکر آجائے۔ زیادہ تر محنت نماز و روزہ کے مسائل میں اٹھائی ہے...... اس میں جتنے مصرع ہیں۔ وہ تقریباً کسی نہ کسی آیت یا حدیث کا ترجمہ ہیں۔ (ص 1)

سنت احمدیہ

یہ کتاب فقہی مسائل پر مبنی ہے۔ قادیان سے 1910ء میں شائع ہوئی حضرت قاضی صاحب احمدی طریقہ کے ابتدا میں لکھتے ہیں:۔

''ایک اور کتاب کوئی چار سو صفحہ لکھنے کی توفیق عطا ہوئی۔ جس میں احمدی عقائد کو بالتفصیل بیان کیا۔ اور زیادہ تر قرآن میں سے دلیلیں دیں۔ اور اپنے پیارے امام علیہ السلام کے دعاوی کو بھی ثابت کیا پھر اس کا خلاصہ۔ سنت احمدیہ میں کیا چونکہ بدر پریس میں چھپ رہا ہے اس میں تمام ایسے عقائد درج ہیں۔ جن سے ہم احمدی غیر احمدی مسلمانوں سے الگ ہوتے ہیں۔ پھر آخیر میں نماز، روزہ کے تمام مختلف فیہ مسائل کا فیصلہ بھی احمدی طریقہ کے موافق کتاب وسنت سے الحکم العادل روحی فداہ کے منشاء کے مطابق (جہاں تک کہ مجھے علم تھا) کیا ہے۔''

اس کتاب کے ابتدا میں لکھتے ہیں: ''امابعد۔ یہ ایک رسالہ ہے۔ جس کا نام ہے۔ سنت احمدیہ میں نے اپنے علم وفہم کے مطابق اس میں نماز روزہ زکوٰۃ، نکاح، طلاق کے مسائل بالدلائل جمع کئے ہیں۔ اور حتی الوسع اس میں ضروری بحث کر دی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت خصوصیت

کے ساتھ اس کو غور سے پڑھے نا وہ ان لوگوں کو جوان کے طرز عمل پر اعتراض کرتے ہیں یہ بتا سکیں کہ ہمارا عمل کتاب وسنت پر ہے۔اور امور دین میں صرف خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کا حکم معتبر ہے۔صفحہ (1)

اس کتاب کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی رائے زرین یہ ہے۔

''میں نے اس کتاب کو پڑھا۔کتاب ہر ایک پہلو میں مجھے پسند ہے۔جزی اللہ المصنف۔آمین

(دستخط) نورالدین (بدر 9 جون 1910ء ص 7)

قصہ سلیمان وبلقیس

کہ سورہ سباء کا ترجمہ ہے۔خصوصاً حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سباء جو آپ پر ایمان لائیں۔اردو میں منظوم کیا ہے۔اس کی تاریخ اشاعت یہ ہے۔

ہوا فکر جب نام وتاریخ کا سلیمان وبلقیس خوش ہو کہ 1317

سخن خوب

دلچسپ سچی حکایتوں کا اردو منظوم مجموعہ ہے۔اس کا تاریخی نام سخن خوب ہی ہے۔مفید عام پریس لاہور سے 1902ء میں چھپوا کر گولیکی سے شائع کیا۔آخر کتاب میں رباعی لکھی جس کے ہر مصرعہ سے تاریخ نکلتی ہے۔

کرد تالیف چون کتاب اکمل	مخلص ما رفیق اہل اکمل
1318ھ	1318
سال تصنیف او چنین پیدا است	نیک وعمدہ بیان وخوش اقوال
1318ھ	1318ھ

کنجوس۔جاھل دوست سے دوری وچغلی سے بچنا۔بے وفائی اور حرص کی خدمت فضول خرچی کے نقائص۔دیانتداری۔سوچ کر بولنا۔اپنے عیب خود معلوم کرنا وغیرہ کے متعلق بہترین رنگ میں

کہانیوں کی صورت میں۔

نماز:

اس کے سن اشاعت کا علم نہیں۔نہایت خوبصورت لکھائی اور حاشیہ ہے۔تمام نماز اور اس کے مسائل اردو میں اصل عربی کی عبارت درج کر کے نظم کر دیئے ہیں۔اور اس سے پہلے تحت الفاظ ترجمہ بھی دیا ہے۔لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

نہیں کوئی معبود حق کے سوا	محمد ہیں برحق رسول خدا

قبولیت دعا کی چھپاسی گر

یہ آپ کا ایک مضمون ہے جو تشحیذ مئی 1917ء میں شائع ہوا۔تو بعد میں عوام کے اصرار پر رسالہ کی شکل میں شائع ہوا۔

مکرمی ومحترم چوہدری محمد حسین سابق امیر ضلع ملتان کا ایک خط ملا ہے جس میں آپ نے لکھا ہے۔بندہ 1913ء میں آپ سے قادیان میں برادر عبداللہ جان مرحوم کے ساتھ (جب کہ ہم دونوں اسلامیہ کالج کے طالب علم تھے) ملا کرتا تھا۔میں نے آپ کی کتاب ''قبولیت دعا کے ستاسی گر'' پڑھی جس نے مجھے بہت فائدہ پہنچایا۔اور مجسم دعا بنا دیا۔جزاك الله احسن الجزاء

(محررہ مورخہ 25اگست 1926ء)

''اس طرح میرے دل میں تحریک پیدا ہوئی کہ دعاؤں کی قبولیت کے طریقوں پر ایک مضمون لکھوں۔میں نے ایک کاغذ پر کچھ باتیں جمع کیں کہ اس جمعہ کو حضرت خلیفہ ثانی نے اس مضمون پر خطبہ پڑھا۔اور دوسرے جمعہ بھی اس پر کچھ بیان فرمایا۔تب میں خاموش ہو گیا۔پھر خیال آیا کہ حصول ثواب کے لئے میں بھی اپنا مضمون دے دوں۔مگر ایک دوست نے ان خطبات کو کتاب کی صورت میں چھپوالیا۔تو میں نے اس کے فروخت ہو جانے تک توقف مناسب سمجھا۔اب میں لکھتا ہوں۔جو میں مختلف کتابوں کے مطالعہ سے جمع کر سکا۔یا میرے اپنے فہم اور تجربہ میں آیا پہلے مجھے

وہ اسباب لکھنے چاہئیں جن سے دعاؤں کی قبولیت میں روک پیدا ہو جاتی ہے۔''

(تشحیذ الاذہان مئی 1917ء صفحہ 2)

ادعیۃ الاحادیث

حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں: ''میں نے خدا کے فضل سے توفیق پا کر **ادعیۃ القرآن** کی تمام دعائیں جمع کر دیں معہ ترجمہ ونثر و نظم۔ پھر **ادعیۃ الاحادیث** لکھی جس میں وہ دعائیں جمع ہیں جو مختلف اوقات کے لئے جناب رسالتمآب نے فرمائیں۔''

تحفہ اکمل

الصلح خیر کے تحت بدلائل عقلیہ ونقلیہ ثابت کر دیا ہے کہ موجودہ حالت اس امر کی مقتضی ہے کہ بہ نسبت گاؤکشی کے گاؤ پروری کی طرف زیادہ خیال کیا جاوے۔ یہ کتاب 1318ھ سے قبل کی ہے۔ ہندو مسلم اختلافات کو دیکھ کر آپ نے یہ تجویز پیش کی۔ دونوں اپنے اپنے خیالات میں نرمی کریں تا کہ اتحاد ہو سکے جو ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ خود لکھتے ہیں: ''اس کتاب میں میں یہ دکھانے کی کوشش کروں گا کہ اہل اسلام کی ترقی ہندو مسلمانوں کے اتفاق پر منحصر ہے کیونکہ یہ عام طور سے مان لیا گیا ہے کہ یہ دونوں قومیں آپس میں چولی دامن کا تعلق رکھتی ہیں۔''

''غرض اس میں اہل اسلام سے اپیل ہے کہ ہندوؤں کے جذبات کا احترام کریں اور گائے کی جگہ دیگر جانور ذبح کر لیا کریں تا کہ امن برقرار رہے۔''

ظہور المہدی

احمدیہ مسائل پر تین صد صفحات پر مشتمل جامع مانع کتاب ہے۔ اس کی افادیت کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ اس کا ایک ایک نسخہ دس دس روپے میں فروخت ہوا۔ پاکٹ بک سے قبل یہ ایک کتاب تھی جو مسائل پر گفتگو کرتے وقت مدد ومعاون ہوئی۔ آپ کی بیماری کے زمانہ میں حضرت مولانا راجیکی صاحب کو خواب آیا جس کا ذکر حضرت قاضی صاحب کرتے ہیں:۔

''پھر مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کو خواب آیا کہ میں ایک کتاب حجج احمدیہ کے نام سے لکھوں اور اس کے مکمل ہونے پر میں ان بیماریوں سے مخلص پاؤں گا۔''

ابتدا میں اس کی طرف توجہ نہ ہوئی۔ پھر توجہ ہوئی اور یہ کتاب تصنیف کی۔ فرمایا: ''پھر وہ کتاب لکھی جس کا دوسرا نام ظہور المہدی ہے۔ یہ کتاب میں باوضوظہر وعصر کے درمیان لکھتا تھا۔''

اس کی تصنیف کے بعد آپ کو آرام آنا شروع ہوا اور کافی حد تک صحت سنبھل گئی۔ الحمد للہ۔

حضرت قاضی صاحب اس کتاب کا تعارف اور افادیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

''ظہور المہدی'' جس میں آمنت باللہ سے یوم الآخر تک احمدی مذہب اور حضرت مسیح موعود کے دعاوی کو مدلل بآیات قرانیہ واحادیث صحیحہ شرح وبسط سے بیان کیا گیا ہے۔''

نیز آخر کتاب میں لکھتے ہیں: ''الحمد للہ کہ یہ کتاب جو انشاء اللہ تعالیٰ مخالفوں پر اتمام حجت کرے گی اور یاران طریق کے لئے مددگار معاون ثابت ہوگی۔ چھپ کر شائع ہوئی ہے۔ ہر ایک احمدی کو جو نیا نیا سلسلہ میں شامل ہوا یا تمام کتب احمدیہ دیکھنے کی فرصت نہیں رکھتا چند روز کے مطالعہ میں معلوم ہو جائے گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو دعاوی کئے ان کے ثبوت آیات قرآن و حدیث سید الانس والجان واقوال ائمہ زمان میں کیا ہیں اور ہم احمدی غیر احمدیوں سے کن کن باتوں میں مختلف ہیں۔ اور ان اخلاقی مسائل میں ہمارا مشرب کیا ہے اور اس کے لئے ہم کیا ثبوت اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی میری محنت کو قبول فرمانے والا اور اسے نافع للناس بنانے والا ہے۔ اس کے حضور میں یہ نذر ہے اور اس کے فرستادہ مامور کی شناخت اور تعلیم دنیا پر ظاہر کرنے کے لئے میں نے قلم اٹھایا اور اس کے برگزیدہ مسیح کی یادگار اولعزم فضل عمر کے عہد میں اسے شائع کرتا ہوں۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم؛

قصص القرآن

قرآن کریم کے تمام تاریخی واقعات اردو میں منظوم کئے۔ فرمایا کہ

''منظوم کرتے وقت مجھے زیادہ تکلیف نہ ہوئی بلکہ قلم خود بخود چلتی جاتی۔ بڑی روانی سے یہ نظم کئے............کوئی پانچ ہزار اشعار ہیں۔ دو حصے چھپے۔ باقی مسودہ ضائع ہو گیا۔''

ایک اور موقعہ پر اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔''اس کے علاوہ قرآن مجید میں جس قدر تاریخی واقعات وقصص الانبیاء ہیں ان کو منظوم کیا اور یہ کئی ہزار اشعار ہو گئے۔ مجھے یہ شعر کہتے وقت دقت پیش نہ آتی تھی۔ بس قلم برداشتہ لکھتا جاتا تھا۔''

اردو خط وکتابت

یہ کتاب شائع ہوئی۔ ڈسٹرکٹ انسپکٹر صاحب مدارس ضلع گجرات دورہ پر آئے تو قاضی صاحب نے اپنی اس کتاب کا ذکر کیا اور دیکھائی تو انہوں نے دیکھ کر بہت ہی خوشی کا اظہار کیا اور کہا ''پہلے بتاتے تو اسے ضلع کے سارے پرائمری مدارس میں جاری کرا دیتا۔'' (مجھے نہیں ملی)

حکایات اخلاقی

گلاب سنگھ کے مطبع مفید عام لاہور سے چھپی (افسوس مجھے نہیں ملی)۔

مضامین

ہجرت سے قبل آپ دیگر اخبارات میں ادبی وتحقیقی مضامین لکھتے تھے۔ لیکن قادیان میں آ کر آپ کا ایک ہی عنوان تھا۔ تبلیغ، ادبی مضامین میں بھی تبلیغ مقصود تھی۔ مثلاً لکھتے ہیں:۔

پہلو میں دل، دل میں درد، درد میں سوز، سوز میں رقت پیدا کرنے والے خدا کی حمد وستائش سے عہدہ برآ ہونا میرا کام نہیں۔ ایک ہی ہے جو حامد ہو کر محمد کہلایا۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور جس کا مظہر اتم اس چودھویں صدی میں احمد کے نام سے آیا جس نے ہمیں پھر توحید کا ترانہ سنا کر محبوب ازلی یاد دلایا۔ جو حسن واحسان کا سرچشمہ تمام خوبیوں سے متصف، دلدار و دلربا ہستی ہے۔ شپرۂ چشم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ مگر وہ جن کو آنکھیں دی گئی ہیں اس کے جلوۂ دیدار کی تاب نہیں لا سکتے۔ ایک ہی جھلک سے بے خود ہو کر، گھر بار چھوڑ خویش واقارب سے منہ موڑ، یار واحباب سے رشتہ تعلق چھوڑ کر اس کے

دروازے پر دھونی رماتے ہیں۔ان کی رگ رگ میں محبت وعشق کا راگ ہوتا ہے۔جب ذرا مضراب دل کوحرکت ہوئی تو سازِ سخن چھیڑا۔پھر کچھ نہ پوچھو۔ایک سمان بندھ جاتا ہے۔شجر وحجر سے ندائے احسنت سنتے ہیں۔سنگدل سے سنگدل انسان سر دھنتے ہیں۔وہ جدھر نظر اٹھاتے ہیں۔انہیں اپنے ہی محبوب کے جلوے نظر آتے ہیں۔کیا ہی مبارک ہے یہ قوم اور کیا ہی خوش قسمت ہیں یہ لوگ یہ اپنے مولا کے ہیں۔یہ کس سے محبت کرتے ہیں تو خدا کے لئے اپنے دکھ درد کا فسانہ کہتے ہیں تو خدا کے لئے۔رنج والم سہتے ہیں تو خدا کے لئے۔(بحوالہ نغمہ اکمل صاحب) آپ کا صرف ایک مضمون درج کرتا ہوں۔

محبت

''مضمون ذیل میں حضرت اکمل نے محبت پر ایسی اعلیٰ انشا پردازی کی ہے کہ جو ناظرین کے دلوں میں نہ صرف محبت کی بلکہ خود مضمون نویسی کی محبت بھی پیدا کردے تو کیا عجب ہے'' (ایڈیٹر)

محبت! پیاری محبت! تیری دنیا جدا۔تیرا جہان الگ۔تیرا عالم نرالا۔جس اہل دل کو دیکھتا ہوں تیرا ہی متوالا ہے تو اس سرزمین کا گیاہ خودرو ہے۔ جہان پر مثل سبزۂ طور اگتے ہیں۔زمینوں میں تو وہ گوہر گرانمایہ ہے کہ جس کی شان میں آیا ہے۔ع۔یہ وہ گوہر ہے جو ملتا نہیں شاہی خزینوں میں!

تیرے کانٹوں میں پھولوں کی مہک۔تیرے جھاڑوں میں سبزوں کی لہک۔تیری تاریکی میں نوروں کی ضیاء۔تیری باریکی میں شان کبریا۔تیرے میدانوں میں جنت کا سماں۔تیری زمین رَوکش صد آسمان۔تیری بستی میں بلندی کا نشان۔اور تیری کمزوری میں قوت کا نشان۔تیری خوابوں میں بیداری اور تیری غفلت میں سو ہوشیاری۔تیری فنا میں بقا کا عالم اور تیری جفا میں وفا کا کالم۔تیری جہالت پر دانشوری قربان اور تیری ظلمت کفر میں نور ایمان اور تیرے جہل میں طور عرفان اور تیری موت میں حیات جاوداں اور تیری زندگی میں مرگ ناگہاں۔تیرے ہجر میں وصل کا مزا اور تیرے گریہ میں ہنسی کی ادا۔تیری ابجد خوانی عالم منتہیٰ بنانے والی اور تیری بے خبری صد آگہی دلانے

والی۔ تیری پیری میں شباب کی ترنگ۔ تیرے بچپن میں بڑھاپے کا رنگ۔ تیری خاموشی میں سو فریادیں اور تیری فریادوں میں چپ کی دادیں۔ تیرا ذرہ ذرہ مہر سامان اور تیرا قطرہ قطرہ بحر دامان۔ تیری شمعیں پروانوں پر نثار اور تیرے پھول بلبلوں کے لئے دلفگار۔ تیرے بیابانوں میں باغوں کی بہار اور تیرے ریگستانوں میں سو آبشار۔

آ محبت۔ پیاری محبت تو میرے دل کی مصفا شیشی میں عطر بن کر آ جا۔ تو میری شاخ تمنا پر پھول بن کر مہک اور بلبل بن کر چہک۔ تو اس زمین میں تخم بن کر آ اور طوبی بن کر نکل آ۔ تو میرے رونگٹے رونگٹے میں ایمان بن کر سما جا اور اعمال صالحہ ہو کر عضو عضو میں ظاہر ہو۔

اے محبت میں تیری نسبت کیا کہوں جبکہ وہ سراپا محبت جو محب ہو کر آخر محبوب ہوا۔ کہتا ہے کہ

اے محبت عجب آثار نمایاں کردی	زخم و مرہم بہرہ یار تو آسان کر دی
ہمہ مجموع دو عالم تو پریشان کر دی	ہمہ عشاق تو سرگشتہ و حیران کر دی

اور پھر کیا خوب فرمایا:۔

ہمہ جا شور تو بینم چہ حقیقت چہ مجاز	سینۂ شرک و مسلم ہمہ بریان کر دی

اے محبت! اے ناتوانوں کی توانائی اور شکستہ دلوں کی مومیائی۔ تو.............................. میری آنکھوں میں نور بن کر آ تا ظلمت عالم میں تیری روشنی کے ساتھ بے خوف و خطر سیر کر سکوں۔ میں جانتا ہوں کہ تو وہ شراب ہے جس کا خمار اعضاء شکن ہے۔ تو وہ گل نو بہار ہے جس کے ساتھ کئی کانٹوں کی الجھن ہے۔ مگر میرے محبوب نے سچ کہا۔ ع

واہ وہ باغ محبت موت جس کی رہ گذر	وصل یار اس کا ثمر پر اردگرد اس کے ہیں خار

لوگ کہتے ہیں کہ محبت قید بے زنجیر ہوتی ہے۔ مگر یہ قید کیا ہی دلپذیر ہے جس پر سو آزادیاں نثار اور یہ بربادی کیا ہی وجد انگیز لطف خیز ہے۔ جس پر ہزار ہا آبادیاں قربان۔ وہ محبت کی روح و رواں۔ وہ محبت کے آسمان کا مہر درخشاں۔ فرماتا ہے اور سچ فرماتا ہے۔ ع

اس جہان میں خواہش آزادگی بے سود ہے	اک تیری قید محبت ہے جو کردے رستگار
دل جو خالی ہو گداز عشق سے وہ دل ہے کیا	دل وہ ہے جس کو نہیں بے دلبر یکتا قرار

اے محبت۔ تمام شریعت کے احکام کو بجالانے والی۔ تمام منازل سلوک طے کروانے والی۔ ایمان کو میوہ نورس بنانے والی ایک تو ہی تو ہے۔ چنانچہ ایک تجربہ کار نے کہا ہے اور حق کہا ہے۔ ع

فقر کی منزل کا ہے اول قدم نفی وجود	پس کرو اس نفس کو زیر و زبر از بہر یار
تلخ ہوتا ہے ثمر جب تک کہ ہو وہ ناتمام	اس طرح ایمان بھی ہے جب تک نہ ہو کامل پیار
تیرے منہ کی بھوک نے دل کو کیا زبر و زبر	اے میرے فردوس اعلیٰ اب گرا مجھ پر ثمار
باغ میں تیری محبت کے عجب دیکھے ہیں پھل	ملتے ہیں مشکل سے ایسے سیب اور ایسے انار
تیرے بن اے میری جان یہ زندگی کیا خاک ہے	ایسے جینے سے تو بہتر مر کے ہو جانا غبار

اے محبت۔ وہ تو ہی ہے جو آدھی رات کو تہجد کے لئے اٹھائے۔ وہ تو ہی ہے جو سارا مال خدا کی راہ میں دلوائے۔ ہاں۔ وہ تو ہی ہے جو گھر باہر چھوڑائے اور وطن سے بے وطن کردے۔ بڑے بڑے امیروں کو فقیر بنائے۔ سارا سارا دن بھوکا پیاسا رکھوائے۔ ہاں وہ تو ہی ہے جس نے حسین، مظلوم حسین کو دشت کربلا میں کنبے سمیت پیاسے شہید کرایا۔ وہ تو ہی ہے جس نے ابوالانبیاء سے اپنے پیارے نوجوان بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے لٹوایا۔ تو نے ہی آگ میں خوشی خوشی ڈلوایا اور تو نے کسی کو بکریوں کا شبان بنایا اور کسی سے خنزیروں کو چروایا اور کسی کا سر آرے سے چروایا۔ سچ ہے۔ ع

کون چھوڑے خواب شیریں کون چھوڑے اکل وشرب	کون لے خار مغیلاں چھوڑ کر پھولوں کا ہار
عشق ہے جس سے ہوں طے یہ سارے جنگل پرخطر	عشق ہے جو سر جھکاوے زیر تیغ آب دار

اے محبت تو نہ ہو تو نماز ایک محنت، روزہ ایک مصیبت، زکوٰۃ ایک ٹیکس اور حج ایک دشت نوردی ہے۔ ع

کون ہے؟ جس کے عمل ہوں پاک بے انوار عشق	کون کرتا ہے وفا؟ بن اس کے جس کا دل فگار

اے محبت تو ہوتو سب کچھ ہے۔ اگر تو نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ مگر اے محبت تو ہوتو پھر اس کے لئے جس کو مخاطب کر کے کہنے والا کہہ گیا ہے۔ ع

سو چڑھے سورج نہیں بے روئے دلبر روشنی	یہ جہان بے وصل دلبر ہے شب تاریک و تار
اے میرے پیارے جہان میں تو ہے اک بے نظیر	جو تیرے مجنوں حقیقت میں وہی ہیں ہوشیار
اس جہان کو چھوڑنا ہے تیرے دیوانوں کا کام	نقد پا لیتے ہیں وہ اور دوسرے امیدوار

وہ رات کیا ہی مبارک تھی جب دو بجے کے قریب میں اپنے نفس کا مطالعہ کر رہا تھا۔ جب یہ سوال دل میں پیدا ہوا کہ اپنے محبوب لم یزل کے حضور تجھے ابھی حاضر ہونا پڑے تو کیا چیز ہے جو تو پیش کرسکتا ہے۔ آہ۔ اس وقت کی ندامت کا پسینہ ابھی تک بہ رہا ہے اور اس وقت تک میری روح کا ذرہ ذرہ کہہ رہا ہے کچھ بھی نہیں۔ کوئی عمل نہیں۔ کوئی خوبی نہیں۔ ہاں اگر کچھ ہے تو وہ محبت اس روح فرسا۔ جان گداز گھڑی میں اگر کوئی چیز میرے لئے موجب تسلی تھی تو یہی کہ الحمدللہ میرا دل بھی محبت سے خالی نہیں۔ پھر اس غم میں سہارا اگر دینے والے تھے تو یہ اشعار جو قابل ہیں کہ جھوم جھوم کر پڑھے جائیں اور دل ہی دل میں مزا اٹھائیں۔ ع

دوستی بھی ہے جب جس سے ہوں آخر دوستی	آ ملی الفت سے الفت ہو کے دو دل پر سوار
دیکھ لو میل محبت میں عجب تاثیر ہے	ایک دل کرتا ہے جھک کر دوسرے دل کو شکار
کوئی راہ نزدیک تر راہ محبت سے نہیں	طے کریں اس راہ سے سالک ہزاروں دشت خار
اس کے پانے کا یہی اے دوستو اک راز ہے	کیمیا ہے جس سے ہاتھ آ جائے گا زر بے شمار
تیر تاثر محبت کا خطا جاتا نہیں	تیر اندازو! نہ ہونا سست اس میں زینہار
ہے یہی اک آگ تا تم کو بچاوے آگ سے	ہے یہی پانی کہ نکلیں جس سے صدہا آبشار
اس سے خود آ کر ملے گا تم سے وہ یار ازل	اس سے تم عرفان حق سے پہنو گے پھولوں کے ہار

(بدر 20 اپریل 1911ء)

فصل پنجم

شعروشاعری

شاخیں:

اول: نظمیں۔دوم: تاریخ گوئی۔سوم: شاعری کے متعلق احباب کی آراء

شاعری

شاعری کا نام سنتے ہی خلاف مذہب اور ناجائز فتویٰ دے دیا جاتا ہے۔اس پر تدبر وتفکر کی تکلیف نہیں کی جاتی۔ ہر چیز کا استعمال اس کو برا بناتا ہے۔اسی طرح شاعری کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اچھی اور بری۔ بری کا ذکر قرآن کریم میں ان الفاظ میں ہوا:۔

"وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۔ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۔ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ۔ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ (الشعراء224-227)

ترجمہ:"اور شعراء کی جماعت ایسی ہوتی ہے کہ ان کے پیچھے چلنے والے گمراہ ہوتے ہیں۔ (اے مخاطب) کیا تیری سمجھ میں (اب تک) نہیں آیا کہ وہ (شعراء) تو ہر وادی میں بے مقصود پھرتے ہیں اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔سوائے (شاعروں میں سے) مومنوں اور نیک عمل کرنے والوں کے اور ان کے جو اللہ کا (اپنے شعروں میں) کثرت سے ذکر کرتے ہیں اور (اگر ہجو کرتے ہیں تو ابتداءً نہیں کرتے بلکہ) مظلوم ہونے کے بعد (جائز) بدلہ لیتے ہیں اور وہ لوگ ظالم ہیں۔ضرور جان لیں گے کہ کس مقام کی طرف ان کو لوٹ کر جانا ہوگا۔" (تفسیر صغیر صفحہ 282)

اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ شاعری بذاتہٖ بری نہیں۔ بری بنائی جاتی ہے۔ یہاں دو قسم

کے شعراء کا ذکر ہے۔ اچھے اور برے۔ اور دونوں کے تین تین اوصاف بیان ہیں۔ برے شاعر کے یہ اوصاف مذکور ہیں۔

اول۔ اس شاعر کے متبع شریر، فاسق و فاجر لوگ ہوتے ہیں اور خود شاعر غیر مومن، غیر متقی، بدکار، شرابی، بدچلن ہوتا ہے۔ شہوانی جذبات سے پر اشعار کہتا ہے جو رنڈیوں کی زبان پر اکثر سنے جاتے ہیں۔ دوم۔ ہر جنگل میں سرگرداں ہوتا ہے یعنی ہر موضوع پر شعر کہتا ہے۔ آج مدح کر رہا ہے تو کل مذمت پر اتر آیا اور لمبی چوڑی ہجو کہہ ڈالی۔ کبھی ہزلیہ، کبھی مزاحیہ، غرض شاعری کو کسب معاش بنالیتا ہے۔ سوئم۔ شاعر کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے۔

اس کے برعکس اچھے شاعر کے اوصاف مندرجہ ذیل ہیں:۔

اول۔ شاعر مومن نیک عمل ہوتا ہے۔ اس کے اثر سے دوسرے نیکی و تقویٰ میں ترقی کرتے ہیں۔ دوم: اس کی شاعری کا مرکزی نقطہ ذات الٰہی ہوتا ہے۔ نعت رسول اللہ اور تبلیغ اسلام فرض اولین سمجھتے ہیں۔ سوئم: معاندین کی طرف سے کئے گئے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں۔ اس طرح قلمی جہاد میں شامل ہوتے ہیں۔

ایک حدیث ہے۔ ایک موقعہ پر ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ حضور کی رائے شعر کی بابت کیا ہے؟ آنحضور نے فرمایا کہ مومن کبھی تلوار سے جہاد کرتا ہے اور کبھی زبان سے یعنی دین کی تائید میں شعر کہنا لسانی جہاد میں داخل ہوا۔

اس طرح صحیح بخاری کی روایت ہے۔ ان من الشعر لحکمۃ اور جس کو حکمت دی جائے و من یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرً ا کثیرً ا جس کو مل جائے۔ اس کو دنیا میں اور کیا چاہئے۔ یہی تو نعمت خداوندی ہے جس کے لئے لوگ ترستے ہیں۔

آنحضرت ﷺ سے شعر سننا اور کہلوانا ثابت ہے۔ (حضرت عائشہ کی روایت ہے آنحضرتؐ اکثر فرماتے کچھ اشعار سناؤ۔ تو عرض کرتی وای ابیاتی ترید یا رسول اللہ فانھا کثیرۃ تو

فرماتے وہ اشعار سناؤ جو تم نے لشکر کے موضوع پر لکھے ہیں۔(معجم طبری) اسی طرح حضرت خنساء سے شعر سننا، (استیعاب کتاب النساء صفحہ 724) اور فتح الباری جلد دوم صفحہ 272 سے حضرت حسان سے بارہا شعر سننا ثابت ہے۔ اس اجازت کی وجہ سے خلفاء نے بھی چنانچہ شاعری کی۔ کان ابوبکر شاعراًوکان عمر شاعراًوکان علی اشعر الثلاثۃ (منتخب کنز العمال جلد پنجم صفحہ 41) حضرت حسانؓ کو آپؐ نے فرمایا کہ کفار کی ہجو کرو۔ جبرائیل تمہاری مدد پر کھڑا ہے۔(استیعاب جلد اول صفحہ 313)

اس طرح آنحضرت ﷺ نے خود شعر کہئے۔ مثلاً

اللھم لا عیش الا عیش الآخرۃ	فاغفر الانصار و المھاجرۃ

ایک اور شعر انگلی زخمی ہونے پر فرمایا:

ھل انت الا اصبع دمیت	و فی سبیل اللہ ما لقیت

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ہفتم صفحہ 34)

اس سے ثابت ہوا کہ اسلام شاعری سے روکتا نہیں ہاں اس شعر سے روکتا ہے جس کے متعلق یعتبر من الکذب آتا ہے۔ فصاحت میں کذب کی ملونی کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ آتا ہے۔

"ان الاسلام یمنع من الکذب و الشعر یزینہ الکذب"(استیعاب جلد اول صفحہ 127)

اسلام کی تائید میں شعر کہنا قلمی جہاد ہے۔ اسلام کے حکم و عدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔ ع

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق	جس ڈھب سے کوئی سمجھے بس یہی مدعا ہے

یہی احمدی شعراء کا نصب العین ہے۔ انہوں نے بھی نام پیدا کرنے کے لئے شعر نہیں کہے اور نہ ہی شعر میں کذب کی ملاوٹ کی۔ انہوں نے شاعری سے خدمت اسلام کی ہے اور کر رہے ہیں۔

حضرت قاضی صاحب اپنی شاعری کی ابتدا میں اس کی غرض اس شعر میں بتاتے ہیں۔ ع

شعر مے گوئیم اما شاعری مقصود نیست	پند یاراں سب غیر از طاعت معبود نیست

حضرت قاضی اکمل صاحب احمدیت کے ابتدائی چند شعراء میں سے ایک ممتاز شاعر ہیں۔آپ نے شاعری کی ابتدا پرائمری کی تسلیم کے دوران شروع کی۔اس کا شان نزول یہ ہے کہ آپ کے اساتذہ میں سے ایک استاد بہت مارتے تھے۔خوش قسمتی سے انہیں شاعری کا بھی شوق تھا۔وہ شعر لکھتے اور حضرت قاضی صاحب کو دیتے کہ حضرت مولوی صاحب تصحیح کروا لانا۔اس وجہ سے وہ حضرت قاضی صاحب کی عزت کرتا اور کبھی نہ مارتا تھا۔اس وجہ سے آپ کو شاعری کی طرف توجہ پیدا ہوئی۔اس وقت آپ نے ایک شعر کہا۔خود فرماتے ہیں ''میرا سب سے پہلا شعر 1892ء چھٹی جماعت نیاز احمد کے ساتھ کنجاہ میں''۔ ع

کروں پہلے حمد الہٰی بیان	بنائے ہیں جس نے زمین آسمان

اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ابتدا ذات الہٰی کی حمد و ستائش سے ہوئی اور 1899ء میں جب بیماری کی وجہ سے گھر سے نکلنا مشکل ہو گیا تو آپ نے سلسلہ تصنیف شروع کیا۔اس کے ساتھ ہی آپ نے باقاعدہ شاعری شروع کی۔اس زمانہ میں اپنے علاقہ کے ہمعصر مولانا شوکت خان سے اصلاح لیتے رہے اور پیارے لال میرٹھی کو اپنے ہاں مدعو کرتے اور بیٹھک میں مشاعرہ ہونا۔اس زمانہ کی غزلیں نہایت عمدہ ہوتیں۔روایتی شاعری زلف و گیسو اور گل و بلبل اور بادہ و شراب کا ذکر آپ کی شاعری میں نمایاں ہے۔نعت رسول عربی، فارسی اور اردو میں بھی کہی اور مرثیہ بھی کہے۔خاص طور پر تاریخ نویسی میں آپ کو کمال حاصل تھا۔لیکن 1904ء کے بعد آپ کا موضوع سخن احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی تبلیغ، عشق مسیح موعود بن گیا۔

حضرت قاضی اکمل صاحب کی شاعری کے فنی پہلو پر کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ایسے پاکیزہ مذہبی کلام کا مدعا و منشا شاعری و زباندانی نہیں ہوتا اور نہ اسے سخن دانی مروجہ قواعد و ضوابط پر پرکھنا مناسب ہوتا ہے۔حضرت قاضی صاحب خود فرماتے ہیں۔ ع

فقط اظہار درد دل ہے مقصد اپنا شعروں سے	یہ میں نے کب کہا زباں دانوں میں رہتا ہوں

اس کے علاوہ آپ کا اکثر کلام فی البدیہہ ہے۔ معاندین سلسلہ کا جواب دینا مقصود ہوتا ادھر اخبار آیا۔ قلم اٹھایا۔ جواب نظم کیا اور حوالہ کاتب کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جو نظمیں آپ نے آپ کی خدمت میں پیش کیں وہ اظہار زبان دانی کے لئے نہ تھیں۔ جذبات کی ترجمانی مقصود تھی اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی فرقت کا صدمہ اس قدر تھا کہ آپ نے باقی زندگی خود فراموشی کی کیفیت میں بسر کی اور زبان پر محامد مسیح موعود رہتے۔ خود فرماتے ہیں۔............ع

مجھے اس خود فراموشی کی کیفیت میں رہنے دو	جسے ہو بے خودی اچھی اسے ہشیار کیا کرنا
تجھے اس تنگ نائے دھر میں خستہ جگر اکمل	بجز یاد غلام احمد مختار کیا کرنا

ع ''مجھے ہر دم خیال حضرت مغفور رہتا ہے'' کی وجہ سے آپ کا اکثر کلام مشتعل جذبات کا آئینہ دار ہے اور آہ و نالہ کبھی پابند زیر و بم نہیں ہوتا۔ فرمایا

میرے شعروں میں ہو موزونیت اکمل کیونکر	آہ و نالہ کبھی پابند زیر و بم نہیں

اور پھر بعد میں جب کہ اس کی نوک پلک بھی سنواری نہ جائے۔ جو فرماتے ہیں:۔

''ایسی حالت میں جو کچھ کہہ جاؤں اس کی اصلاح نہیں کیا کرتا''۔ (تحفہ اکمل صفحہ 13)

اصلاح سے شاید زبان تو اچھی معلوم ہو مگر جذبات دل کی صحیح ترجمانی نہیں ہو سکتی اور اشعار میں وہ قلبی درد نہیں ہوتا جو دوسروں کو متاثر کرے۔ آپ کے کلام میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود ہے۔ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں:''میں شاعر نہیں کہ ان کی نظموں کی داد دے سکوں۔ ہاں ایک وجدانی بات ہے کہ مجھے ان کے پڑھنے سے بہت لطف حاصل ہوتا ہے اور بعض نظموں کو میں کئی بار پڑھ چکا ہوں اور اب بھی شوق سے پڑھتا ہوں۔'' (بدر 9 نومبر 1911ء صفحہ 10)

تاہم مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ فن کے لحاظ سے بھی حضرت اکمل صاحب کا درجہ اپنے

ہمعصروں میں نمایاں ہے۔الطاف حسین حالی نے پنجاب میں آنے کے بعد نعرہ لگایا تھا۔ع

حالی اب آؤ پیرویٔ مغربی کریں	بس اقتدائے مصحفی و میر ہو چکی

لیکن محمد......مغربی کا تصوف بھی مصحفی و میر سے چندے مختلف نہیں ہے۔متقدمین میں سے جس کسی شاعر نے بھی تصوف و روحانیت کی کیفیات و مدارج پر قلم اٹھایا ہے وہ ’’وجو وشہود،‘‘ ’’حقیقت ومجاز‘‘ اور ’’مستی وسرمستی‘‘ کی بھول بھلیوں میں بھٹک کررہ گیا ہے۔اورایسا معلوم ہوتا ہے کہ ’’مشاہدہ حق کی گفتگو‘‘ کرتے وقت اس نے ’’بادہ وساغر‘‘ کا سہارانہیں لیا۔ان کی فرضی یا حقیقی لذتوں کواپنا مقصدحیات قرار دے لیا ہے۔حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کے درجہ پرفائز کیا۔اس لئے حضور نے بہت سے ایسے مسائل جس پر شطحیات ومزخرفات کی تہہ جم گئی تھی۔اپنے ’’قلبی واردات‘‘ کی بنا پر سلجھا دیئے۔حضرت قاضی صاحب کو چونکہ مدتوں حضورعلیہ السلام اورحضور کے خلفائے کرام کی صحبت ومجالست سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔اورآپ نے اپنی آنکھوں سے وحی والہام، مکالمت ومخاطبت اورکشف وکرامات کی بارش ہوتی دیکھی۔اس لئے قدرتی طور پرآپ کے کلام میں وہ ابہام نہیں ہے جو اکثر شعرائے متقدمین میں استدراک وعرفان نہ ہونے کی وجہ سے پایا جاتا ہے۔آپ نہ تو میرو مصحفی کی طرح متشائم اور فراریت پسند تھے۔نہ حالی کی طرح ماضی کے نوحہ خوان۔ان میں نہ تواقبال کی عینیت پسندی ہےاورنہ اکبرالہ آبادی کا تمسخر۔ انہوں نے حقیقی اسلام،احمدیت کے واضح نصب العین کوشاعرانہ شگفتگی کا لباس پہنا کر جہادوعمل کی تلقین کی ہے۔آپ میں مولوی ظفرعلی کا اشتعال وغیظ نہیں پایا جاتا بلکہ وہ معاندین سلسلہ کوبھی واذ خاطبھم الجاھلون قالوا سلامًا کے ارشاد کے مطابق دعوت فکر دیتے ہیں۔آپ کے تغزل میں حسرت موہانی کا رنگ پایا جاتا ہے۔لیکن سوچ کا انداز وہی ہے جس طرح خود سلطان القلم نے ’’درثمین‘‘ میں ڈالی۔آپ اردو وشاعری کے جدید تقاضوں سے بھی بے خبر نہیں رہے۔لیکن گیت یا گانا لکھتے وقت بھی اپنے موضوع سے روگرداں نہیں ہوئے۔آپ عروض وقوافی اورانشاء واملاء کا خاص طور پر

لحاظ رکھتے تھے اور ''ضرورت شعری''، ''غلط العام'' اور ''غلط العوام'' کا سہارا نہیں لیتے تھے بلکہ اصل تلفظ کی نشان دہی کے لئے اعراب ڈال دیتے تھے۔ان کو اردو اور پنجابی کے علاوہ فارسی اور عربی میں بھی محاورہ تھا۔انہوں نے قران واحادیث کے حوالے میں آمد و برجستگی سے نظم کئے ہیں وہ تلمیحی شاعری کے ایک درخشاں باب کا درجہ رکھتے ہیں۔

آپ کے تبحر اور وسعت علم کا اندازہ ان اشعار سے ہوسکتا ہے جو عربی، فارسی حتیٰ کہ کشمیری، ہندی اور گورمکھی زبان میں کہے گئے ہیں۔لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت قاضی صاحب کی شاعری کا مقصد ''اظہار زباندانی'' نہیں بلکہ ان کے سامنے ایک ہی نصب العین تھا۔جس کے حصول کے لئے وہ بار بار جماعت احمدیہ سے خطاب کرتے رہے۔تبلیغ۔اس کا عملی نمونہ انہوں نے خود پیش کیا ہے۔چنانچہ دہریہ، سکھ، پادری، ہندو، سجادہ نشین، گنوار عورتوں اور اہل پیغام سے ملاقاتوں کا حال آپ نے خود قلم بند کیا ہے۔آپ کا جنون تبلیغ اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ جب کوئی نہ ہوتا تو چاند، زہرہ، دمدار ستارہ، بلبل، کبوتر، فاختہ، کوئل حتیٰ کہ ''ویرانے کے بادشاہ'' ہی سے باتیں کرتے اور اپنے دل کی کہہ ڈالتے تھے۔آپ کی بیشتر نظموں کا محور تاریخ احمدیت کا کوئی نہ کوئی اہم واقعہ ہے۔اس لئے کوئی محقق چاہے تو بیعت اوّل سے لے کر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے انتخاب تک سلسلہ کے عروج وارتقاء کا بڑی آسانی سے احاطہ کرسکتا ہے۔

نعت

تیرے صدقے تیرے قربان مدینے والے	میری اولاد میری جان مدینے والے
دین و دنیا کے سب انعام ہمیں دلوائے	کس قدر ہیں تیرے احسان مدینے والے
تیری تعلیم نے مذہب کی حقیقت کھولی	تو نے بخشا ہمیں عرفان مدینے والے
تو نے روحانی و جسمانی ترقی کے لئے	کر دیئے ہیں سبھی سامان مدینے والے
ملتی ہے تیری غلامی میں نبوت ظلی	اللہ اللہ تیری شان مدینے والے

قادیان کا ہے شرف تری ہی نسبت سے تمام	یہ ہے سب ترا ہی فیضان مدینے والے
تو ہی دنیا میں ہے اک کامل و اکمل انسان	تجھ پہ نازل ہوا قرآن مدینےو الے
کفر و اسلام میں تھی جنگ نتیجہ یہ ہوا	حق نے بخشا تجھے فرمان مدینے والے
دین اسلام ہے بے عیب مکمل جامع	اس کے قائل ہیں بھی ادیان مدینے والے
نفع اپنا کرے جو قربان تری خاطر	اسے ہوتا نہیں نقصان مدینےو الے
ہے مسیحا نفسی کہ فرمایا ہے	تو نے ہر درد کا درماں مدینے والے
ترے اسوہ سے مشرف ہو بطرز احسن	سچے مسلم کی ہے پہچان مدینے والے
تجھ سا ہو شافع مقبول تو پھر کیوں ہو گا	امتی ترا پریشان مدینے والے
جو بھی آیا ترے در پر کبھی خالی نہ گیا	مشکلیں میری ہوں آساں مدینے والے
خوش نصیبی ہے یہ اکمل کی کہ روز محشر	ہاتھ میں ہو تیرا داماں ہو مدینےو الے

نعت

محمد مصطفیٰ پر جان و دل قربان ہو میرا	یہی ہو زندگی میری یہی ایمان ہو میرا
محمد مصطفیٰ کی پیروی میں عمر بس گذرے	غمی شادی میں دستور العمل قرآن ہو میرا
محمد مصطفیٰ کے دوستوں سے دوستی رکھو	اگر دشمن بنے کوئی تو وہ شیطان ہو میرا
محمد مصطفیٰ کی خاک پا سرمہ بنا لوں میں	حضور پاک کے اقدام میں عرفان ہو میرا
محمد مصطفیٰ کا گوشۂ چشم اس طرف ہو جائے	یہی نروان ہو میرا یہی کلیان ہو میرا
محمد مصطفیٰ کی شان کیا مجھ سے بیان ہو گی	کہ جس کے خادموں میں مہدی ذیشان ہو میرا
محمد مصطفیٰ کی قوت قدسیہ ایسی ہے	کہ مطیع کامل رسول الآن ہو میرا
یہی تو امتیازی بات ہے ختم نبوت کی	کہ ذرہ مہر ہو جو مہربان رحمان ہو میرا

غلامی میں نظر ائے گی ہادئ اکبر	حقیقت ظل کی یہ ہے کمال ایمان ہو میرا
اگر میں اس نعمت عظمیٰ کا میں انکار کرتا ہوں	تو یہ تو اپنے منعم سے بڑا کفران ہو میرا
محمد مصطفیٰ محبوب ہے مطلوب ہے اکمل	یہ نعمت گر ملے تو ایزد سبحان ہو میرا

نعت

درود و سلام آپ پر بھیجتا ہوں	یہ نذرانہ صبح شام بھیجتا ہوں
میرا دل تو ہے پہلے ہی نذر مولیٰ	اور اب اپنا لخت جگر بھیجتا ہوں
یہ سب مال و دولت ہے تیری بدولت	فدا ہونے کو گھر کا گھر بھیجتا ہوں
تمنائیں سب اپنی قربان تم پر	خلوص عقیدت کا زربھیجتا ہوں
میرا ہدیہ ٔ دل جو واپس ہوا تھا	وہ میں آج بار دگر بھیجتا ہوں
ارادت کی کشتی میں اشکوں کے موتی	حضور شہ بحر و بر بھیجتا ہوں
یہ صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃ خزینہ	میں اپنا ہی زاد سفر بھیجتا ہوں
یہ دربار در بار شہ رسالت	یہ سوغات با چشم تر بھیجتا ہوں
تمہیں ہو میرے شافع روز محشر	گلستان دل کا ثمر بھیجتا ہوں
مطول ہے اعمال بد کی کہانی	ندامت مگر مختصر بھیجتا ہوں
یہ نکلی ہوئی قلب سے سرد آہیں	نہ پوچھو نہ پوچھو کدھر بھیجتا ہوں
میرے پاس ہے کیا دبی آرزوئیں	بجز منت نامہ بر بھیجتا ہوں
میں مجبور کے پاس فریاد اپنی	پئے دفعہ ہر شور و شر بھیجتا ہوں
زمانہ کی گردش سے مجبور ہو کر	شکایات حال بتر بھیجتا ہوں
کروں کیا نتیجہ ہے ناکامیوں کا	دلی آرزو در بدربھیجتا ہوں

ادھر سے جو ناکام الفت رہا میں	تمنا و ارمان ادھر بھیجتا ہوں
پہنچ ہی رہے گا نہ سمجھو کہ اکمل	یونہی نالۂ بے اثر بھیجتا ہوں

وہ نظمیں جو آپ نے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی خدمت میں پڑھیں۔فرمایا:

وہ دن یادآتا ہےتو خون کے آنسورلاتا ہے جب میں اپنے امام کے حضورآیا اوراس فکر میں تھا کہ کیاتحفہ پیش کروں۔آخرنمازظہر سے پہلے بیٹھ کر یہ چنداشعار جن میں قافیہ کا کچھ لحاظ نہیں وہیں بیٹھے بیٹھے لکھے اور پھر پڑھ دئے۔آپ کی مسکراہٹ نے میرے خرمن صبر وقرار پر اور بھی بجلیاں گرائیں اور میں یہیں کا ہورہا۔ع

آتش فرقت محبوب نے جب گرمایا	جذبۂ شوق زیارت مجھے پھر لے آیا
کیا کہوں ہجر کی گھڑیاں ہیں گزاریں کیونکر	دل شیدا کو تری یاد نے کیا تڑپایا
دل جو رہتا متوجہ بدیار محبوب	قبلۂ دین کے لئے قبلہ نما بن آیا
مرغ دل جو کہ تڑپتا ہر وقت رہا کرتا تھا	قطب دوران کے لئے قطب نما بن آیا
پھوٹے وہ آنکھ نہ جس میں ہو ترا شوق دید	ٹوٹے وہ ہاتھ جو بیعت کو نہ تیری آیا
دل وہ کیا دل نہ ہوجس میں تری کچھ بھی الفت	سر وہ کیا سر ہے نہ جس میں تیرا سودا آیا
یوسف مصر نبوت کے حضور اک نادار	اپنی کم مائگی کو لے کر خریدار آیا
دی صدا اوف لنا الکیل کی اس نے آ کر	مسنا الضر کی عرضی کو وہ لے کر آیا
میرا پیمانہ معارف سے خدارا بھر دے	کاسۂ عجز لئے ایک سوال آیا
کچھ پتہ اس کو بھی محبوب ازل کا دینا	ایک سرگشتۂ وادیٔ محبت آیا
اک جھلک اپنے سوالی کو بھی دکھلا دینا	اسی محبوب کی جس کا تو نشان بن آیا
کون سی راہ سے دلبر کی طرف جاتے ہیں	راستہ پوچھنے گم کردۂ منزل آیا
تیرے چہرے سے نظر آئے خدا کا چہرہ	حق نما آئینہ واللہ یہی ہے آیا

شپر چشموں کو دکھلائی رہ دینا کیونکر	افق وحی پہ جو مہر رسالت آیا
قلزم عشق سے نکلے ہوئے سچے موتی	ہدیہ کے طور پر لے کر ترا خادم آیا
آرزو ہے تری خدمت میں رہوں کچھ مدت	بس اس واسطے پریس میں اکمل آیا
اپنے مولی سے یہی میری دعا ہے دن رات	تیرے سایا میں رہوں تو ہے خدا کا سایا

مندرجہ ذیل نظم کے متعلق حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد خوشتر میں ایک نظم میں نے لکھی جس کا ایک شعر یہ ہے۔ع

جس میرزا کی خاطر گھر بار ہم نے چھوڑا	آؤ تمہیں دکھائیں وہ میرزا یہی ہے

نظم لکھنے کے تین چار روز اور بعد مجھے معلوم ہوا کہ حضرت اقدس بھی ایک نظم اس ردیف وقافیہ میں تحریر فرما رہے ہیں۔اس توافق اتفاقیہ پر میں نے اللہ کا شکر کیا کہ کچھ نہ کچھ پرتو انوار ملائک کا اس گنہگار کے قلب پر بھی پڑتا ہے۔ (تشحیذ مئی 1917ء)

ہم ڈھونڈتے تھے جس کو وہ دلبر یہی ہے	وہ پیارا پیارا چہرہ وہ مہ لقا یہی ہے
اپنا سلام جس کو ختم الرسل نے بھیجا	نبیوں کی شان والا وہ مجتبیٰ یہی ہے
تیغ دعا کا جس کی لیکھو ہوا تھا کشتہ	وہ صلح جو بہادر جنگ آزما یہی ہے
کر دی ہے جس نے قائم کل مذہبوں پہ حجت	وہ غالب زمانہ شیر خدا یہی ہے
آتھم کو پہلے مارا، سعد کو پھر پچھاڑا	وہ باب لد کا فاتح کشور کشا یہی ہے
اپنے نشان دکھا کے بٹھلایا رعب حق نے	ڈرتے ہیں دل میں جس سے کل آریا یہی ہے
عیسیٰ کی موت ثابت سارے جہان میں کر دی	جو مر گیا وہ لوٹے جھوٹی رجا یہی ہے
ہوں سیدھے بال جس کے اور رنگ گندمی بھی	وہ مہدی و مسیحا بیٹھا ہوا یہی ہے
طاعون و زلزلہ کی پہلے خبر سنائی	ان پیشین گوئیوں نے ثابت کیا یہی ہے
پھر صدق پر ہے شاہد وہ آیت تقول	جو افتراء ہو کرتا اس کی سزا یہی ہے

بخشی جسے خدا نے اعداء پہ کامیابی	جس کے گواہ بنے ہیں ارض و سما یہی ہے
گم گردگان منزل آؤ تمہیں بتاؤں	وہ مرشد خلائق وہ رہنما یہی ہے
اس آئینہ میں دیکھے وہ جس نے دیکھنا ہو	محبوب لم یزل کا چہرہ نما یہی ہے
میرا دلی عقیدہ گر مجھ سے پوچھتے ہو	تو صاف میں کہوں گا وہ مصطفیٰ یہی ہے
ڈنکے کی چوٹ سب کو میں یہ سنا رہا ہوں	وہ مرسل الٰہی ہادی مرا یہی ہے
جس میرزا کی خاطر گھر بار ہم نے چھوڑا	آؤ تمہیں دکھائیں وہ میرزا یہی ہے
محتاج ہے دعا کی روح و جسد کی حالت	کمزوریوں کا پتلا خادم ترا یہی ہے
لٹتا ہے معرفت کا ہر روز اک خزانہ	اس کاسہ میں بھی ڈالو میری صدا یہی ہے
بیٹھا ہے تیرے در پر دھونی رمائے اکمل	اب ہو رہے ہیں یہیں کا بس التجا یہی ہے

جب یہ نظم قاضی صاحب نے خدمت اقدس میں پڑھی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ نہایت سنجیدہ اور عمدہ ہے۔ ان سے لے کر چھاپ دی جاوے۔

سارے جہان سے اچھا دار الامان ہمارا	دار الامان ہمارا جنت نشان ہمارا
جس جا پہ اپنا عیسیٰ اترا ہے آسمان سے	اے سننے والو سن لو ہے وہ مکان ہمارا
مسجود قدسیاں ہے یہ سر زمین و اللہ	ہر لب پہ ذکر جاری ہے مہر زمان ہمارا
گلہائے معرفت پر ہم بلبلیں ہیں گویا	اب ہو چکا نشیمن یہ بوستان ہمارا
یا رب یہ آرزو ہے پوری ضرور کرنا	مسکن ہو یاں ہمارا مدفن ہو یاں ہمارا
کیا خوف ہے خزاں کا اس بوستان دین کا	جب احمد مکرم ہے باغبان ہمارا
جو کام کر دکھایا مہدی ترے قلم نے	وہ کام کر نہ سکتے سیف و سنان ہمارا
کل اولیاء سے بہتر بعض انبیاء سے افضل	یہ مصطفیٰ ہمارا یہ دلستاں ہمارا

حد سے بڑھیں نہایت ایذائیں دشمنوں کی	طاعون حق نے بھیجا پھر پاسبان ہمارا
تم اے زمینی لوگو نقصان کیا کرو گے	ہے روز اولین سے جب آسمان ہمارا
وہ دن بھی آ رہا ہے جب ہو گا ایک عالم	ان گالیوں کے بدلے خطبہ خوان ہمارا
برباد ہو رہے ہیں پر مانتے نہیں ہیں	کب سمجھے گا الٰہی ہندوستان ہمارا
منہ کالا دشمنوں کا کیا خوب کر رہا ہے	ہر روز ہو کے ظاہر اک نیا نشان ہمارا
زخمی جگر ہے اپنے اغیار کی زبان سے	پر کون جانتا ہے درد نہاں ہمارا
بیماریوں سے میں تو تنگ آ گیا نہایت	چھوڑا نہیں ذرا بھی تاب و تواں ہمارا
روکے رکھا مرض نے ورنہ میں جلد آتا	لگتا بجز یہاں کے ہیں دل کہاں ہمارا
کچھ ہو سکے تو کر لو بیمار کا مداوا	ورنہ عدم کو جاتا ہے کارواں ہمارا
دکھ درد کی حکایت دل کھول کر سنائیں	کوئی نہیں جہاں میں رازداں ہمارا
کیوں گولیکی میں رہتا کیا بے وفا تھا کوئی	ہم قادیان کے اکمل اور قادیان ہمارا

یہ نظم کافی لمبی تھی۔اس کا یہ شعر ہے:ع

غیرت کی جا ہے عیسیٰ زندہ ہو آسماں میں	مدفون ہو زمیں میں شہ جہاں ہمارا

یہ نظم مکرمہ اہلیہ ملک کرم الٰہی صاحبہ نے حضرت مسیح موعود کے حضور پیش کی (17 اگست 1906ء)

ہو درود آپ پر افلاک سے آنے والے	اپنی امت کو ہلاکت سے بچانے والے
آ گیا ہم کو یقین مہدیٔ معہود ہے تو	اے میرے راہ ہدایت کے دکھانے والے
صور پھونکا کیا عالم میں مسیحا تو ہے	دم اعجاز سے مردوں کو جلانے والے
ابن مریم سے نہ جو ہونا تھا وہ تو نے کیا	احمدی شان کو عالم میں بڑھانے والے
تو نے بتلایا محمد ہی ہے اک زندہ نبی	اے الوہیت عیسیٰ کو مٹانے والے

تو نے اعجاز نبی از نو زندہ کیا	
تیرے چہرے سے برستے ہیں پیارے انوار	ہو بہو شکل مسیحا نظر آنے والے
اپنے ہاتھوں سے تجھے حق نے معطر ہے کیا	باغ توحید کا دنیا میں لگانے والے
ہم کو بے دار نہ ہونے دیا، بیدار کیا	خواب غفلت سے ہمیں آ کے جگانے والے
آفرین کہتا ہے ہمت پہ تری کل عالم	غم امت کو اکیلے ہی اٹھانے والے
ایک حق کے لئے سب کو ہے۔ بنایا دشمن	آفرین کر رہے ہیں سارے زمانے والے
جم گیا سکہ ترا اے میرے سلطان قلم	فاتح ملک سخن نام رکھانے والے
گرم جوشی لے تری آریہ عیسائی، سکھ	پڑ گئے ٹھنڈے سبھی جوش دکھانے والے
جب کہ ہیں رسل سرور عالم مانع	پھر کہاں حضرت عیسیٰ ہوئے آنے والے
خاک میں کرتے ہیں وہ اپنے نبی کو مدفون	چرخ پر حضرت عیسیٰ کو چڑھانے والے
تو نے سمجھایا توفی کے ہیں معنے ''مرنا''	شاید آیات و احادیث کو لانے والے
دابۃ الارض ہی طاعون ہے بس فیصلہ کن	ٹھیک فرماتے ہیں یہ معنے سمجھانے والے
ہاں خدا کے لئے اکمل کو دعائیں دینا	احقر الناس کی بگڑی کو بنانے والے

یہ نظم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آخری سفر لاہور میں کہی حضرت قاضی صاحب لکھتے ہیں:

''جب میرا سید و مولیٰ لاہور گیا۔ تو میں قادیان میں گھبرا گیا اور چند اشعار لکھے آپ نے سن کر فرمایا''ان کو جلد یہاں بلوا لو۔''

صفحہ ارض پہ زریں ہے نشان لاہور	بڑھ گئی چرخ چہارم سے بھی شان لاہور
مردہ قوموں کو جلانے کو مسیحا آیا	مژدہ صد مژدہ تمہیں زندہ دلان لاہور
اتر آئی میرے مولیٰ کی برہنہ تلوار	سرنگوں کس لئے ہوں گے نہ بنان لاہور

شب تاریک زلازل میں وہ بدر کامل	کر رہا ہے خون ہے تنویر جہان لاہور
جان نکلنے کو ہے تیار ہمارے تن سے	ہائے کب آئے گا وہ روح و روان لاہور
صبح سے شام ہوئی شام سے پچھلا پہر	نظر آیا نہ مگر ماہ زمان لاہور
کھا چکے جتنا غم و رنج و الم کھا سکتے	ختم لیکن نہ ہوا قصہ خوان لاہور
تیرے مہجور مہاجر ہیں نہایت مضطر	دیکھنا چاہتے ہیں وہ بھی مکان لاہور
کوئی اس زخم پر اللہ لگا دے مرہم	گڑ گئی ہے میرے سینے میں سنان لاہور
تیر پر تیر جدائی کے چلے آتے ہیں	گئی میرے لئے کیسی کمان لاہور
کہہ گیا کچھ میں اگر جوش تب فرقت میں	مجھے معذور رکھیں احمدیان لاہور
اپنے اکمل کو بلا لیجئے جلدی حضرت	ہر گھڑی جس کی زبان پر ہے بیان لاہور

(مئی1908ء)

چند ایک نظمیں درج ذیل ہیں جو آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ہجرت کے بعد کہیں۔

السلام اے عیسیٰ گردوں مقام	السلام اے مہدی ذی احترام
السلام اے فاتح ملک سخن	السلام اے واقیف سروغن
السلام اے کعبہ دل کے خلیل	السلام اے مظہر نور جلیل
السلام اے منبع جود و کرم	السلام اے میرے سلطان القلم
السلام اے یوسف کنعان دین	السلام اے روح جان دین
السلام اے یادگار اسحاق کے	السلام اے شہر یار آفاق کے
السلام اے مالک ملک عظام	السلام اے مالک راہ کرام
السلام اے اہل فارس کے نصیب	السلام اے اپنے مولا کے حبیب

السلام اے آدم آخر زمان	السلام اے عالم معجز مجز بیان
السلام اے باغ احمد کے نہال	السلام اے ابن مریم کے کمال
السلام اے عزت ختم الرسل	السلام اے وارث ہر جزو و کل

ترانہ ارادت

تجھ پر سلام لاکھوں اے قادیان والے	اے قادیان والے دار الامان والے
تیرا خیال پیہم تیرا ہی ذکر ہر دم	وجہ سکون پر غم اے آن بان والے
سرتاج اولیاء ہے، قوموں کا راہنما ہے	تیرا وجود یکتا نام و نشان والے
ہم تیرے ہو چکے ہیں وہ بیج ہو چکے ہیں	پھل کھا رہے ہیں سب گلستان والے
جو کام کر دکھایا تیرے قلم نے آقا	کر سکتے ہیں بھلا کب ہندوستان والے
تم نے ہمیں نکالا ظلمات کافری سے	روشن شان دکھا کر روشن نشان والے
تحریر میں بلاغت تحریر میں فصاحت	اعجاز مانتے ہیں جادو بیان والے
بھیجیں درود تجھ پر سونے سے پہلے اکثر	افریقہ امریکا ہندوستان والے
جو وحی حق میں آئی خاتم نے جو بتائی	وہ شان تو نے پائی او سچی شان والے
حلقہ میں تیرے آئے دشمن تو منہ کی کھائے	رکھتے نہیں یہ ہمت تاب و تواں والے
وہ دن بھی آ رہا ہے گن گائیں تیرے ہی	سارے زمین والے سب آسمان والے
مامور اپنا بھیجا رستہ دکھایا سیدھا	کرتے ہیں شکر مولیٰ دل سے زبان والے
دنیا کی عیش چھوڑیں عقبیٰ سے رشتہ جوڑیں	یہ نفع مند سودا کر لیں زبان والے
پیتے ہی جس کے روشن چودہ طبق یکسر	گنڈر کہاں رکھے ہیں مئے ارغوان والے
اک زلزلہ ہے برپا پانی ہوا زمین پر	اکمل کا ہو محافظ اُو۔ لا مکان والے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال پر آپ نے جو مرثیہ کہا۔ وہ ناتمام ہی چھوڑ دیا۔ دیوان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کوشش کی مگر صدمہ فرقت سے اٹھی ہوئی قلم گر جاتی اور اس حال میں چھوڑ دیا۔

وہ چہرہ منور کچھ اور دیکھ لیتے	وہ دلستاں و دلبر کچھ اور دیکھ لیتے
ہو اصل جس کی ثابت اور فرع آسمان پر	اس نخل کا گل تر کچھ اور دیکھ لیتے
کیا کاٹ تھی غضب کی دشمن کی صف الٹ دی	تیغ نبی کے جوہر کچھ اور دیکھ لیتے
وہ ظہر و عصر آ کر کچھ دیر بیٹھ جانا	وہ جلوہ مکرر کچھ اور دیکھ لیتے
ہر روز ہو میسر دیدار رو انور	یہ خوبی مقدر کچھ اور دیکھ لیتے
خوشبو پہنچتی جن کی میرے شام جان تک	گیسوئے معنبر کچھ اور دیکھ لیتے
وہ حسن مجتبائی وہ خلق مصطفائی	وہ شان رب اکبر کچھ اور دیکھ لیتے
جس نے پلائے اکمل بھر بھر کے جام وحدت	وہ معرفت کا کوثر کچھ اور دیکھ لیتے

سیدنا نورالدین

بڑا قدیر ہے پروردگار نور الدین	بنایا قبلہ عالم دیار نور الدین
جو دیکھنا ہو کسی نے صحابہ کیسے تھے	وہ آ کے دیکھ لے لیل و نہار نور الدین
یہ انقطاع و تبتل پھر اس زمانہ میں	ہے خاص حصہ با اختیار نور الدین
ہر ایک کام میں سنت کا متبع رہنا	یہی شعار یہی ہے دثار نور الدین
بوقت عصر جو مسجد میں درس ہوتا ہے	دکھائی دیتی ہے کیسی بہار نور الدین
سپرد امت احمد کی دید بانی ہوئی	جناب حق میں ہے یہ اعتبار نور الدین
جو پیشگوئی میں پڑھتے تھے اسمہ احمد	وہ رکھتے بعد ازاں انتظار نور الدین

خدا کا شکر کہ آخر مراد بر آئی	بنے ہیں فضل سے ہم جان نثار نور الدین
وہ صدق میں ہے ابو بکرؓ فقر میں ہے عمر	دلائے یاد علیؓ ذو الفقار نور الدین
جو توڑی سر اعدا کو ہے دلائل سے	منا کے چھوڑتی ہے افتخار نور الدین
غنا میں جامع قرآن کی شان ہے پیدا	خدا کے آگے ہے صرف انکسار نور الدین
ہے چشمہ فیض کا جاری برحمت باری	بجھائے تشنگیاں آبشار نور الدین
مسیح وقت کی خدمت کا یہ نتیجہ ہے	کہ خاص و عام کا مرجع ہے دار نور الدین
غلام مہدی دوران فقیر باب قدیر	ہوا خلوص سے مدحت نگار نور الدین
دعا قبول ہو یہ خاکسار اکمل کی	مدام چمکے مہ نور بار نور الدین

شانِ محمود

اے کہ عالم میں ہے تو ایک نشان مرزا	تیرے کاموں سے بڑھی اور بھی شان مرزا
کیا اثر ہے کہ دل و جان ہیں قائل اس کے	آ گئی منہ میں تیرے گویا زبان مرزا
ناطقہ بند کیا اہل زبان کا تو نے	حق نے بخشا ہے تجھے حسن بیان مرزا
کیوں نہ سب جان جہاں تجھ کو پکاریں جاناں	قوم کی روح ہے تو اور ہے جان مرزا
نام محمود تیرا۔ کام بھی محمود تیرے	حسن و احسان میں بھی روح رواں مرزا
کان سنتے ہیں تیری بات زبان کہتی ہے	تو ہے موعود خدا گوہر کان مرزا
قصر احمد بن جو پھینکا کیسی مفسد نے ہم	مصلح قوم وہیں پہنچا نشان مرزا
یعنی تو فضل عمر فاروق حق و باطل	جس کے آنے سے ہے قائم وہی آن مرزا
بہترین عالم قرآن و حدیث و سنت	وارث علم لدنی و جنان مرزا
دوست دشمن کے لئے مائدہ روحانی	کیوں نہ تیار رکھے وسعت کوان مرزا

فتح کرنا ہے سب ادیان کو تم نے و اللہ	بس بڑھے جا و بصد شوق ....مرزا

طرز اکمل کا نہیں مدح سرائی لیکن

حق نے دکھلائی تیری شان میں شان مرزا

تم ہی فخر رسل ہو سیدنا تم فضل عمر ہو سیدنا	تم مصلح کل ہو سیدنا، تم شمس و قمر ہو سیدنا
محمود جہان ہو سیدنا، مسعود زمان ہو سیدنا	مقصود شہان ہو سیدنا، ممدوح بشر ہو سیدنا
تم راہ دیار احمد ہو، تم شاہ سوار احمد ہو	تم رنگ بہار احمد ہو، تم جنت کے ثمر ہو سیدنا
تم نورنظر ہومہدی کے،تم لخت جگر ہومہدی کے	تم شمس وقمر ہومہدی کے، ہاں اس کے پسر ہوسیدنا
اللہ نے خلافت بخشی ہے پھر اتنی لیاقت بخشی ہے	ہر طرح حکومت بخشی ہے با شکوت وفر ہو سیدنا
پیغام کے فتنے کا بانی ہے منکر فضل یزدانی	کچھ قدر نہ اس نے پہچانی اک کان گہر ہو سیدنا
ہیں خستہ جگر ہوں سیدنا بے علم و ہنر ہوں سیدنا	باحال بہتر ہوں سیدنا بس ایک نظر ہو سیدنا
للہ عنایت کیجئے گا کچھ اس پہ توجہ دیجئے گا	اکمل کی دعائیں لیجئے گا جو خادم در ہے سیدنا

1915ء

دعویٰ کے بعد اسی وزن پر ایک اور نظم کہی۔ جو زبان زد عام ہوئی اور آپ کو مبارک بادیں دی گئیں۔ حضرت قاضی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ.................. بزرگ نے مجھے کہا کہ قاضی زندگی میں یہ اک نظم کہی تم نے۔

تم ظل رسل ہو سیدنا تم فضل عمر ہو سیدنا	تم مصلح کل ہو سیدنا نبیوں کے قمر ہو سیدنا
محمود جہان ہو سیدنا مسحور زمان ہو سیدنا	مقصود شہان ہو سیدنا ممدوح بشر ہو سیدنا
تم راہ دیار احمد ہو تم شاہ سوار احمد ہو	تم رنگ بہار احمد ہو جنت کے ثمر ہو سیدنا
ہو مصلح دین اسلامی فرزند گرامی و اکرامی	ہے سب کی غلامی بے دامی باحشمت وفر ہو سیدنا

اعلان حقیقت فرمایا محفل کو ہماری گرمایا	تھا شوق نے دل کو گرمایا کیونکر نہ اثر ہو سیدنا
دوشنبہ مبارک دوشنبہ ہم کہہ رہے ہیں بے جنبہ	دشمن کا اڑا ہے سب بنبہ با فتح وظفر ہو سیدنا
ہر تین کے چوتھے ہوتے ہو اور تخم صداقت ہوتے ہو	یوں داغ دلوں کے دھوتے ہو باران گوہر ہو سیدنا
ایمان سبھی ہم لائے ہیں رحمت کے نشان سب پائے ہیں	انداز تمہارے بھائے ہیں الفت نظر ہو سیدنا
اکمل کی گزارش دوبارہ یا رب ہو گہنہ سے چھٹکارا	اب لاد چلا یہ بنجارہ آسان سفر ہو سیدنا

حضرت مصلح موعود مرفوع الی اللہ کا مرثیہ جو 1962ء میں کشفی طور پر کہا۔

میں بے نصیب رہ گیا پیچھے وہ چل بسے	فرقت کے صدمے سہنے کو رونے کو دور سے
پیتا پڑی ہے سر پہ یہ کیا وا مصیبتا!	وا حسرتا کہ خاک شدہ آرزو بسے
پھر سے چلے نسیم یہ گلشن ہو پر بہار	نغمے ہزار گائے یہ ویرانہ پھر بسے
بیمار و ناتواں ہیں سہارا تو دل کو ہے	موجود بالشہود ہیں ہم میں وہ خیر سے
ناصر تمہارا حافظ و ناصر رہے خدا	امیدوار فضل کریم است ہر کسے

وفات کے بعد بڑی مشکل سے جو چند اشعار کہے۔ وہ یہ ہیں۔

مصلح ربانی امت وہ رخصت ہو گئے	رہنما و ہادی ملت وہ رخصت ہو گئے
کارنامے مشرق ومغرب میں ہیں ان کے عیاں	کچھ نہیں تفتیش کی حاجت وہ رخصت ہو گئے
مرحبا صد مرحبا ہے اس وصال پاک ہو	مل گئی دنیا ہی میں جنت وہ رخصت ہو گئے

خادم آشفتہ افضل حق سے ہو کر جان بہ کف
کرے حاصل آگے بڑھ کر دین کی خدمت کا شرف

اک جھونپڑا بنا لوں بستان احمدی میں	کچھ نیکیاں کما لوں دنیا کی زندگی میں
یہ عمر یاں گذار وہ دنیا و دین سنواروں	ہمت کبھی نہ ہاروں تکلیف کی گھڑی میں
ہر وقت یاد تیری یا رب غذا ہو میری	بھولوں نہ میں خوشی میں چھوڑوں نہ میں غمی میں

چھوٹے نہ شہر تیرا ٹوٹے نہ عہد میرا	یا رب یہیں ہو ڈیرا تنگی تونگری میں
لب پر ہو نام احمد دل میں مقام احمد	پھیلے کلام احمد دور محمدی میں
اس جھونپڑے میں آؤں مہدی کے گیت گاؤں	اکمل کبھی نہ جاؤں لاہوری پارٹی میں
میں ستار تو نے پردہ پوشی بارہا کی ہے	مگر میں نے گناہوں میں بہت ہی کم حیا کی ہے
تیری بندہ نوازی نے ہمیشہ ہی وفا کی ہے	مگر میں نے جفا کی ہے جفا کی ہے جفا کی ہے
نہ باز آیا نہ باز آیا یہ نفس ظالم و سرکش	اگرچہ میں نے بھی اس کو ملامت بارہا کی ہے
یہ اکثر کہہ چکا ہوں اب نہیں ایسا میں کرنے کا	مگر جب وقت آیا پھر وہی میں نے خطا کی ہے
مجھے اقرار ہے اپنی خطاؤں کا مگر مولیٰ	میرا کچھ بھی نہیں چلتا کہ مجبوری بلا کی ہے
تجھی سے چارہ کار غریب بے نو ہو گا	یہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے ابتدا کی ہے
تیرے حکموں کو توڑا جس سے ملنا تھا اسے چھوڑا	تعلق غیر سے جوڑا حماقت انتہا کی ہے
مگر اب کیا کروں آہیں بھروں عادت نہیں جاتی	شکایت مجھ کو نفس دوں و کافر ماجرا کی ہے
تیری رحمت سے زندہ ہوں کہ آخر تیرا بندہ ہوں	مجھے معلوم ہے جو کچھ سزا اس نا سزا کی ہے
میری بگڑی بنانے والی تیری ذات عالی ہے	تو بالآخر تجھی سے رحم کی یہ التجا ہے
بچالے کیا شیطان سے چھڑا لے قید عصیان سے	تیری درگاہ میں آج رو رو کر دعا کی ہے
بتان بے وفا کے سنگ در پر سر نہ توڑوں گا	جبین ساقی کے شایان چوکھٹ احمد مرزا کی ہے
جو اپنی شان میں یکتا جو اپنی آن میں ایسا	کہ صورت اور سیرت سب محمد مصطفیٰ کی ہے
خیال عارضی پر نور و گیسوئے معنبر ہیں	میرے دل نے نماز صبح و شام اک جا ادا کی ہے
زمانے بھر کے صحت گاہ ناکارہ ہوتے ثابت	جہان میں دھوم اب دارالامان دارالشفا کی ہے
تمہیں انصاف سے کہنا کہ مجھ سے یوں کچھ	یہ کیا قدر محبت میری جان مبتلا کی ہے

رہا کرتا ہے عارضی عارضہ بس اک نہ اک مجھ کو
کسی دن یہ بھی سن لو گے کہ اکمل نے قضا کی ہے

نگہ لطف و کرم سرور دین تھوڑی سی	یعنی دلداریٔ مسکین حزین تھوڑی سی
دیر سے درپے دیدار کھڑے ہیں در پر	اک جھلک اور بھی ادا پردہ نشین تھوڑی سی
سرمۂ چشم بنا لوں میرے پیارے مہدی	خاک یا تیری جو مل جائے کہیں تھوڑی سی
کثرت دولت و حشمت یہ تفاخر بے سود	کام آئے گی فقط خدمت دین تھوڑی سی
دل اڑے جاتے ہیں لوگوں کے چکوروں کی طرح	اس طرف بھی ہو جبین ماہ تھوڑی سی
کون مے خانہ میں جائے کہ بنوں کمزور بہت	میرے ساقی مجھے پلوا دے یہیں تھوڑی سی
اس نہیں پر تیری قربان سبھی خم خانہ	ہاں تو پھر کہیو میری جان نہیں تھوڑی سی
اے مسیحائے زمان صدقۂ آل اطہر	مقبرے میں مجھے مل جائے زمین تھوڑی سی

کوئی پیغام میں جاتا ہے تو جائے اکمل
ہم تو عمر اپنی گذاریں گے یہیں تھوڑی سی

اے چاند چاند میرا بھی اک قادیان میں ہے	دار الامان خطہ جنت نشان میں ہے
اس چودھویں صدی میں ہوا ضیا فگن	پرتو! اس کے نور کا سارے جہان میں ہے
لگتے ہی پار ہوتا ہے سینے سے کفر کے	وہ ایسا تیر میرے خدا کی کمان میں ہے
کلمہ پڑھا دیا ہے بتان فرنگ کو	تاثر اس قدر دم معجز بیان میں ہے
سو سو پہ بھاری ہے وہ ولا یات غیر سے	اک اک مرید اس کا جو ہندوستان میں ہے

اس چاند پر نثار ہوں تجھ سے ہزار چاند
اور تا ابد یہ ہم پر رہے نور بار چاند

تھی ازل سے میری قسمت میں گنہگاریٔ عشق	ہاں یہی خاکی ہیں کہتے ہیں جنہیں ناریٔ عشق

دل دیا، مال دیا، جان بھی حاضر ہے مگر	حسن والو کبھی کی تم نے بھی دلداریٔ عشق
کوئے وبرزن میں شب وروز پھرا کرتے ہیں	ہم ہیں گرد اور ہر حلقۂ سرکاریٔ عشق
دل بیتاب یہ کہتا ہوا پہلو سے چلا	میرے نام آیا ہے پروانۂ راہداریٔ عشق
دوستو مژدہ کہ شاہنشۂ خوباں نے مجھے	ہے خطاب آج دیا اور میرے درباریٔ عشق
ہم نہ کہتے تھے تجھے او دل برباد جمال	رنگ لائے گی کسی روز یہ خونباریٔ عشق
بھوکے پیاسے درجاناں پڑے رہتے ہیں	اک نظر دیکھنا ان کو ہے بس افطاریٔ عشق
رام کر لیں گے کسی روز بتان اجمیر	چشتیو! ہم کو ملی قافلہ سالاریٔ عشق
دشمن اسلام کے غدار بہائی سارے	کہ ہیں بیگانۂ ہر رسم وفاداری عشق
ہے مسیحائے زمان ہی ہی رجل من فارس	باب کذاب تو مشہور ہے انکاریٔ عشق
اور سب دیکھتے ہی رہ گئے ناکام مرے	اس موعود کے حصے میں ہے سرداریٔ عشق
جمع سب قومیں اسی جھنڈے کے نیچے ہوں گی	ہے یہی مرکز ہر سلسلۂ جاریٔ عشق
نہ تو زاہد کو خبر ہے نہ کسی ملاں کو	ہم سے اس دھر میں جو چاہتا ہے باریٔ عشق

بعد مرتے کے یہ کتبہ میرے مدفن پر لگا

اکمل خستہ جگر مجرم اقراریٔ عشق

حقائق سے مذہب کی واقف کما ہی	نبی کے فدائی، خدا کے سپاہی

جولاتے ہیں دشمن کے سر پر تباہی

وہ دیکھو وہ دیکھو ادھر آ رہے ہیں	میرے بھائی تبلیغ کو جا رہے ہیں
یہ قرآن سنانے چلے جا رہے ہیں	یہ حکمت سکھانے چلے جا رہے ہیں
رہ حق بتانے چلے جا رہے ہیں	پیام خداوند پہنچا رہے ہیں

میرے بھائی تبلیغ کو جا رہے ہیں

مسلح سیوف الٰہی سے ہر دم	دعاؤں کی لے کر سپر نکلے باہم
ذرا دیکھئے ان شجاعوں کے دم خم	نمونہ یہ خدمت کا دکھلا رہے ہیں

میرے بھائی تبلیغ کو جا رہے ہیں

جبین پر نشان سجدہ ریزی کے دیکھو	اور ارمان پھر نور بیزی کے دیکھو
عجب نقش ذہنوں کی تیزی کے دیکھو	کہ ہر الجھن اپنی وہ سلجھا رہے ہیں

میرے بھائی تبلیغ کو جا رہے ہیں

بغل میں ہے قرآن لب پر دعائیں	ہدایت کے پھیلانے کی التجائیں
یہ کوشش کہ انسان کو حق سے ملائیں	یہی ولولے ان کو تڑپا رہے ہیں

میرے بھائی تبلیغ کو جا رہے ہیں

فدا کار ہیں یہ شہ دوسرا کے	دل و جان سے ہو چکے ہیں خدا کے
یہ میکش ہیں خمخانہ میرزا کے	جو مے پی ہے اوروں کو پلوا رہے ہیں

میرے بھائی تبلیغ کو جا رہے ہیں

خلافت کی برکات کا ہے کرشمہ	کہ جاری مئے فیضان احمد کا چشمہ
لگائیں جو آنکھوں پہ روحانی چشمہ	تو دیکھیں کہ سب ہی ادھر آ رہے ہیں

میرے بھائی تبلیغ کو جا رہے ہیں

الٰہی یہ خدام و انصار سارے	خدا کی خدائی میں اکمل کے پیارے
ضیا بخش عالم رہیں ماہ پارے	نور احمدیت کا پھیلا رہے ہیں

میرے بھائی تبلیغ کو جا رہے ہیں

آپ کے ایک شعر پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہتک کی ہے۔اس کا کئی بار جواب دیا گیا ہے۔خاکسار صرف آپ کے قلم سے دیا ہوا جواب ایک شعر کے نقل کرنے پر

اکتفا کرتا ہے۔ع گفتگوئے عاشقان در باب رب

فرماتے ہیں: ع

برتر گمان و وہم سے احمد کی شان ہے

جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے

مندرجہ بالاشعر بار بار مصطفویؐ میں میری عقیدت کا شعر ہے اور خدا جو علیم بذات الصدور ہے شاہد ہے کہ میرے واہمہ نے بھی کبھی اس جاہ و جلال کے نبی حضرت ختمیت مآب کے مقابل میں کسی شخصیت کو تجویز نہیں کیا۔ باوجود اس کے ایک شعر ہے جو اکثر معاند معترضین کی طرف سے گاہے گاہے پیش کر دیا جاتا ہے اور مجھے اس بارے میں عرض حال کا موقعہ نہیں ملتا جس کی وجہ سے یگانوں بیگانوں میں کچھ نہ کچھ گفتگو ہو جاتی ہے حالانکہ بات یوں ہے کہ خطبہ الہامیہ کے مندرجہ ذیل الفاظ میں نے پڑھے۔

و من انکر ان بعث النبی علیہ السلام یتعلق بالالف السادس کتعلقه بالالف الخامس فقد انکر الحق و نضل الفرقان و صار من الظالمین۔ بل الحق ان روحانیة علیه السلام کان فی آخر الالف السادس اعنی فی ھذہ الایام اشد و اقوی و اکمل من تلك الاعوام بل کالبدر التام۔

نیز فرمایا: **و اتخذت روحانیة نبینا خیر الرسل مظھرًا من امته لیبلغ کما ظھورھا و غلبة نورھا کما کان وعد الله فی الکتاب المبین۔ فانا ذالك المظھر الموعود و النور المعھود نامن ولا تکن من الکافرون۔**

تو میں نے 1906ء میں آج سے 38 سال پہلے ایک نظم لکھی (نہ خلافت اولیٰ میں نہ زمانہ خلافت ثانیہ مین) جس میں میری کوشش یہ تھی کہ یہ مضمون نظم میں آجائے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ یہ بات میرے خیال تک میں نہ آئی کہ میں یہ شعر (آگے سے ہی پڑھ کر اپنی شان میں) کہہ کر

حضرت افضل الرسل کے مقابل میں کسی کو لا رہا ہوں۔ بلکہ میں نے تو یہ کہا کہ محمد مصطفیٰ کا نزول ہوا یعنی بعثت ثانیہ اور یہ تمام احمدیوں کا عقیدہ ہے کہ نہ تو تناسخ صحیح ہے نہ دوسرے جسم میں روح کا حلول۔ بلکہ نزول سے اس کی روحانیت کا ظہور ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ **للآخرة خير لك من الاولى** ہر آنے والے دن میں تیری شان پہلے سے زیادہ نمایاں اور افزوں ہوگی۔ بوجہ درود شریف اور اعمال حسنہ امت محمدیہ جن کا ثواب جیسا کہ عمل کرنے والے کا نام لکھا جاتا ہے ویسا ہی محمد و معلم کے نام بھی۔ اس لئے کچھ شک نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان ہر وقت بڑھ رہی ہے اور بڑھتی رہے گی اور خدا کے وسیع خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ پس میں نے صرف یہی کہا کہ سیدنا محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکات و فیوض کا نزول پھر ہو رہا ہے اور آپ کے اترنے سے یہی مراد ہو سکتی ہے کہ آپ کی شان پہلے سے بھی بڑھ کر ظاہر ہو رہی ہے۔ اس شعر میں کسی دوسرے وجود کا مطلق ذکر نہیں بلکہ اس نظم میں آخری شعر یہ ہے۔ ع

غلام احمد مختار ہو کر	یہ رتبہ تو نے پایا جہاں میں

یعنی حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو رتبہ مسیح موعود ہونے کا پایا ہے وہ حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ کی غلامی کی طفیل اور ان کے اتباع کا نتیجہ ہے............ یہ نظم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں کہی گئی اور پیش ہوئی............ اور کسی نے یہ سوال نہ اٹھایا۔ تاہم میں نے یہ دیکھ کر کہ انجان لوگوں کو غلط فہمی میں نہ ڈالا جائے۔ 1906ء کے بعد یہ شعر اخبار یا رسالے میں نہیں چھپوایا بلکہ نظم سے نکال دیا تا کسی کو حرف گیری کا موقعہ نہ مل سکے۔ ایک شعر میں تمام پہلوؤں کو مدنظر نہیں رکھا جا سکتا۔ تمام نظم کو بیک نظر دیکھنے سے حقیقت ظاہر ہو سکتی ہے۔ (الفضل 13 اگست 1932ء)

نیز فرمایا: ''کیا مولوی محمد علی صاحب سراسر غلط اور بے بنیاد الزام واپس لیں گے''؟............ وہ اس نظم کا ایک حصہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور میں پڑھی گئی اور خوش خط لکھے ہوئے

قطعے کی صورت میں پیش کی گئی اور حضور اسے اپنے ساتھ اندر لے گئے۔اس وقت کسی نے اس شعر پر اعتراض نہ کیا حالانکہ مولوی محمد علی صاحب اور اعوانھم موجود تھے .... اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شرف سماعت حاصل کرنے اور جزاکم اللہ تعالیٰ کا صلہ پانے اور اس قطعے کو اندر خود لے جانے کے بعد کسی کو حق ہی کیا پہنچتا ہے کہ اس پر اعتراض کر کے اپنی کمزوری ایمان وقلت عرفان کا ثبوت دیتا۔اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت اس شعر کے وہی معنی سمجھے گئے جو خطبہ الہامیہ کی عبارت کے ہیں .... حالانکہ یہ شعر خطبۂ الہامیہ کو پڑھ کر حضرت مسیح موعود کے زمانے میں کہا گیا اور ان کو سنا بھی دیا گیا اور چھاپا بھی گیا .... الخ (الفضل 22 اگست 1934ء)

شاخ دوئم

تاریخ گوئی

شعراء ریختہ میں تاریخ گوئی میں جو مقام ''مومن'' کو حاصل ہے وہ غالب اور اقبال بھی حاصل نہ کر سکے۔غالب اپنی عذر پسندی کی وجہ سے تاریخ گوئی سے کتراتے تھے جیسا کہ خط بنام منشی شیو نارائن میں لکھتے ہیں کہ میں فن تاریخ کو نہیں جانتا''۔پھر لکھا'' میں مادہ تاریخ نکالنے میں عاجز ہوں۔لوگوں کے مادے دیئے ہوئے نظم کر دیتا ہوں۔(خط بنام علاؤالدین خان) لیکن جو تاریخ نکالی عمدہ نکالی۔بعض شعراء نے ابتداء میں کوئی لفظ دماغ میں رکھ لیا۔پھر اس سے تاریخ نکالتے چلے گئے۔اگرچہ وہ لفظ بے معنی ہی ہو۔انوری کے قصائد کو دیکھ لیجئے کہ ابتداء میں جن الفاظ سے تاریخ مطلوب ہے۔بے معنی ہی ہیں۔

اردو شاعری میں تاریخ گوئی نہایت مشکل مرحلہ ہے۔اس میدان مرد میدان چند ایک ہی ہیں۔مومن سے لے کر آج تک چند ایک نام لئے جا سکتے ہیں۔اگر تعصب کو چھوڑ کر دیکھا جائے تو حضرت قاضی اکمل

صاحب تاریخ گوئی میں مومن کا مقابلہ کرتے ہیں۔عمدہ اور بامعنی الفاظ۔آیات قرآنیہ اور مرحوم کے نام سے تاریخ نکالنا اور چند لمحوں میں نکالنا۔یہ صرف اور صرف حضرت قاضی صاحب کا ہی کمال تھا۔اس میں شعراءاردو آپ کا مقام مان لیں گے۔

جیسا کہ حضرت قاضی صاحب خود تحریر کرتے ہیں۔ع۔اکملا تاریخ گوئی میں تو ہیں استاد ہم

یہ صرف دعویٰ نہیں بلکہ اس مصرعہ سے قبل آپ نے مہارت حاصل کی اور پھر یہ کہا۔مثلاً اپنی ایک کتاب کی تاریخ نکالتے ہیں اور ہر مصرعہ سے نکالتے ہیں۔کتاب کا نام ہے''اردو خط وکتابت''

خریدیں لڑکے سب جو کر کے ہمت 1900	ٹکانے ہی لگ جائے میری محنت 1900
خریدیں نقد جان دے کے نہ کیوں گُل 1317	کتاب اچھی ہے جب خط وکتابت 1900
پڑھو تم شوق سے جس کو عزیزو	زہے ممنون انشاء پر حلاوت 1957
جو ہے محنت سے کی میں نے ہے تالیف 1317	خریداری کریں سب ہی یہ الفت 1900
یہ تاریخی ہر ایک مصرعہ کہا واہ 1900	بتائے عیسوی ہجری کے سمت 1317

اپنی کتاب''انشاء اکمل'' کی تاریخ فارسی میں نکالتے ہیں:۔ع

آمد از غیب بہر تاریخش	ہست انشایت 1318 اکمل۔آوازے

راجہ صاحب کا سہرا لکھا۔جس میں تاریخ نکالی ہے۔پہلے راجہ صاحب کے نام کا ایک ایک حرف لے کر اس سے آغاز کر کے شعر کہے اور آخر میں تاریخ:۔ع۔یاد تاریخ جو آئی تو یہ اکمل بولا

اجی ہے رونق بزم شہان برتر سہرا 1900

رونق بزم شہان کہے گا برتر سہرا 1957

ہجرت سے قبل آپ نے جو مرثیہ کہے اس میں تاریخ جن الفاظ سے نکالی ہے اس میں جدائی کا احساس پایا جاتا ہے۔جب کہ ہجرات کے بعد غفران کا۔اپنی ایک عزیز رشتہ دار''بتول'' کا مرثیہ کہا اور تاریخ نکالی:۔ع

اس کی رحلت پر کہا حیرت سے یوں ''ہائے اب ہی داغ مہجوری دیا'' 1318ھ

عبدالعزیز آف لنگوال کی تاریخ وفات کہی:۔ع

بگفت اکمل بموت دل فگارش ''جوانمرگ ومفاجاتست آھا'' 1318ھ

اپنے دوست محمد الدین فوق کی کتب کی تاریخ نکالی۔ناول ''غم نصیب'' کی تاریخ۔ع

لکھو تم بھی تاریخ اکمل کوئی	کہ باغ سخن کی ہو تم عندلیب
جو کی سوچ کچھ تو کہا عقل نے	''اجی اچھا ہے ناول غم نصیب'' 1318ھ

ان کی کتاب ''حالات شالامار'' کی تاریخ لکھی۔ع

ہوئی اکمل کو جب تاریخ کی فکر	کہا فی الفور ''ہے تاریخ اکمل'' 1318ھ

پھر لکھا:۔''فوق نے چھپوایا اچھا حال شالامار باغ'' 1318ھ

جنتری کی تاریخ ایسے مصرعہ میں کہی جس سے دوسروں کو تحریک بھی ہو۔ع

''جنتری طالب کی ہے یہ دوستو اب جلد لو'' 1318ھ

نیز۔''سنئے صاحب! جنتری کیا مخزن الاسرار ہے'' 1900ء

مسجد خانقاہ آف گولیکی کی تاریخ:

1۔تمام ہو چکی تیار جب تو اکمل نے

لکھا یہ سال ''خدائے وحید کا خانہ'' 1319

2۔ ازسر بندگی بگو اکمل۔ مظہر لا الٰہ الا اللہ

ہجرت کے بعد کے تاریخ گوئی کے اشعار وقطعات:۔

سب سے پہلے میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سانحۂ ارتحال کی تاریخ نکالی۔خود لکھتے ہیں:۔''خدا تعالیٰ کے ان خاص فضلوں سے جو عاجز اکمل پر ہیں۔ایک یہ فضل ہے جو آج رات کو دعا کے بعد ہوا کہ سیدی ومولائی حضرت خلیفۃ المسیح علیہ السلام کی تاریخ وفات پر میرے دل میں آئی۔

’’قل یا عیسیٰ انی متوفیك و رافعك الی‘‘ 1326ھ (البدر 11 جون 1908ء صفحہ 11)

نیز تاریخ نکالی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام سے فرمایا۔

’’بردار صادق ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت کلمۃ اللہ کا الہام ہے ’’مکن تکیہ برعمر ناپائیدار‘‘ 1326ھ۔

خدا تعالیٰ نے اس کے اعداد میں ہمیں سال وصال بتایا ہے۔ یہ تفہیم خدا کا دوسرا فضل ہے جو اس کے عاجز بندے اکمل پر ہوا۔ (الفضل 23 اپریل 1952ء صفحہ 96)

اسی طرح آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخ ’’مغفور‘‘ (1346ھ) نکالی۔ اس وجہ سے آپ کے کلام میں حضرت مغفور کے اکثر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر ملتا ہے۔

حضرت سیدہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی تاریخ یہ نکالی:۔

(1) سیدہ نصرت جہان بیگم ہوئی 1952ء۔ (2) مغفورہ 1331ھش

حضرت میر اسماعیل صاحب کی تاریخ وفات:۔

عالم و فاضل ادیب و شاعر صوفی حکیم	سول سرجن میر اسماعیل باخلق عظیم
سال رحلت بادل اندوہگین اکمل شنید	از سروشے ’’جان خادم داخل بیت النعیم‘‘ 1947ء

حضرت میر اسحاق صاحب جو آپ کے بہت قریبی دوست تھے کہ متعدد بار نکالی:۔ ع

شاہ دین آن حکیم خوش اطوار	مست حب محمد مختار
شد وفاتش بروئے عیسوی سن	بانزدہ جنوری چہل در چار
آہ از ما مفارقت فرمود	و قنا ربنا عذاب النار
عابد و زاہد و تقی و زکی	دست در کاروبار۔ دل بایار
چشمۂ فیض مرشد خلقت	ملجأ بے کسان دہر و دیار

صلح جو پارسا و صاحب دل	مرجع خلق زبدۃ الابرار
آل و اولاد او بخیر مدام	زیر ظل حمایت ستار

’’شدغم شاہ‘‘1363۔وائے ہجری سال

یادگارے زمابہ لوح مزار

نیز گفتم کہ 2المغفور 1363 یا’’غم.....محب آہ‘‘ نگار 1363

نیز مندرجہ ذیل فقرات سے تاریخ نکالی۔

1۔حین ضیف جنتہ 1313ھ 2۔انہ فی الاخرۃ لمن الصالحین۔1323ھش

3۔محب میر اسحاق صاحب بہشتی سلام قولا من رب رحیم۔1933

تاریخ اہلیہ میر محمد اسحاق صاحب

غم مرگ ام داور ہائے 1372ھ

ویغفر لھا 1332ہش

حضرت ام ناصر رضی اللہ عنہا کی تاریخ وفات:۔

بملک بفارقتہ آہ ام ناصرہ	زبانم ز توصیف او ہست ناصر
وصالش بہ ہجری و شمسی بجویم	لقد فاز فوزاً اعظیما بگویم 1337ھ

تاریخ وفات حضرت اہلیہ حضرت خلیفہ اول رضوان اللہ عنہم:۔

شرف بیعت مسیح دھور

یافت’’صفرا‘‘1291ھ بہ ابتدا ظہور

دار رضوان ندائے غیب اکمل

نیز:۔

اماجان زوج خلیفہ اول مسیح موعود وارد بجناب نعیم 1955ء

حضرت نواب محمد عبداللہ صاحب رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات:۔

''ہائے نواب زادے محمد عبداللہ خان داماد مسیح موعود چل بسے'' 1380ھ

ہائے افسوس ہوئے فوت میاں عبد اللہ	لب سے نکلا میرے بے ساختہ انا للہ
بسکہ تھے حضرت مغفور کے داماد اکمل	غفر اللہ لہ سال ہے رحلت کا آہ

اب چند ایک وہ تاریخیں درج کرتا ہوں جو آپ نے مرحومین کے نام سے استخراج کیں:۔

حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب بھٹی صحابی کی تاریخ وفات:۔ع

بزم اکمل میں درد کا ہے سماع

''قاضی عبدالرحیم ہائے وداع'' 1373ھ

حضرت حکیم فضل الرحمان صاحب کی تاریخ وفات:۔

''ہائے فضل الرحمان حکیم'' 1334ہش

''فضل الرحمان حکیم چل بسے'' 1375ھ

حضرت مفتی محمد صادق صاحب جو آپ کے قریبی دوست ومحسن تھے کی تاریخ وفات:۔

''مفتی محمد صادق کی وفات ہوگئی'' 1376ھ

حضرت مولانا راجیکی صاحب کی تاریخ وفات:۔

''ہائے غلام رسول'' 1383ھ ''بابائے غلام رسول'' 1383ھ

کچھ تاریخوں کا ذکر آپ کی سوانح میں آ گیا ہے۔اس لئے یہاں درج کرنا مناسب نہیں ہے۔

غرض ان چند امثال سے آپ کی تاریخ گوئی کا علم ہوتا ہے کہ وہ کس معیار کی ہے اور شعراء اردو میں کیا مقام رکھتی ہے۔

شاخ سوئم

آپ کی شاعری کے متعلق آراء

حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر البدر لکھتے ہیں:

”............ باقی رہے حضرت اکمل ان کی شاعری کی میں کیا تعریف کروں۔ جو اس فن میں انقص بھی نہیں۔ ناظرین خود ملاحظہ فرمایا کرتے ہیں کہ وہ کس پایہ کے ناظم ہیں۔ حال میں ایک صاحب پنڈت سری رام نام نے ایک بڑی محنت پر کمر ہمت چست کی ہے۔ تذکرہ شعرائے ہند پر ایک ضخیم کتاب لکھنی شروع کی ہے جس میں ردیف وار تمام نامی شعراء کا ذکر اور نمونۂ کلام درج کیا ہے۔ کتاب کا نام خمخانہ جاوید ہے۔ اس کی پہلی جلد قریباً آٹھ سو صفحات کی شائع ہوئی ہے۔ جس میں ردیف ”ب“ ختم ہے۔ اس کتاب میں حضرت اکمل کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس سے بھی ان کی شاعری کے رتبہ کا پتہ چلتا ہے۔ (بدر 22 جولائی 1909ء صفحہ 6)

خمخانۂ جاوید میں آپ کا یوں ذکر ہے۔

مولانا قاضی محمد ظہور الدین خان باشندہ گولیکی نواح گجرات پنجاب۔ مولانا شوکت میرٹھی سے اصلاح لیتے ہیں۔ مولوی فاضل کے درجے تک تعلیم پائی ہے۔ اخبارات میں بھی اکثر مضامین شائع کرتے رہتے ہیں۔ یہ آپ کا کلام ہے۔ ع

لو دل کی لگی رہتی ہے کیوں شمع و خون سے	ان سے تو سوا داغ کے حاصل نہیں ہوتا
ہوا میں خاک پھر بھی آئینہ رو کو کدورت ہے	ستارہ خاک ساری کا میری اب بھی نہیں چمکا
گاہ بجلی شعلہ زن ہے گاہ ہوا برباد کن	تختۂ مشق ستم ہے آشیان عندلیب
وہ شوخ چشم مست کو گردش بھی دے ذرا	ہو دم کے دم میں دھر کا نقشہ الٹ پلٹ
ہر شے میں جلوہ گر ہے مکان ہو کہ لا مکان	آتا نظر وہ پھر بھی کسی کو کہیں نہیں

(خمخانہ جاوید صفحہ 394)

یہ اشعار آپ کی ہجرت سے قبل کے ہیں۔ایک دوشعران غزلوں میں سے لئے ہیں جو مولانا شوکت کی طرح مصرعہ پر کہی گئی۔مثلاً ''الٹ پلٹ'' والی غزل۔مگر ہجرت کے بعد آپ نے کبھی اس رنگ میں غزل نہیں کہی۔بلکہ صرف تبلیغ سلسلہ اور عشق مسیح پہ آپ اشعار کہتے رہے۔

حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں:۔

''.................. ورنہ میرا پایہ ان بزرگوں میں بالکل نفی ہے۔ہاں میں مانتا ہوں اور دل سے مانتا ہوں اور ایسا ہی یقین کرتا ہوں کہ جب سے حضرت اکمل کا کلام مختلف رنگوں میں زیر نظر ہوا ہے۔دل یہی چاہتا ہے کہ بدر میں ان کی نظمیں ہی رونق کا باعث ہوں۔جو لوگ اس کی مخالف پہلو پر خامہ فرسائی کرتے ہیں وہ میرے نزدیک قابل التفات نہیں ہیں اعتراض کریں بے شک کریں مگر اکمل کا کلام بتدریج برابر ہونا چاہئے'' (بدر 15 اگست 1909ء صفحہ 3)

حضرت نواب ثاقب صاحب رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:۔ع

اے اکمل کے نکتہ دان سلامت	اے بلبل نغمہ خوان سلامت
لاہور کی نظم چھپ گئی ہے	کہتا ہوں بصد زبان سلامت

(بدر 9 جولائی 1908ء صفحہ 6)

جب ''نغمۂ اکمل'' پہلی بار شائع ہوئی تو حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے تحریر فرمایا:۔

''.................. میں شاعر نہیں کہ ان کی نظموں کی داد دے سکوں ہاں ایک وجدانی بات ہے کہ مجھے ان کے پڑھنے سے بہت لطف حاصل ہوتا ہے اور بعض نظموں کو میں کئی بار پڑھ چکا ہوں اور اب بھی شوق سے پڑھتا ہوں۔'' آپ کی ایک نظم جس کے دو شعر یہ ہیں:۔

تمہارے ہاتھ کے ساقی وہ ساغر یاد آتے ہیں	شراب معرفت کے گھونٹ اکثر یاد آتے ہیں
میری ٹوٹی ہوئی توبہ کے ٹکڑے رکھ لئے جائیں	کہ ان سے بزم ساقی کے وہ ساغر یاد آتے ہیں

پر نائب مدیر الفضل لکھتے ہیں:۔’’جناب اکمل جو’’قاش فروش دل صد پارہ خویش‘‘ ہیں اب بہ انداز حسرت معمورۂ تغزل میں تشریف لا کر سامعہ نواز ہوئے ہیں۔امید ہے کہ یہ چند جگر دوز آہیں و جان سوز نالے حلقۂ اہل درد میں ایک خاص گدازش پیدا کر دیں گے۔‘‘(الفضل 23 فروری 1920ء صفحہ 5)

آپ کی شاعری میں زیادہ حصہ معترض معاندین کے جواب کا ہے جیسا کہ حضرت میاں عطاء اللہ صاحب لکھتے ہیں۔(دیکھئے تعزیت نامہ)

مکرمی حافظ سلیم اٹاوی صاحب لکھتے ہیں۔’’احمدیت کے چمن میں چہچہانے کے لئے۔اکمل شیریں سخن سے نغمہ خواں پیدا کریں۔‘‘(الفضل 27 ستمبر 1945ء)

مکرمی چوہدری ظہور احمد صاحب ناظر دیوان فرماتے ہیں:۔’’حضرت قاضی صاحب ایک بلند پایہ شاعر تھے۔آپ کی شاعری سلسلہ کی خدمات کے لئے وقف تھی۔آپ کی امتیازی خوبی یہ تھی کہ اس زمانہ میں شاعری میں آپ کی معاند شعراء کا مقابلہ کرتے۔اور دندان شکن جواب دیتے۔خاص طور پر زمیندار سے مقابلہ رہا‘‘ (از مضمون غیر مطبوعہ)

حضرت ذوالفقار علی خان صاحب گوہر فرماتے ہیں:۔

ثاقب و مختار و صادق اکمل شیریں نوا	محفل محمود کے ہیں شاعران خوش بیان

(الفضل 31 مارچ 1917ء)

ہوتے دلکش ہیں سدا اسمٰعیلی	شعر اکمل سے ہوا کرتی ہے فن کی رونق

(الفضل 28 نومبر 1943ء)

مکرمی مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری روایت کرتے ہیں۔’’محترم قاضی صاحب کے اشعار کا اکثر حصہ دینی اور قومی جذبات پر مشتمل ہے۔آپ غزل مرثیہ قصائد رباعیات غرضیکہ ہر نوع کی شاعری پر قادر تھے۔بانوں اور فی البدیہہ بھی کہہ سکتے تھے۔اور اردو فارسی عربی تینوں زبانوں

سے خوب آشنا تھے۔اردو و فارسی میں آپ نے زیادہ تر شاعری کی ہے۔'' (از مضمون غیر مطبوعہ)

مکرمی نسیم سیفی صاحب سابق رئیس التبلیغ نائیجیریا فرماتے ہیں:۔'' آپ نہ صرف نثر نگار تھے بلکہ بہت پر گو شاعر بھی تھے میں نے بچپن میں سب سے پہلے انہیں کی نظموں کا قادیان میں چرچا سنا اور دیگر عوام کے علاوہ ان کی نظمیں بھی مجھے شاعری کا سنوار عطا کرنے میں ممد ثابت ہوئیں ....اگرچہ میں نے ان سے اصلاح تو نہیں لی (اور اصلاح میں نے کبھی کسی سے نہیں لی) لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میں اس فضا میں شاعری شروع کی جس کے سنانے سنوارنے اور نکھارنے میں محترم قاضی صاحب کا بہت زیادہ ہاتھ تھا۔خاکسار کا مجموعہ اشعار ''نور فطرت'' میں محترم قاضی صاحب پر ایک نظم شامل ہے وہ میرے جذبات کی صحیح عکاسی کرتی ہے'' (از مضمون غیر مطبوعہ)

باب ششم

حالات بعد از ریٹائرمنٹ

آپ کی زندگی کا نصب العین خدمت دین تھا۔آپ فرماتے ہیں:

اکمل تجھے ہے دولت جاوید کی طلب	کر اختیار دیں کی خدمت کی زندگی

دسمبر 1906ء میں آپ مکمل ہجرت کر کے قادیان آ گئے۔اور سلسلہ کے تمام اخبارات میں آپ کو کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔1924ء سے 1944ء تک آپ کے قلمی جہاد نقطہ عروج کا زمانہ تھا۔اس وقت تمام اخبارات کے ناظم اور دیگر امور کی ادائیگی میں حضرت مصلح موعود علیہ السلام کے معتمد رفیق کار کی حیثیت سے آپ کو خدمات سلسلہ کی توفیق ملی۔

پنشن خلوت نشینی

آپ کا سروس ریکارڈ نہ ربوہ سے ملا اور نہ قادیان سے۔اخبار کے فائل سے اور آپ کی خود نوشتہ خاکہ حالات زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ 1938ء کے آخر یا 1939ء کے اوائل میں آپ

ملازمت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ 22 مئی 1939ء میں مکرمی جنید صاحب کی شادی ہوئی اس سے قبل آپ ریٹائرڈ ہو چکے تھے۔ ملازمت سے فراغت کے بعد آپ خلوت نشین ہو گئے تھے۔ اور خاموش جہاد بالقلم میں مصروف ہو گئے۔

ہجرت

جب قادیان سے ہجرت شروع ہوئی۔ تو آپ سے بھی کہا گیا مگر آپ نے انکار کر دیا۔ آخر حضور کے حکم سے 11 اکتوبر کو قادیان چھوڑا۔ مکرمی جنید صاحب اس کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ میں نے اصرار کیا مگر نہ مانے فرماتے کہ تم چلے جاؤ مجھے یہیں رہنے دو۔ آخر کہا کہ حضور صاحب کا حکم ہے۔ محترم عرفانی صاحب نے آپ کو زبردستی بس پر سوار کیا۔

فرماتے تھے کہ الدار کی حد میں میرا گھر ہے۔ اس لئے اس کو کوئی خطرہ نہیں کسی قسم کی گھبراہٹ نہیں خدا کا وعدہ ہے۔ وہ خود حفاظت کرے گا۔

لاہور میں قیام

گولیکی میں آپ کی جائیداد تھی۔ مکان تھا۔ مگر کیونکہ آپ وہاں سے ہجرت کر کے آ چکے تھے۔ اس لئے وہاں جانا پسند نہ کیا اور آپ گولیکی میں 1924ء میں والدہ محترمہ کی وفات پر گئے۔ اس کے بعد نہیں گئے۔ آپ لاہور میں اپنے چھوٹے لڑکے مکرمی عبدالرحیم صاحب شبلی کے پاس اردو بازار میں قیام پذیر ہوئے۔ مکرمی شبلی صاحب روایت کرتے ہیں کہ آپ جب لاہور آئے۔ 12 تاریخ کو عشاء کے وقت مکان پر دو آدمیوں کے سہارے سے آئے۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دعا کر رہے تھے کہ الٰہی مجھے کسی کا محتاج نہ کرنا۔ یہ میرا پہلا موقعہ ہے کہ اپنے لڑکے کے گھر جا رہا ہوں تو حامی و ناصر رہنا۔ ہر حال میں مدد کرنا کسی کا محتاج نہ کرنا۔ اس زمانہ میں بھی آپ نے قلم ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ سلسلہ کی اخبارات کے علاوہ دیگر مقامی اخبارات میں مضامین ''مولانا بدری'' کے قلمی نام سے لکھنے شروع کئے۔ خاص طور پر امروز کے فقہی مضامین قابل ذکر ہیں۔ ایک موقعہ پر ہلال رمضان پر بحث

شروع ہوگئی۔اور علماء میں بڑا ہنگامہ تھا۔اس وقت آپ نے ایک نہایت تحقیقی مضمون لکھا۔جس میں ہر علاقہ کے جدا جدا افق ہونے کے حق میں دلائل تھے۔اور ثابت کیا گیا تھا کہ ایک افق والے دوسرے افق کے تحت نہیں۔اس مضمون نے اپنا سکہ منوایا۔کثرت سے علماء آپ کی ملاقات کے شائق تھے اوراخبار کو بار بار خط لکھتے رہے کہ یہ کونسا اتنا بڑا فقیہی پیدا ہوا ہے۔ہم اس کو ملنا چاہتے ہیں۔

اس زمانہ میں بھی آپ نے درویشانہ زندگی بسر کی اس زمانہ میں لاہور میں سخت مخالفت تھی مگر کبھی بھی آپ نہ گھبرائے اور نہ پریشانی کا اظہار کیا بلکہ 1953ء میں جب کہ مخالفت کا طوفان بدتمیزی برپا تھا اور احمدیوں کی جان و مال کو تباہ کرنے کے بلند بانگ دعاوی کئے جارہے تھے اور لاہور تو مخالفت کا گڑھ تھا۔آپ جس گھر میں رہائش رکھتے تھے۔اس کے قریب کوئی احمدی گھرانہ آباد نہ تھا۔اور روزانہ جلوس نکلتے اور نعرے لگاتے اور کہتے یہ احمدی ہیں۔ان کو زندہ نہیں چھوڑنا۔یہ کرنا۔وہ کرنا ہے...........اپنے عزائم کا بآواز بلند اعلان کرتے۔اس زمانہ میں آپ کو گولیکی کا خیال تو ضرور آتا ہوگا بلکہ اس سے قبل بھی کیونکہ وہ مکان جس میں آپ رہائش رکھتے تھے۔وہ دو کمروں پر مشتمل تھا۔ایک میں جنید صاحب مع اہل وعیال چارپائیوں کے بغیر ایام بسر کرتے دوسرے میں جو بہت چھوٹا کمرہ ہے۔زیادہ سے زیادہ 6x8 کا ہوگا۔اس میں ایک چارپائی پر آپ آرام کرتے اور فرش پر مکرمی شبلی صاحب آرام کرتے۔

اس سے ان مشکلات کے باوجود آپ گولیکی میں نہ گئے بلکہ لاہور کے قیام کو ترجیح دی کیونکہ وہاں حضرت مصلح موعود قیام پذیر تھے اور بعد میں ربوہ کے قرب کی وجہ سے۔

مکرمی شبلی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک روز علماء نے بہت مخالفانہ تقاریر کی اور فیصلہ کیا کہ جمعہ کی نماز کے بعد دھاوا بول دیا جائے اور کسی احمدی کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔میں اس وقت دفتر میں تھا۔بہت گھبرایا ہوا چند غیر احمدیوں دوستوں کے ساتھ گھر آیا۔اور کہا کہ آج جلوس نکلنا ہے اور آگ لگانے اور قتل و غارت کا بھی پروگرام ہے۔میں چاہتا ہوں کہ آپ کو غیر احمدی دوست کے ہاں پہنچا

دوں مگر آپ نے انکار کر دیا۔ مَیں نے کافی اصرار کیا اور غیر احمدیوں کے عزائم سے آگاہ کیا۔ آپ نے کہا کہ اگر تمہیں خطرہ ہے تو سب چلے چلو۔ مجھے اکیلے کو یہاں رہنے دو۔ جس خدا نے مجھے قادیان سے سلامت یہاں پہنچا دیا ہے وہ میری یہاں بھی حفاظت کرے گا بلکہ میں کہتا ہوں کہ تم سب چلے جاؤ اور دروازے بھی کھلے چھوڑ دو۔ زیادہ سے زیادہ مجھے وہ قتل کر دیں گے اور کیا کر لیں گے۔ مجھے کسی قسم کی گھبراہٹ یا خوف نہیں ہے۔ اس پر غیر احمدی دوست بھی متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ یار تیرے والد صاحب تو بڑے پختہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس سے آپ کے عشق مسیح موعود اور جذبہ فدائیت سلسلہ کا بھی علم ہوتا ہے کہ باوجود نہایت خطرناک حالات کے آپ بالکل نہ گھبراتے بلکہ آپ کا ایمان اور پختہ ہو گیا۔ اور آپ نے دو نظموں میں معاندین کی شکست و ذلت کی خبر دی۔

ایک کے چند اشعار یہ ہیں۔

حیات دائمی چاہے تو قربان مال و جان کر دے	زبان کی کام آ سکتی نہیں یہاں کوئی چالاکی
نہ گھبرا مسلم مظلوم نصرت آنے والی ہے	بشارت سن رہا ہوں میں تو فامھلھم رویداً کی
یہ ربوہ کی زمین ''ذات قرار'' ایک دن ہوگی	بہاؤ چشم سے چشمے بنے جنت یہ دنیا کی

5 اکتوبر 1953ء کو واضح طور پر خبر دی۔

مغرب سے جو سورج کی کرن دیکھ رہا ہوں	احمد ہی کو میں جلوہ فگن دیکھ رہا ہوں
حق ہو گیا قائم کہ رہے گا یہی دائم	اڑتا ہوا باطل کا چلن دیکھ رہا ہوں
خاک اڑتی تھی صحرا میں مگر فیض قدم سے	جاوید بہاروں کا چمن دیکھ رہا ہوں
بڑھتے چلے جاؤ وہ قریب آ گئی منزل	ہر چند سفر کو میں کٹھن دیکھ رہا ہوں
ہے نصرت جو شامل حال اپنے جو اکمل!	ہاتھوں پہ حریفوں کے شکن دیکھ رہا ہوں

(ربوہ مغرب میں ہے)

الحمدللہ کہ خدا احمدیوں کی مدد کو دوڑتا چلا آیا۔ اور جلد ہی مخالف کیفر کردار کو پہنچے۔

آخر میں ایک نظم جو آپ نے 11 اکتوبر 1947ء کی یاد میں کہی نقل کرتا ہوں جس میں آپ نے ہجرت اور قیام لاہور کے متعلق اپنے جذبات وحالات کا اظہار کیا ہے۔

یاد ہے ہاں یاد ہے وہ دن کہ جب ہجرت ہوئی	قادیان دا رالامان سے دائمی فرقت ہوئی
رنج و حسرت سے نظر ڈالی در و دیوار پر	بے سر و سامان سے زار و زبوں حالت ہوئی
اک کھلے میدان میں پھر رات کو رہنا پڑا	جاگتے ہی کٹ گئی بے خوب وفور کلفت ہوئی
سکھ سبھی قیمتی اسباب ھنیا لے گئے	راہ میں بے آب و دانہ بارہا دقت ہوئی
دس بجے شب بارہ کو لاہور پہنچے خیر سے	با دل ناخواستہ اغیار سے صحبت ہوئی
ایک کمرے میں پڑا رہتا ہوں بیمار ونحیف	قید تنہائی کی گویا یہ بھی اک صورت ہوئی
آج پورے ہو گئے چھ سال آگے دیکھئے	ہو رہے گا اکمل مہجور جو قسمت ہوئی
آرزو ہے مرکز اصل میں ہو میری وفات	پہلے ربوہ کی رہائش موجب راحت ہوئی

ربوہ میں قیام

17 ستمبر 1956ء کو آپ ربوہ بغرض رہائش تشریف لے آئے۔ فرمایا کرتے تھے کہ حضور نے فرمایا۔ عذر کیا کہ بیمار وناتواں ہوں۔ فرمایا میں چاہتا ہوں کہ قادیان کا ماحول پیدا کروں۔ عرض کی کہ ضعف پیری و بیماری کی وجہ سے فعال زندگی سے معذور ہوں۔ حضور نے فرمایا کہ آپ کے میرے قرب میں رہنے کی وجہ سے مجھے سکون محسوس ہوگا۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رہائش کے لئے سپیشل کوارٹر دیا۔ اور ساتھ ہی مکرمی جنید صاحب کو دیا کہ آپ کی خدمت کر سکے۔

آپ جب ربوہ تشریف لائے تو حضور سے ملاقات کی۔ اس کے بعد حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سے ملاقات کی۔ 1956-57ء سے خاکسار کو خدمت کا موقعہ ملا۔ نہایت صبر وشکر اور قناعت سے زندگی بسر کی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عشق اور سلسلہ کی فدائیت کے جذبہ سے خاص طور پر متاثر ہوا۔ اکثر بیمار رہتے اور بیماری بھی انتہائی تکلیف دہ ہوجاتی مگر کبھی میں نے آپ کی

زبان سے شکوہ نہیں سنا۔ جامعہ کے طلباء کثرت سے بغرض دعا آتے اس طرح قادیان کے مہاجر آپ کے پاس آتے رہے۔ ہر مذاق کے لوگ آتے۔آپ ان سے ان کے مذاق کے مطابق گفتگو کرتے اور یہ خیال رکھتے کہ مجلس کا وقار برقرار رہے۔آپ کسی سے سوال نہ کیا کرتے۔مکرمی مرزا عبدالحمید صاحب آپ کی خدمت کیا کرتے۔ان کی ایک روایت ہے۔مکرمی مرزا عبدالحمید صاحب نے فرمایا کہ کئی دفعہ میں گھر میں لیٹا ہوتا ہوں یا کوئی کام کر رہا ہوتا ہوں کہ مجھے آواز آتی ہے مگر مخاطب کا علم نہیں ہوتا۔ باہر نکل کر دیکھتا ہوں کہ کس نے آواز دی۔ پھر حضرت قاضی صاحب کا خیال آتا ہے وہاں جاتا ہوں تو آپ کو مصروف دعا پاتا ہوں کہ الٰہی کسی فرشتہ کو بھیج۔‘‘

آپ اکثر ذکر کرتے کہ مَیں دعا کرتا ہوں کہ الٰہی مجھے کسی کا محتاج نہ کرنا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو شرف قبولیت بخشا اور آپ وفات تک کسی کے محتاج نہ ہوئے۔

ان ایام میں آپ کی آنکھوں میں موتیا اتر آیا تھا۔اور آپ زیادہ پڑھنے لکھنے سے پرہیز کیا کرتے۔آپ کے پرائیویٹ خطوط تک میں لکھتا تھا۔کچھ ارشاد فرمایا کہ یہ نظمیں میری دیوان میں نقل کر دو۔جو دیوان میں نقل کروا رہا ہوں یہ جولائی کے دوسرے ہفتہ کا واقعہ ہے اس میں آپ نے واضح طور پر جلد وفات کی خبر دی۔مگر میں نہ سمجھا۔تصور میں بھی نہیں تھا کہ یہ وفات کی طرف اشارہ ہے۔کچھ خدمت کر لوں۔افسوس میں غافل رہا اور خدمت کی برکات سے وافر حصہ نہ لے سکا۔جب نظمیں نقل کر کے میں نے آپ کو دیوان دیا۔تو فرمایا میں تمہیں ایک وصیت کرنا چاہتا ہوں یہ دیکھو میری وفات کے بعد جنید کو بتا دینا۔دیکھا تو کتبہ مزار لکھا ہوا تھا جو یہ ہے۔

مہاجر الی اللہ مسلمان اکمل	مسیح محمد پہ قربان اکمل
برس گذرے چالیس تو قادیان میں	تو ربوہ جانان کو دی جان اکمل
مطیع خلافت ہے ہر آن اکمل	یہ اتمام نعمت ہے ربوہ کی ہجرت
ہے گولیکی مولد تو مدفن ہے ربوہ	دعا ہو کہ پاجائے غفران اکمل

جب آپ کی وفات کے بعد دیوان دیکھا تو اس صفحہ سے ایک صفحہ قبل یہ شعر لکھا پایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ کتبہ لکھنا شروع کیا۔ بعد میں رک گئے۔

صداقت پہ جان دینے والا تھا اکمل	مسیح محمد کا شیدا تھا اکمل

یہ اپنی وصیت کے علاوہ دوسری خبر تھی کہ میں جلد اپنے اللہ کے حضور حاضر ہونے والا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد تو اکثر غمگین رہتے اور آخرت کی یاد دلاتے رہتے۔ وفات سے 15 / 20 دن قبل فرمایا کہ ڈاکٹر حشمت اللہ بڑے صحت کے متعلق اعلان کرواتے ہیں۔ خود کو ایاز کہتے ہیں۔ اگر دعویٰ محبت ہے تو پھر ان کے پاس جاؤ۔ دنیا میں رہنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے کی کیا ضرورت ہے۔ فرمایا۔ میری طرف سے ڈاکٹر صاحب سے کہہ دینا لیکن جلد ہی خود ان کے پاس چلے گئے اور اپنے ایاز ہونے کا ثبوت دے گئے۔ 27 تاریخ کو جامعہ جا رہا تھا کہ برادرم نوید نے اطلاع دی کہ حضرت قاضی صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مکرمی جنید ہاشمی صاحب نے بیان کیا کہ صبح پانی لینے کے لئے دروازہ کھولا تو مَیں نے ان کے ہاتھ سے لوٹا لے کر بھر دیا۔ کمرہ کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پیشاب کیا یا وضو کیا۔ (برآمدے کے باہر صحن میں پانی گرنے کا نشان تھا) لوٹا اپنی جگہ رکھا۔ اوپر ڈھکنا دیا تکلیف سے اٹھ کر اندر آئے۔ چارپائی پر لیٹنے کی کوشش کی مگر اس سے قبل ہی اللہ کو پیارے ہو گئے کیونکہ جب میں نے دیکھا تو ایک پاؤں میں سلیپر تھا۔ اور وہ چارپائی پر نہ تھا۔ دوسرا سلیپر پائنتی کی طرف دیوار کے ساتھ پڑا ہوا تھا۔ آپ کو درد کی تکلیف تھی۔ پہلے خارش تھی۔ اس میں افاقہ ہوا تو سینہ میں دائیں طرف درد شروع ہو گئی۔ پھر دائیں ٹانگ میں پھر بائیں میں اور وفات سے ایک ہفتہ کے قریب سینہ کے بائیں طرف درد محسوس کرتے رہے۔ اور یہ درد ہی مرض الموت بنی۔

اسی روز نماز عصر کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے بہشتی مقبرہ کے

میدان میں نماز جنازہ پڑھائی۔اس سے قبل آپ نے چہرہ دیکھا اور حضور کی موجودگی میں آپ کو لحد میں اتارا گیا۔الفضل نے آپ کی وفات پر لکھا۔

حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل وفات پا گئے۔انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

ربوہ 27 ستمبر۔نہایت افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ سلسلہ کے نامور صحافی و شاعر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے دیرینہ قلمی رفیق کارومعاون حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل آج مورخہ 27 ستمبر 1966ء بروز سہ شنبہ صبح ساڑھے چھ بجے اچانک وفات پا گئے۔**انا للّٰہ و انا الیہ راجعون**۔آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدیمی صحابی حضرت مولوی امام الدین صاحب آف گولیکی کے صاحبزادے تھے۔اور آپ کو خود بھی حضور علیہ السلام کے صحابہ میں شمولیت کا شرف حاصل تھا۔آپ نے 1897ء میں بعمر سولہ سال حضور علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا تھا۔ (الفضل 28 ستمبر 1966ء صفحہ 1)

الفضل میں آپ کی تدفین کی خبر ان الفاظ میں شائع ہوئی۔ربوہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص و فدائی صحابی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے نامور صحافی و شاعر اور گرامی قدر دینی کتب کے مصنف حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کا جسد خاکی مورخہ 27 ستمبر 1966ء مطابق 11 جمادی الثانی 1386ھ کو بہشتی مقبرہ میں صحابہ کے قطعہ خاص میں سپرد خاک کر دیا گیا۔حضرت قاضی صاحب نے 27 کو صبح ساڑھے چار بجے 85 سال کی عمر وفات پائی تھی۔ **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون**۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے نماز عصر کے بعد ساڑھے پانچ بجے کے قریب بہشتی مقبرہ کے میدان میں تشریف لا کر نماز جنازہ پڑھائی۔جس میں اہل ربوہ بہت کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضور ایدہ اللہ نے جنازہ کو کندھا بھی دیا۔اور پھر جنازہ کے ہمراہ صحابہ کے قطعہ خاص تک تشریف لے گئے۔جہاں حضرت قاضی صاحب

مرحوم کا جسد خاکی کولحد میں اتار کر سپرد خاک کیا گیا۔تدفین مکمل ہونے تک حضور ایدہ اللہ وہیں ٹھہرے رہے اور قبر پرحضور ہی نے دعا کرائی۔حضرت قاضی صاحب کوآپ کی ایک خاص وصیت کے مطابق تابوت کے بغیر لحد میں دفن کیا گیا۔

حضرت قاضی اکمل صاحب حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے ان خوش قسمت صحابہ کرام میں سے تھے۔جنہیں حضورعلیہ السلام کے مبارک زمانہ میں اورحضور کے وصال کے بعدبھی ایک لمبا عرصہ تک قلمی میدان میں نامورصحابی وشاعراور لائق مصنف کی حیثیت سے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی گراں بہا خدمات سرانجام دینے کی غیرمعمولی سعادت ملی۔پھرحضرت قاضی صاحب مرحوم کو یہ خصوصی شرف بھی حاصل ہوا کہ آپ کی گراں بہا خدمات سے خوش ہوکر سیدنا حضرت مسیح موعودعلیہ السلام اورحضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ (حضرت خلیفہ اول نے بھی) نے آپ کو اپنے قلم ہائے مبارک سے سندات قبولیت عطا فرمائیں جوبفضل اللہ تعالیٰ رہتی دنیا تک حضرت قاضی صاحب کی نسلوں کے لئے سرمایہ افتخار ثابت ہوتی چلی جائیں گی۔(الفضل29 ستمبر 1966ء)

سچ ہے!

کم ہوا کرتے ہیں اس دنیامیں وہ مردان کار	زندگی اورموت دونوں کوہوجن سے افتخار

آپ کی اولاد

آپ کے دو بچے گولیکی میں وفات پاگئے۔اس کے بعدآپ کی بیوی ہجرت کرقادیان چلی آئیں۔ان کی روایت ہے:۔

''ماموں جی اورممانی صاحبہ کواولاد کی بڑی خواہش تھی۔چنانچہ ممانی صاحبہ قاضی صاحب کی والدہ قادیان آئیں۔توحضرت مولانا رحمت اللہ سے عرض کیا کہ حضور دعا فرماویں کہ خداوندکریم میرے بیمار بچے محمدظہورالدین کوزندہ رہنے والی اولاد بخشے۔میری بڑی خواہش ہے کہ ہماراخاندان لاوارث نہ رہے۔پہلے اس کے دو بچے فوت ہو گئے جن کا مجھے سخت غم ہے وغیرہ توحضرت مولانا

رحمت اللہ علیہ نے فرمایاہاں ہم ضرور دعا کریں گے انشاء اللہ..................ایک دن مجھے ایک خواب آیا۔اس کی تعبیر معلوم نہ تھی خیال آیا کہ حضرت استاذی المکرم محترم کو سناؤں۔صبح جو درس کو گئی تو السلام علیکم کے بعد عرض کیا کہ حضور میں نے آج ایک خواب عجیب دیکھا ہے۔فرمایا۔سناؤ۔عرض کیا کہ ایک بڑی عالی شان پُرفضا جگہ پرنفیس دالان ہے۔اس میں ایسی خوشبو آ رہی ہے جیسے کہ ابھی گلاب کے عطر سے دھویا گیا ہے اور پر فضا ہوا چل رہی ہے۔مگر نہ پنکھا لگا ہے اور نہ ہی سورج کی روشنی۔مگر ٹھنڈی روشنی سے کمرہ روشن ہے۔اتنے میں دیکھتی ہوں کہ کچھ بزرگوں اور نورانی چہرے والے سفید لباس اور پگڑیاں باندھے ہوئے لوگوں کا حلقہ درمیان میں بیٹھا ہوا ہے۔معلوم ہوتا ہے۔درس القرآن ہو رہا ہے معاً میری نظر ایک محراب کی طرز کے تخت پر پڑی تو دیکھا کہ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام روشن چہرہ اور چمکتی ہوئی داڑھی جو مہندی لگی سرخ ہے نہایت سفید اور براق سی پگڑی پر چادر لئے ہوئے بیٹھے ہیں۔میں نے آپ کو سلام عرض کیا تو حضور نے اپنی داڑھی مبارک سے دو بال نکال کر ہاتھ میں مجھے پکڑا دیئے۔پھر میری آنکھ کھل گئی اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ کی مٹھی بند کی ہوئی ہے۔اور یہ بابرکت بال قرآن کریم میں رکھنے کا ارادہ ہے تو حضرت خلیفہ اوّل جو چادر میں منہ لپیٹے پڑے ہوئے تھے۔جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا اچھا جی خدا تعالیٰ آپ کو دو بچے زندہ رہنے والے عنایت کرے گا۔تو فرمایا کہ سکینہ بیگم تم کہو یا نہ میں خود ہی تمہارے لئے دعا کرتا ہوں'' (الفضل 23 مئی 1956ء صفحہ 4)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ فرزندوں سے نوازا۔ان میں سے تین تو بچپن میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔خورشید عاقل، جمشید احسن، مکرم عبدالرحمان صاحب جنید، مکرم عبدالرحیم شبلی صاحب اور عبد المنان مبشر۔

(1) خورشید عاقل: اس کی تاریخ پیدائش 25 مارچ 1903ء ہے۔زیادہ عمر نہ پائی۔پانچ سال سات ماہ کی عمر میں 11 نومبر 1908ء کو وفات پائی۔گولیکی میں پیدا ہوا۔وہیں دفن ہوا۔(2) جمشید

احسن: گولیکی میں 25دسمبر 1907ء بروز بدھ کو پیدا ہوااور 9ماہ 11دن کی عمر میں 8اکتوبر 1908ء کو فوت ہوا۔(3)عبدالمنان مبشر: قادیان میں 9/ 10جنوری 1919ء کو پیدا ہوا۔ڈیڑھ سال کی عمر میں 9جولائی 1920ء بروز جمعہ کوفوت ہوااور قادیان میں بچوں کے مقبرہ میں دفن ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جنازہ پڑھایااور ساتھ تشریف لے گئے۔

کتبہ پر یہ لکھا تھا:

اکمل اندوھگین کا لاڈلا جس کے غم میں اس کی ماں ہے دلفگار
خوش رہو بچے جنت میں تم ہم بھی آتے ہیں کرو کچھ انتظار

حضرت محترمہ استانی صاحبہ رضی اللہ عنہا اور روایت کرتی ہیں:

''تیسرا بچہ عبدالمنان پیدا ہوا تو فوت ہو گیا۔'' (الفضل 23مئی 1956ء۔حیات نور کا ایک ورق)

4) مکرم عبدالرحمان جنید صاحب: پیدائش 6/ 7رات جولائی 1910ء 29جمادی الثانی 1328ھ بمکان حضرت خلیفہ الاول رضی اللہ عنہ۔

آپ کی والدہ کی روایت ہے:۔''خدا کے فضل سے عبدالرحمان جنید 1910ء جولائی میں پیدا ہوا تو حضرت مولانا نے خود آکر اس کے کان میں اذان کہی۔نام عبدالرحمان رکھا۔فرمایا اس کا دل بہت چھوٹا سا ہے۔اس کو کبھی جھڑکنا نہیں۔انشاءاللہ ہم نے پرزور دعا کی ہے۔یہ زندہ رہے گا۔نیک وسعید ہوگا......جنید تو بہت ہی بیمار رہا کرتا اور آپ کی دوا دیکھنے میں بالکل معمولی ہوتی مگر تاثیر بہت جلد ہوتی۔'' (الفضل 23مئی 1956ء صفحہ 4)

تعلیم: 11ستمبر 1918ء کو گیارہ بجے سکول داخل ہوئے۔ابتدائی تعلیم گھر پائی۔اس لئے دوسری جماعت میں داخل ہوئے۔میٹرک فرسٹ دویژن میں پاس کیا۔1926ء اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔1930ء میں اس کالج سے بی اے آنرز کیا۔ملازمت: 1933-34ء میں شملہ

میں چند ماہ ملازمت کی۔اس کے بعد کشمیر چلے گئے اور وہاں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے تحت کام کرتے رہے۔ ....سخت محنت کے کام بخوشی سرانجام دیتے تھے۔ ....جنید ہاشمی .... اس طرح اور بیسیوں نوجوان جنہوں نے ان دنوں کشمیر میں قابل تعریف کام کیا۔(کشمیر کی کہانی صفحہ 228 طبع اوّل)

1936ء میں مرزا رشید احمد صاحب کی جاگیر کے مینیجر مقرر ہوئے۔1937-38ء قادیان میں رہے۔میک ورس (بجلی کے سامان کے کارخانہ) میں انچارج دفتر رہے۔شادی:22مئی 1939ء کو قاری غلام صاحب صحابی پنشنز انسپکٹر پولیس کی صاحبزادی سے ہوئی۔قاری صاحب نے لاہور میں حضور کے جنازہ پر ازدھام کو مار مار کر بھگا دیا۔22دسمبر 1946ء میں کالج میں آفس سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے۔یہاں 25 سال سروس کی۔20 نومبر 1947ء کو قادیان سے لاہور آئے اور رجسٹر وغیرہ لے آئے جس کی وجہ سے کالج چلانے میں مدد ملی۔جولائی 1968ء کو نائب ناظر بیت المال آمد مقرر ہوئے۔

5) مکرم عبدالرحیم شبلی صاحب۔پیدائش 8 جولائی 1913ء۔آپ کی والدہ ماجدہ بیان فرماتی ہیں:۔’’1913ء میں دوسرا بچہ پیدا ہوا۔حضرت خلیفہ اولؓ نے نام عبدالرحیم یا فضل الرحمان رکھا۔میں نے عبدالرحیم نام رکھا کہ فضل الرحمان تو مفتی صاحب تھے۔جن کے ہمارے ساتھ یعنی قاضی صاحب کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔میں نے سوچا عبدالرحیم بہتر ہے۔‘‘ (الفضل 23 مئی 1956ء) میٹرک قادیان سے کیا۔پھر لاہور آ گئے۔یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔تعلیمی دور میں نام پیدا کیا۔ادب میں مقام پیدا کیا۔زمیندار اور ملت کے ایڈیٹر رہے۔اس طرح متعدد کتب تصنیف و تالیف کیں۔

باب ہفتم

آپ کے امتیازی اوصاف

آپ کے ایک شاگرد کا آپ کے نام ایک خط (فیروز)

خودی پہ جس کی نہیں ہو سکے اثر انداز	غم معاش و غم زندگی و مال امیر
قلم کے زور سے اور خوبی تخیل سے	دیار شعر و صحافت کی عزت و توقیر
اے نظم ونثر میں یکتا اے علم دین کے ستون	جہاد خامہ کے غازی اے صاحب التحریر
اے کفرکیش ویل دین اے عشق کے بندے	اے صدر محفل علمی پئے صغیر و کبیر
اے دین حق میں مکمل اے علم میں اکمل	اے راز دان حقیقت اے صاحب التفسیر
اے درج الفت قلبی کے گوہر یکتا	اے حسن وعشق ومحبت کے خواب کے تعبیر
پریشان حالی و درماندگی میں صبر و غنا	علیل وضعف ونقاہت میں راضی بر تقدیر

آپ کے امتیازی اوصاف میں ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ آپ نے تینوں خلفاء کو خلافت سے قبل پہچان لیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ان کے عشق میں دن گزارے کہ جیسا کہ آپ کی وفات پر کہا گیا۔ ع

عاشق و شیدا غلام و جان نثار	مہدی و محمود، نور الدین کا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عشق کا بیان ہو چکا۔ یہاں خلفاء کی قبل از خلافت پہچان اور ان سے دلی عقیدت کا ذکر مقصود ہے۔

حضرت خلیفہ اول کا قرب

جب حضرت قاضی صاحب قادیان آیا کرتے تھے تو حضرت خلیفہ اول سے ملاقاتیں کرتے

اورمسائل پر بحث ہوتی اور جب آپ واپس جاتے تو حضرت مسیح موعودعلیہ السلام سے اجازت حاصل کرنے کے بعد آپ سے بھی اجازت حاصل کرتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول آپ کوکٹر اہلحدیث خیال کیا کرتے جیسا کہ آپ نے اس امر کا اظہار حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی مجلس میں فرمایا تھا۔ (دیکھوروایات مسیح موعود) اورکئی خطبات میں آپ کا ذکر کیا کہ آپ سماع موتی کے قائل نہیں۔ آپ ایک عرصہ تک حضرت خلیفہ اول کے مکان پر قیام پذیر رہے۔ یہ خلافت اول کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ حضور آپ کے تمام اہل خانہ سے شفقت فرماتے۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:۔

’حضرت اقدس لاہور تھے تو میں وہاں گولیکی سے حاضر ہوا۔ برادرافضل مرحوم نے جب میرا نام بتایا تو جناب مولوی صاحب مجھے اٹھ کر ملے۔ یہ اکرام ضیف ہی تھا۔ پھر قادیان میں حضور اس قدر اس عاجز کے حال پر عنایت فرماتے کہ جب کبھی بزم میں میں حاضر ہوا آپ نے اپنا تکیہ نکال کر مجھے دے دیا اور میں پہلی دفعہ جب قادیان میں آ کر بیمار ہوا تو آپ ہر روز مہمان خانے میں میری مزاج پرسی کو تشریف لائے۔ (بدر24اپریل1913ءصفحہ 11) آپ نے خلافت سے قبل ایک علم دوست بزرگ شخصیت کے لحاظ سے آپ کی تکریم بجالاتے اور خلافت کے بعد آقا وغلام کے رشتہ کے مطابق آپ نے حضور کی اس طرح اطاعت کی جیسے نبض دل کی۔

حضرت مصلح موعودؓ کی رفاقت

آپ کے امتیازی اوصاف میں سے نمایاں وصف حضرت مصلح موعود مرفوع الی اللہ کی ابتداء سے رفاقت ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بتایا یا مومنانہ فراست سے پہچان لیا کہ آپ ہی ’’مصلح موعود‘‘ ہیں۔ اس لئے آپ نے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے زمانہ سے آپ کی رفاقت میں زندگی بسر کرنا سعادت سمجھا۔ حضرت مصلح موعود بھی آپ کی قدر فرماتے اور اکثر آپ کے پاس دفتر میں تشریف لاتے اور گھنٹوں وہاں گذر جاتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے زمانہ مبارک میں تو یہ مجالس کچھ

لوگوں کی آنکھوں میں خار بن کر چبھنے لگیں جیسا کہ مکرم سید شفیع احمد صاحب دہلوی روایت کرتے ہیں: ''حضرت میاں محمود احمد صاحب مغرب کے بعد اکمل صاحب کی کوٹھری میں آ کر بیٹھا کرتے تھے اور میں بھی وہاں بیٹھا کرتا تھا۔ شعر و شاعری اور مختلف باتیں ہوتی تھیں۔ مگر میں نے کبھی کوئی ایسی ویسی بات نہ دیکھی بلکہ ان کی ہر بات حیرت انگیز اخلاق والی ہوتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد جب پیغام پارٹی خصوصاً شیخ رحمت اللہ خان صاحب نے مجھے کہا کہ میر صاحب آپ میاں صاحب اور اکمل کی پارٹی میں بہت بیٹھا کرتے ہیں۔ ذرا پتہ لگائیں کہ یہ بدر میں آج کل کوئل، بلبل اور فاختہ کیسی اڑتی ہیں۔ اس زمانہ میں قاضی اکمل صاحب کی اس قسم کی اکثر نظمیں شائع ہوتی تھیں۔ چنانچہ میں رات دن اس امر کی تلاش میں رہتا کہ مجھے کوئی بات مل جائے تو میں پیغام پارٹی کو اطلاع دوں۔ مگر میں جس قدر حضرت میاں صاحب کی صحبت میں رہا کونوا مع الصادقین کا کرشمہ مجھ پر اثر کرتا چلا گیا۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ میاں محمود احمد صاحب، میاں محمد اسحاق صاحب اور قاضی اکمل مل کر کوئی خاص ایجی ٹیشن پھیلا رہے ہیں۔ کیونکہ ان دنوں میں میاں محمد اسحاق صاحب نے یہ سوال اٹھایا تھا کہ آیا خلیفہ انجمن کے ماتحت ہے یا انجمن خلیفہ کے ماتحت ہے۔............غرض یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مصاحب اور رشتہ دار اور اولاد ہر ایک اس قدر گہرے طور پر حضرت صاحب کے رنگ میں رنگین ہو گئے تھے کہ بے انتہا جستجو کے بعد بھی کوئی آدمی ان میں کوئی عیب نہ نکال سکتا تھا۔ حضرت قاضی صاحب آپ کی اس مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے آئندہ مقام کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ع

مبارک میرزا محمود کو اغیار کے طعنے	کہ ان طعنوں کا انداز بیان کچھ اور کہتا ہے

(سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ 238 طبع اوّل)

حضرت قاضی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مصلح موعود مرفوع الی اللہ ابتدا ہی سے میرے پاس آتے رہتے اور ہم لوگ مسائل اور ادب پر بحث کیا کرتے۔ حضرت قاضی صاحب نے اپنی کئی

نظموں میں آپ کو مخاطب کیا جس میں آپ کے اوصاف حمیدہ بیان کئے۔ایک شعر ہے:۔ع

جوانی میں نہایت پارسا محمود احمد ہیں	اگر شک ہو شہادت آ کے لے لوکل ڈویژن سے

ادبی گفتگو کرنے کا ثبوت آپ کی ایک نظم سے بھی ملتا ہے:۔ع

پھول جھڑتے ہوں دھن سے جو کبھی گویا ہوں	گویا محفل کو ہم اک صحن گلستان کر دیں
سوز ہو، درد ہو، اشعار میں ایسا اکمل	پیارے محمود کو بھی آج غزل خواں کر دیں

حضرت مصلح موعود مرفوع الی اللہ کی شان میں اس وقت کے یہ اشعار بھی ہیں۔ع

اللہ اللہ ہے کیا شان مقام محمود	مرحبا کہتے ہیں سب سن کے کلام محمود
نور ہی نور نظر آئے گا کل عالم میں	روشنی دے گا عجب ماہ تمام محمود

آپ کی حج سے واپسی پر نظم لکھی۔ایک شعر ہے۔ع

زہے نصیب زیارت ہوئی نصیب ہمیں	ہماری مملکت دین کے تاج آ پہنچے

وہ شعر جس سے اکثر سمجھ گئے کہ آپ کے مصلح موعود ہونے کی طرف اشارہ ہے۔یہ ہے۔ع

پھیلے گا نور دین عرفان کا یقین کا	محمود ابن مہدی بدر النجوم ہو گا

اور خلافت کے بعد آپ کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ آپ کی زبان پر اور زیادہ ہونے لگا۔

فرمایا۔ع

نام محمود تیرا کام بھی محمود تیرے	حسن و احسان میں بھی روح و رواں مرزا
کان سنتے ہیں تیری بات زبان کہتی ہے	تو ہے موعود خدا گوھر کان مرزا

آپ کے حسن واحسان میں نظیر ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ع

محمد دیکھنے کا شوق تھا احمد میں دیکھا ہے	اب احمد دیکھنے والا اسے محمود میں پا لے

اس طرح آپ نے 1915ء میں اپنی ایک نظم میں آپ کے مقام کی طرف اشارہ کیا۔جس کا پہلا شعر ہے۔ع

تم فخر رسل ہو سیدنا تم فضل عمر ہو سیدنا	تم مصلح کل ہو سیدنا تم شمس و قمر ہو سیدنا

دعویٰ مصلح موعود بعد اس وزن پر آپ نے نظم کہی۔ جو بہت زیادہ پسند کی گئی۔

حضرت قاضی صاحب حضرت مصلح موعود مرفوع الی اللہ کی بہت عزت وتکریم کیا کرتے۔ کبھی کوئی کام آپ کے منشاء کے خلاف نہ کرتے جس بند سے ان کو شکایت ہوئی دکھ اٹھا کر بھی ترک کر دیتے۔ ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جو حضرت قاضی صاحب نے کئی بار مجھ سے بیان کیا۔ اس سے علم ہوگا کہ آپ کو کس قدر آپ کے جذبات کا پاس تھا۔ فرمایا۔ ''ایک بار حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ میرے سرہانے کی طرف ہوئے اور فرمایا بو آتی ہے۔ میں خاموش رہا۔ کیونکہ میں جان گیا تھا کہ یہ میرے سر سے آ رہی ہے۔ کیونکہ مجھے عادت تھی لسی سے نہانے کی۔ اس دن سے لسی سے نہانا چھوڑ دیا۔'' آپ کے اس نمایاں وصف کی تعریف استاذی اکمل مولانا ظہور حسین صاحب ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔ ''ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی سعادت یہ عطا فرمائی تھی کہ انہوں نے اس عظیم الشان ہونے والے انسان کو جو اس وقت پہلی رات کے چاند کی طرح تھے پہچانا۔ اور محبت اور شوق سے اس وقت سے ان کا ساتھ دیا۔ یعنی سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب فداہ نفس کے ساتھ اس وقت سے یہ چمٹے رہے۔ اور آپ کے ساتھ مل کر رسالہ تشحیذ الاذہان نکالا اور اس وقت سے لے کر 1911ء سے جو میرا چشم دید واقعہ ہے اور دراصل وہ پہلے ہی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے وفادار خادم رہے اور 1965ء ماہ نومبر تک انہوں نے آپ کا ساتھ دیا۔ اور آپ کی خدمت میں مصروف رہے۔''

خلافت ثالثہ کے عہد مبارک میں

اس طرح خلافت ثالثہ کے متعلق بھی آپ کو اللہ نے پہلے خبر دے دی تھی آپ نے ایک نظم میں اس کا ذکر کیا۔ آپ کے شاگرد جناب فیروز کہتے ہیں۔

تھا خلافت ثلث کا اول بشیر	جو رموز شعر میں ہی کہہ گیا

اس نظم کا قطع یہ تھا۔ جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ کا اسم گرامی آتا ہے۔

ناصر تمہارا حافظ و ناصر رہے خدا	امیدوار فضل کریم است ہر کسے

جب ان اشعار کو مکرمی مولوی یعقوب طاہر صاحب زودنویس نے بغیر نام حضرت قاضی صاحب کے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی وفات پر اپنے مضمون میں سرفہرست شائع کروائے جس میں یہ مقطع کا شعر شائع نہ کیا گیا۔ اس مضمون کا اقتباس درج ہے۔

''دسمبر 1962ء کی آخری ایام کا واقعہ ہے کہ میں ایک روز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک بزرگ صحابی کی ملاقات کے لئے گیا۔ باتوں باتوں میں وہ فرمانے لگے کہ چند روز ہوئے ہیں۔ رات کو تہجد کے لئے اٹھا تو بین الیقظۃ والنوم مجھے ایک سفید ریش بزرگ جو ہم میں زندہ موجود ہیں۔ ان کی نعش دکھائی گئی۔ ان کے پرنور چہرہ کو دیکھتے ہی بے اختیار میری زبان پر چند اشعار جاری ہو گئے۔ جنہیں میں نے اسی وقت نوٹ کر لیا۔ میرے اصرار پر کہ وہ اشعار مجھے بھی نوٹ کروا دیں۔ انہوں نے اپنی کاپی سے مندرجہ ذیل اشعار مجھے نقل کروائے۔''

میں بے نصیب رہ گیا پیچھے وہ چل بسا	فرقت کے صدمے سہنے کو رونے کو دور سے
پپتا بڑی ہے سر پہ یہ کیا وا مصیبتا!	وا حسرتا کہ خاک شدہ آرزو بسے
پھر سے چلے نسیم یہ گلشن ہو پر بہار	نغمے ہزار گائے یہ ویرانہ پھر بسے

اس کے بعد دو اور اشعار بھی تھے جن میں سے ایک یہ ہے۔ ع

بیمار ناتواں ہیں سہارا تو دل کو ہے	موجود بالشہود ہم میں وہ خیر ہے

بعد کی ملاقاتوں میں میں نے ان سے دریافت کیا کہ وہ سفید ریش بزرگ کون تھے۔ اس پر ایک دن انہوں نے یہ عہد لینے کے بعد کہ میں اس کا کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔ بتایا کہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر صاحب کو دیکھا ہے کہ وہ وفات پا گئے ہیں .... ۔ (الفضل 19 ستمبر 1963ء) تو خاکسار حاضر خدمت ہوا۔ اور عرض کی کہ یہ شعر آپ کے ہیں تو فرمایا۔

میں نے تو مولوی صاحب سے کہا تھا کہ شائع نہ کرو۔ اصل میں یہ شعر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی

وفات کی خبر دیتے ہیں۔اوراس کے آخری شعر سے خلیفہ ثالث کی خبر ملتی ہے۔جوالفضل والوں نے شائع نہیں کیا۔ پہلے میں نے مولوی صاحب کی توجہ اس طرف سے ہٹانے کے لئے ان کو مکرمی قاضی یوسف کے متعلق منسوب کئے اب حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کی نسبت۔کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا'' مجھے اس روایت کی تائید کی تلاش تھی۔ بہت ہی خوشی ہوئی جب آپ کے خودنوشتہ حالات دیکھے۔اس میں لکھا تھا۔'' 9 نومبر ساڑھے بارہ بجے چہرہ آخری بار دیکھنے کے لئے کار آئی ...... جا کر جبین پر بوسہ دیا واپس آیا تو وہ نظارہ پورا ہوا۔جو 1962ء میں دیکھا باریش سفید بزرگ وصال پر مرثیہ پڑھا۔شاید اس لئے ذکر کر دیا کہ میری ان سے بحث رہتی تھی کہ حضرت مصلح موعود کی وفات قادیان میں ہوگی۔مگر حضرت قاضی صاحب یہی فرماتے کہ تم دیکھ لینا ان کی وفات اور تدفین ربوہ میں ہو گی۔اکثر یہ تکرار ہوتی ایک موقعہ پر میں شامل ہوگیا۔کیونکہ آپ نے فرمایا کہ تم اس بستی کو ربوہ کہتے ہو۔اور ربوہ اس بستی کو کہا گیا ہے جس میں حضرت ناصری مع والدہ کے مدفون ہیں۔اگر تو یہ واقعی ربوہ ہے تو حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے ساتھ ربوہ ہی میں حضرت مصلح موعود مدفون ہوں گے۔ان اشعار کے متعلق گفتگو کے دوران آپ نے فرمایا کہ آئندہ خلیفہ ''مرزا ناصر احمد ہوں گے'' اوران اشعار کا آخری شعر بھی بتایا جو یہ ہے۔ع

ناصر تمہارا حافظ و ناصر رہے خدا	امیدوار فضل کریم است ہر کسے

اس گفتگو کے وقت پریشان ہوگیا۔آپ کی فراست مومنانہ کی داد دیتا ہوں کہ میرے دل کی بات پا گئے اور واضح رنگ میں سمجھایا کہ خلیفہ بہر حال ''حضرت خلیفہ ثالث ہی ہوں گے اور اکثر ذکر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میں بھی اس یقین پر پختہ ہوگیا۔اس دوران اپنے ایک شعر کا ذکر کیا کرتے تھے کہ میں نے 1938ء میں ایک نظم لکھی۔وہ نظم جلسہ پر رشیدہ بنت مرزا عبدالحمید نے پڑھی۔جب وہ پڑھی جانے لگی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (رضی) نے جلسہ گاہ مردانہ میں فرمایا کہ جلسہ گاہ زنانہ میں قاضی اکمل صاحب کی ایک نظم پڑھی جانے والی ہے۔احباب خاموش رہیں۔اور

توجہ سے سنیں۔اس نظم کا وہ شعر یہ ہے۔ع

مبارک کہ ناصر میاں آ گئے ہیں	کسی روز سرخیل اخوان ہوں گے
خدا کا نوشتہ ہے ابناء فارس	ولی، غوث، مامور سلطان ہوں گے

آپ کا دیوان دیکھ رہا تھا کہ اس مضمون میں آپ کا ایک شعر اور ملا جو آپ نے 1939ء میں کہا۔

پھلو پھولو بہ اسم با مسمیٰ ناصر احمد	خدا رکھے، میری جان تمنا، مہ جبین تم ہو

جب حضرت مصلح موعود مرفوع الی اللہ کا وصال ہوا۔اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو دوسرے دن حاضر ہونے پر فرمایا۔''اب میری وہ خواب پوری ہوئی۔وہی نظارہ تھا۔سفید کفن میں کمرہ میں نعش مبارک رکھی تھی۔اس طرح میں نے آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ حضرت میاں بشیر احمد صاحب کی وفات پر یہ حصہ کب پورا ہوا تھا۔اس کا ذکر آپ اس نظم سے قبل بھی کیا ہے۔

8 نومبر کو صبح سے زائرین کا تانتا لگ گیا۔میں بیمار و ناتواں میرے دل کی تڑپ رنگ لائی۔اور ایک کار 9 نومبر میرے لئے بھجوائی گئی تا میں آخری زیارت سے مشرف ہوسکوں میں سرہانے کھڑا ہوا اور میں نے بلند آواز سے کہا: ''یہ وہ لب ہیں جن سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جبین مبارک پر بوس کا شرف عالم وارفتگی میں حاصل کیا تھا اب حضور کی پیشانی پر بوسہ دیتا ہوں۔طبت حیًا ومیتًا دو بار کہا''۔اور اللھم ارفع مقامہ فی الجنۃ کہتا واپس لوٹا۔ (الفرقان دسمبر 1965ء)

محترم استاذی المکرمی سید محمود احمد صاحب ناصر بیان فرماتے ہیں: ''یہ کہ ایک روز مَیں حاضر ہوا تو فرمایا مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مرزا ناصر احمد صاحب نے پگڑی پہنی ہوئی ہے۔سنا ہے کہ انہوں نے ظاہراً بھی پگڑی پہننی شروع کر دی ہے لیکن مَیں سمجھتا ہوں کہ اس کا مطلب کچھ اور ہے۔

اس سے بھی آپ کی خلافت کی طرف اشارہ فرمایا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ مسند خلافت پر متمکن ہونے کے چند روز بعد آپ

کے گھر تشریف لے گئے۔ جمعہ کا روز تھا۔ جمعہ سے قبل میں بھی جا پہنچا۔ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ آپ اس سے قبل تحریری بیعت کر چکے تھے بلکہ خلافت سے قبل حضور کو یہ لکھ کر دے آئے جیسا کہ آپ نے خاکسار سے روایت کی ''اگر آپ خلیفہ ہوں تو میری بیعت قبول فرماویں۔ اگر کوئی اور تو میری طرف سے بیعت فرماویں۔'' آؤ تمہیں خوشخبری سناؤں ابھی ابھی حضور تشریف لائے۔ کافی باتیں ہوئیں۔ فرمانے لگے۔ دعا کے لئے آیا ہوں (ہم تو خود دعاؤں کے محتاج ہیں) اس پر میں نے عرض کی۔ حضور ہے تو گستاخی مگر مجبور ہوں۔ حاضر خدمت ہو نہ سکا۔ اگر اجازت ہو تو ابھی بیعت کر لوں۔ اور ہاتھ بڑھائے حضور ایدہ اللہ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے آپ کی بیعت ہی ہے۔ اس وقت مکرمی جنید صاحب جو پاس کھڑے تھے ان کو حضور کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کی۔

''حضور میں تو اب ضعیف ہوں، خدمت سے قاصر، یہ میرا لڑکا ہے۔ اس کو پیش کرتا ہوں۔ قبول فرماویں تو میری خوش قسمتی ہوگی'' فرمایا۔ یہ تو پہلے ہی میرے پاس رہتا ہے اس کے بعد حضور اندرون خانہ تشریف لے گئے اور حضرت استانی صاحبہ کو شرف ملاقات بخشا اور پرسشِ احوال کے بعد دعا کی طرف متوجہ فرمایا۔ اس ملاقات کا ذکر آپ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''12 نومبر جمعہ کی صبح حضرت خلیفۃ المسیح الثالث بنصرہ اللہ نصرًا موزرًا نے عاجز کو اپنے قدوم میمنت سے مشرف فرمایا۔ اور دعا کی طرف متوجہ کیا'' (الفرقان مصلح موعود نمبر دسمبر 1965ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے چند خطبے سننے کے بعد فرمایا۔ آپ کی تقریر کا انداز حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملتا ہے۔ اس طرح آپ بھی اٹک جاتے ہیں۔ فرمایا۔ اس امر کا اظہار کئی صحابہ نے مجھ سے کیا ہے۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی مدح میں آپ کے چند اشعار

پھلا پھولا گلستان خلافت ہے	تو پر رونق دلبستان خلافت ہے
سلامت ناصر دین الہدیٰ باد	یہ اکمل دل سے قربان خلافت ہے

7/8 نومبر 1965ء کی درمیانی شب رویا میں دو اشعار ع

چودھویں کے چاند کی جب روشنی	خالق الانوار نے کچھ ماند کی
سب جماعت تھی دعا گو کر قبول	قدرت ثانی کا یا رب ہو نزول
ہو چکا ہے ثلۃ من اولین	اور اب ہے ثلۃ من آخرین
بے امامت کے تو رہ سکتے نہیں	صدمہ فرقت تو سہ سکتے نہیں
پڑھتے ہیں انا للہ راجعون	تائبون و آئبون و حامدون
ناصر دین محمد کی طلب	قدرت ثانی کا ثالث منتخب

یہ قطعہ 29 نومبر 1965ء کو دو بجے کہا گیا۔ ع

ناصر الدین ناصر احمد میرزا صد مرحبا	قدرت ثانی کی صورت میں ہمیں تو مل گیا
ان دعاؤں کے نتیجے میں ملا انعام یہ	جن سے عرش اعظم اللہ تعالیٰ ہل گیا

''نشان رحمت'' کے عنوان سے نظم کے مقطع میں فرماتے ہیں: ع

مرفوع آسمان پہ ہوا کر کے اپنا کام	اور جانشین ناصر دین چھوڑا و السلام

اور ایک اور نظم کے مقطع میں کہتے ہیں۔ ع

ناصر اسلام کو منصور کر	یہ دعا یا رب میری منظور کر
احمدیت کو ملے اکمل فروغ	ذرے ذرے کو مثال طور کر

قطعات

سمجھتا ہوں اپنے تئیں خوش نصیب	مجھے مل گیا میرا پیارا حبیب
جسے دی گئی ہے ظفر کی کلید	کہ نصر من اللہ فتح قریب
ناصر ملت ہمارا مل گیا	یعنی وہ پیاروں کا پیارا مل گیا

مل گیا ہے چارہ ساز و چارہ گر	ہم سے بچاروں کو چارہ مل گیا
یادگار مصلح موعود ہے یہ قافلہ	جس کی نصرت پر فرشتوں کا ہے اترا قافلہ
الٰہی ان کی تواضع ہے ترفع کی دلیل	فطرتاً بخشی ہے ان کو حق نے اک شان جمیل

حضرت قاضی صاحب دائم المرض نحیف جسم مگر کام کرنے والی روح اور غیرت مومن سے پر دل ودماغ رکھتے تھے۔آپ نے خدمت سلسلہ میں بیماری کو کبھی بھی حارج نہ ہونے دیا۔دکھ اٹھایا مگر کام کر گئے۔اس امتیازی وصف کی طرف حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''قاضی اکمل صاحب بھی نہایت مخلص لوگوں میں سے ہیں اور مَیں سمجھتا ہوں کام کے لحاظ سے بہتوں سے زیادہ قابلیت رکھتے ہیں اور باوجود بیمار رہنے کے زیادہ کام کر سکتے ہیں اور جلدی کر سکتے ہیں اس لحاظ سے سلسلہ کی بہت سی خدمات کا انہیں ایسا موقعہ مل جاتا ہے جو اوروں کو حاصل نہیں ہوتا۔اور یہ قابل قدر بات ہے۔'' (الفضل 22 جولائی 1923ء صفحہ 5)

اس طرف حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب اشارہ کرتے ہیں۔

حضرت قاضی صاحب اکمل نہایت علمی اور روحانی وجود تھے اور ان کے دبلے اور نحیف جسم میں نہایت فعال روح موجود تھی۔یہی جذبہ تھا جو آپ سے کام کروا رہا تھا۔ورنہ آپ کو ملنے والا یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ نحیف وجود اتنے کام کر رہا ہے۔مکرمی چوہدری ظہور احمد صاحب ناظر دیوان لکھتے ہیں:

''کہ آپ بہت مصروف زندگی گذارتے تھے۔انتظام کے علاوہ پروف بھی خود پڑھتے جس کی وجہ سے غلطیاں نہ ہوتیں۔''اس وصف کے سب قائل تھے کہ آپ کے زمانہ میں اخبارات میں شاذ ہی غلطی ہوتی۔صرف وصف کے بارے میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کا خراج تحسین درج کرتا ہوں۔برادرم صفی الرحمان صاحب خورشید شاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت قاضی

صاحب کی تدفین کے وقت جب حضور انور، حضرت مصلح موعود مرفوع الی اللہ کی قبر پر دعا کرنے جا رہے تھے۔مکرمی مسعود احمد خان صاحب فرمایا:''کہ اخبار میں غلطیوں کی احتیاط قاضی صاحب کی طرح کیا کروو ہ اخبار کی غلطیاں نکال کرمیرے پاس بھیج دیا کرتے۔''

قاضی صاحب کو غلطی پر دکھ ہوتا تھا کہ کیوں ہو۔صرف سستی ہے کام اتنانہیں۔آپ کے مضمون کا ایک حوالہ درج کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ آپ کس طرح معمولی کی غلطی پر گرفت کرتے تھے۔اس کالازمی نتیجہ تھا کہ خود غلطیاں نہ کریں۔شرمناک غلطیاں کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

'' طبیعت مکدر ہو جاتی ہے ....عید اضحی کو عید الضحٰی محمد رسول الله کو محمد الرسول الله السلام علیکم کو السلام وعلیکم ....محمدن کالج کو محاڈن کالج .... ذالك مبلغهم من العلم اور خاتم الخلفاء سید الاولیاء سے مقابلہ کرنے کو تیار............ایاز قدر خود بشناس۔'' (بدر 6 فروری 1908ء صفحہ 8)

اخبار نویسی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الحکم اور البدر کو اپنے باز و قرار دیا اس سے مراد یہ ہے کہ یہ دونوں اخبار اشاعت اسلام اور غلبہ بر ادیان دیگر یہ میں برابر مدد کر رہے ہیں۔

اس ارشاد کے تحت ان بزرگوں پر رشک آتا ہے۔جنہوں نے ان اخبارات میں کام کیا۔کتنی برکات کے حامل تھے وہ عظیم ہستیاں کہ جن کی کوشش کو''بازوئے مسیح'' ہونے کا شرف عطا ہوا ان بابرکت وجودوں میں سے ایک حضرت قاضی اکمل صاحب تھے جن کو البدر میں کام کرنے کا موقعہ ملا۔اور ملفوظات محفوظ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔اور الحکم میں اکثر مضامین لکھتے جیسا کہ حضرت عرفانی صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:''قاضی اکمل میرے دیرینہ رفقائے کار میں سے ہیں۔ان کے اندر قدر دان روح اور کام کرنے والا دل ہے۔'' (الحکم 13 فروری 1934ء)

البدر میں کام کے متعلق حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں:۔''اخبار بدر کی مینجری اور ایڈیٹری کا

ہر ایک کام وہ خود اس توجہ سے پورا کرتے تھے کہ سوائے نگرانی کے میرے لئے کچھ باقی نہ رہتا تھا۔'' (بدر 5 اکتوبر 1911ء صفحہ 4) میں حضرت مصلح موعود مرفوع الی اللہ نے الفضل کا اجراء کیا تو آپ نے ابتدا سے ہی تعاون کیا۔ جیسا حضرت مصلح موعود مرفوع الی اللہ فرماتے ہیں:۔'' جب الفضل نکلا اس وقت ایک شخص جس نے اس اخبار کی اشاعت میں شاید مجھ سے بھی بڑھ کر حصہ لیا وہ قاضی ظہور الدین صاحب اکمل ہیں۔ اصل میں سارے کام وہی کرتے تھے۔ اگر ان کی مدد نہ ہوتی تو مجھ سے اس اخبار کا چلانا مشکل ہوتا۔ رات دن انہوں نے ایک کر دیا۔''

(الفضل 4 جولائی 1924ء صفحہ 5)

پھر آپ ناظم طبع و اشاعت مقرر ہوئے اور سلسلہ کے پہلے ناظم تھے۔ آپ اس زمانہ میں مکرمی عرفانی صاحب آپ کے ایک مضمون پر فرماتے ہیں:

''مخدومی قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل ناظم طبع و اشاعت میری تعریف کے محتاج نہیں۔ چوتھائی صدی سے زیادہ عرصہ گذرتا ہے کہ وہ اپنے قلم سے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی قابل رشک خدمت کر رہے ہیں۔ سلسلہ کے پرانے اخبار نویس ہونے کے علاوہ انہوں نے متعدد کتب سلسلہ کی صداقت کے لئے لکھی ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت مخدوم الملۃ رضی اللہ عنہ ان کے زور قلم اور طریق استدلال کی ہمیشہ قدر فرمایا کرتے تھے۔'' (الحکم 21 مئی 1934ء) ان چند حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ ایک آپ سلسلہ کے ابتدائی اخبار نویس ہیں۔ اگر پہلے تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ فخر حضرت اکمل صاحبؓ، حضرت مفتی صاحبؓ اور حضرت عرفانیؓ صاحب کو حاصل ہے۔ مگر آپ **السابقون الاولون** کے وصف سے متصف نظر آتے ہیں جس کی شاہد ناطق آپ کی کتاب زندگی کے کھلے اوراق ہیں۔

زود نویسی

ایک اچھے اخبار نویس کا ممتاز وصف زود نویسی ہے۔ خدا نے آپ کو یہ ملکہ عطا کیا اور آپ نے

بھی حق کا شکر ادا کیا۔آپ کے شاگرد مولانا یعقوب علی طاہر صاحب اکثر آپ کے اس وصف کی تعریف فرماتے اور شاگردی کا اقرار کرتے۔ مجھے آپ کے اس بیان کے لکھنے میں صرف یہ جھجک ہے کہ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ یہ تحریر میں نہیں آیا کیونکہ میں نے آپ سے سنا کہ فرمایا کہ ’’قاضی صاحب بہت لکھنے والے تھے۔‘‘ آپ کی زودنویسی کا سب سے بڑا ثبوت تو یہی کافی ہے کہ البدر اور الحکم میں شائع شدہ ڈائری اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آخری ایام کی تقاریر۔ نیز خطبات جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول اور الفضل کی ابتدائی جلدوں میں خطبات جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سب آپ نے قلمبند کی ہیں۔حتیٰ کہ 1922ء کے بعد دیگر افراد کو ٹریننگ دی گئی۔جب آپ نے ہجرت کے بعد البدر میں کام شروع کیا تو ملفوظات آپ ہی محفوظ کرتے۔اس احتیاط کی وجہ سے کہ کہیں اپنے الفاظ شامل نہ ہو جائیں آپ بہت تیز لکھتے تھے۔جو خصوصاً سیر میں بہت مشکل ہوتا۔ جیسا کہ فرمایا ’’سیر کے وقت ڈائری لکھنا بھی کارے دارد والا معاملہ تھا.................خصوصاً ڈائری نویس کے جسے چلتے چلتے لکھنا پڑتا۔‘‘

ڈائری کے علاوہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دیگر تقاریر بھی لکھتے اور مخالفین کے اجلاس سے ان کی تقاریر بھی لکھ کر لاتے تھے اور پھر اس کا جواب دیتے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے درس کے نوٹ آپ نے نہایت التزام سے البدر و الحکم میں شائع کروائے۔استاذی المکرم جناب مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی فرماتے ہیں:۔’’خلیفہ اول کے درس کے نوٹ آپ ہی کے مرتب کئے ہوئے ہیں۔مسجد کے حصہ میں عموماً برآمدے کے ستون کے ساتھ جو ان دنوں لکڑی کا ہوتا تھا آپ ٹیک لگا کر بیٹھتے اور نوٹس لیتے۔‘‘

(از مضمون مولانا غیر مطبوعہ)

خلافت ثانیہ میں بھی یہ کام جاری رکھا۔تقاریر نوٹ کر کے شائع کرتے۔حضرت مصلح موعود مرفوع الی اللہ فرماتے ہیں:۔’’ہم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں‘‘ یہ وہ تقریر ہے جو میں نے جلسہ

کے موقعہ پر 28 تاریخ کو کی پہلے اخبار بدر میں بھی شائع ہو چکی ہے اور مکرمی قاضی اکمل صاحب نے تیار کی۔'' (تشحیذ جلد 4 نمبر 1) اسی طرح ایک موقعہ پر خود لکھتے ہیں: '''' وہ رات'' جس کی صبح احباب شملہ مجھے معاف فرمائیں گے ہمارے لئے شام فراق لانے والی تھی۔حضور کی ایک تقریر دلپذیر کی وجہ سے جو بعد از نماز مغرب فرمائی۔ دار الامان میں رہنے والے احباب کو بالخصوص یاد رہے گی۔سامان کتابت پاس نہیں تھا۔عزیز عطا اور کچھ اپنے جیب دواماں کے پرزے کام آئے۔ گیارھویں کا چاند ہلکے ابر کی نقاب ڈالے عالم بالا کے جھروکے سے زمین قس کے بدر و نجوم ایک ہی برج میں بہم دیکھ رہا تھا۔اس کی چاندنی میں صرف پنسل کی حرکت صفحہ قرطاس پر نظر آسکتی تھی۔گلین بہار کو دامان تنگ کا گلہ ہونے کے علاوہ یہ مشکلات تھیں۔مگر پھر بھی وہ ایک وستنبو تیار کر سکا جو پیش کش محفل مودت منزل احباب ذی الالباب ہے۔'' (اکمل۔الفضل 2 ستمبر 1917ء صفحہ 5)

البدر، الحکم، تشحیذ اور ریویو اردو کے مطالعہ سے میرا یہ تاثر ہے کہ حضرت قاضی صاحب کو سلسلہ کا پہلا زود نویس کہا جا سکتا ہے کیونکہ مکرم عرفانی صاحب اور مفتی صاحب نے اس کی ابتدا تو کی مگر اس میں مہارت اور تیزی آپ کے ہی حصہ میں آئی۔ دونوں بزرگوں کو ڈائری نویس تو کہا جا سکتا ہے مگر زود نویس کی ہمہ اوصاف قاضی صاحب میں پائی جاتی ہیں۔جس کے شاہد اخبارات کے فائل ہیں۔

نوجوانوں کی ادبی تربیت

حضرت قاضی صاحب کا ایک نمایاں وصف تھا کہ آپ نوجوانوں میں مسابقت کا جذبہ پیدا کرتے۔ان کو ادبی تربیت دیتے اور ادب سے لگاؤ پیدا کرتے۔معاندین سلسلہ کے اعتراض سے آگاہ کر کے جواب دینے کا ملکہ پیدا کرتے۔اس وصف میں آپ بہت مشہور تھے۔حضرت مولانا ابو العطاء صاحب فرماتے ہیں: ''میری واقفیت حضرت اکمل صاحب سے اس وقت سے ہے جب کہ میں مدرسہ احمدیہ کی تیسری جماعت میں پڑھتا تھا۔مدرسہ احمدیہ کے بورڈنگ سے قریب سے ہی روزانہ بہشتی مقبرہ کی طرف جایا کرتے تھے۔ان دنوں مولانا شمس ان کے دفتر میں بہت بیٹھا کرتے

تھے اور ان کے مختلف نوٹ اور مضمون رسالہ تشحیذ میں نکلا کرتے تھے۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہمیں اخبارات کا مطالعہ کرنا چاہئے اور مخالفین کے اعتراضات کے مطالعہ کے لئے نوجوانوں کے لئے بہترین جگہ تھی۔ حضرت قاضی صاحب کے اخبارات کے تبادلہ میں بہت سے اخبارات آتے تھے۔ وہ دفتر میں تخت پوش پر لیٹے رہتے اور لیٹے ہی مطالعہ کرتے تھے۔ کچھ عرصہ کے لئے بیٹھ کر دفتری ہدایات دے دیا کرتے تھے۔ اخبارات پڑھنے کے بعد انہیں ایک ٹوکری میں پھینک دیا کرتے تھے۔ طلباء جاتے اور اس ٹوکری میں سے ایک ایک اخبار لے کر مطالعہ کرتے جاتے۔ میں بھی ان لوگوں میں شامل ہو گیا تھا۔ اس کا فائدہ یہ پہنچا کہ مخالفین کے اخبارات پڑھنے کی عادت ہو گئی اور ان کے جواب دینے کا شوق بڑھتا گیا۔ حضرت قاضی صاحب کی عادت تھی کہ وہ جس نوجوان کے بارہ میں خیال کریں کہ یہ مضمون لکھ سکتا ہے انہیں اس طرف توجہ دلاتے تھے اور اس کے لکھے ہوئے مضمون کو مناسب تصحیح کے بعد شائع فرما دیا کرتے تھے۔ مولانا شمس کی انہوں نے اس طرح راہنمائی فرمائی تھی۔ مجھے بھی انہوں نے اس طرف توجہ دلائی بلکہ معترضین کے بعض مضامین خاص طور پر مجھے دیا کرتے تھے تا کہ میں ان کے جواب لکھوں۔'' (از مضمون مولانا غیر مطبوعہ)

مکرم استاذی المکرم مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی تحریر فرماتے ہیں: ''مدرسہ احمدیہ میں پڑھتے ہوئے 1917-18ء سے میں قاضی صاحب کے پاس دفتر میں کبھی کبھار آتا۔ محترم برادرم جلال الدین صاحب زیادہ تر ان سے فیض حاصل کرتے رہے۔ مولوی جلال الدین صاحب شمس کی کنیت ابوالثناء محترم قاضی صاحب کی ہی جدت طبع کا نتیجہ تھی۔

آپ کی مجلس مبتدیوں کے لئے بطور معلمانہ اور دروس نظامیہ کے منتہی کے لئے بھی مساویہ انداز کی ہوتی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ قاضی صاحب استاد ہیں۔ مولانا شمس صاحب کے مضمون نویسی میں اور شعر وشاعری میں اور حضرت قاضی صاحب کی وفات کے بعد جلد ہی ان کی روح نے مولانا جلال

الدین صاحب کو بھی اپنے پاس بلا لیا اور بہشتی مقبرہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو ساتھ ساتھ ہی جگہ دی۔ اللہ تعالیٰ استاد اور شاگرد دونوں پر رحمت کی بارشیں برسائے۔'' (از مضمون مولانا غیر مطبوعہ)

حضرت مولانا شمس صاحب نے ایک دفعہ جامعہ میں اپنے ابتدائی حالات کے متعلق تقریر کی۔ جس میں اپنی مضمون نویسی کے متعلق فرمایا:۔ ''کہ میں مکرم قاضی اکمل صاحب کے دفتر کے سامنے سے گذرتا تھا۔ مکرم قاضی صاحب روز مجھے جاتے دیکھتے۔ ایک روز مجھے بلایا اور گفتگو ہوئی۔ اس میں مجھے آنے کے متعلق کہا اور مضمون لکھنے کی ترغیب دی۔ آخر میں نے ''وفات مسیح از روئے علم منطق'' پر مضمون لکھا۔ حضرت قاضی صاحب نے تصحیح کی اور شائع کیا۔ (تشحیذ دسمبر 1917ء) اس طرح میں مضمون لکھنے لگا اور مکرم قاضی صاحب میری حوصلہ افزائی کرتے رہے۔''

اس تقریر کے ابتدا میں آپ کے یہ فقرات تھے کہ ''مضمون نویسی میں آج کے اکثر اہل قلم مکرم حضرت قاضی اکمل صاحب کے شاگرد ہیں۔ میں نے بھی ان سے مضمون نویسی سیکھی۔'' مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری مبلغ اسلام کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت مولوی جلال الدین صاحب شمس اور حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری کی بھی بچپن اور طالب علمی کے زمانہ میں حضرت قاضی اکمل صاحب نے ہی ابتداء میں ہمت افزائی اور راہنمائی فرمائی جو کہ ان کی موجودہ علمی قابلیت، کامیاب تبلیغی زندگی کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئی۔

(از مضمون مولوی صاحب)

خاکسار نے جب ابتداء میں حضرت قاضی صاحب کے پاس جانا شروع کیا اور آپ کی شخصیت سے اچھی طرح واقف نہ تھا۔ ایک دفعہ حضرت مولانا صاحب قاضی صاحب کے پاس آئے اور گفتگو ہوئی۔ انتظام سلسلہ کے متعلق حضرت قاضی صاحب جلال میں آ گئے اور اس سخت الفاظ میں گفتگو کرنی شروع کر دی کہ میں حیران ہو گیا کہ اتنے سخت الفاظ استعمال کرنے کی آپ کو جرأت کیسے ہوئی۔ حیرت اس بات پر اور بڑھ گئی کہ حضرت مولانا صاحب ایک سعادت مند شاگرد کی طرح سر

جھکائے سنتے رہے اور بعد میں نہایت مؤدبانہ رنگ میں اظہار واقعہ کیا۔ بعد میں آپ کے تعلق کا علم ہوا تو خواہش پیدا ہوئی کہ خدا مجھے بھی ایسا سعادت مند شاگرد بنا دے۔ کیونکہ ایسی سعادت میں سربلندی کا راز مضمر ہے۔ اس کے بعد بھی حضرت مولانا اکثر حضرت قاضی صاحب کے پاس آتے اور پرانی یاد تازہ کرتے۔ اکثر نئے اعتراضات معاندین اور اخبار الفضل کے کردار اور سلسلہ کے متعلق گفتگو ہوئی۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ حضرت مولانا صاحب نے کبھی بھی حضرت قاضی صاحب کی کسی بات پر تلخی محسوس کی ہو اور چہرہ پر کوئی تغیر پیدا ہوا ہو۔ اللہ سے دعا ہے رضی اللہ عنہ۔

مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری اپنے شرف تلمذ کا ذکر کرتے ہیں: ''حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کو ان کے عارفانہ منظوم کلام اور بلند پایہ مضامین کی وجہ سے نیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے پرانے بزرگوں میں سے ہونے کی وجہ سے میں انہیں اپنے طالب علمی کے زمانہ سے جانتا ہوں۔ 1930-31ء میں ان سے ذاتی تعارف ہوا جس کے بعد اکثر قادیان میں ان سے فیض حاصل کرنے کا موقعہ ملتا رہا.......................... مدرسہ احمدیہ کے پاس ہی ان کا مکان اور دفتر تھا۔ مدرسہ احمدیہ کے طالب علم اکثر ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے اور آپ ان کی ہر لحاظ سے حوصلہ افزائی اور تربیت فرماتے تھے۔ 1931ء میں ایک مرتبہ میں آپ کے دفتر کے آگے سے گزر رہا تھا اس وقت میں مدرسہ احمدیہ کا چھٹی جماعت کا طالب علم تھا۔ مجھے بلا کر فرمانے لگے کہ کوئی مضمون لکھ کر دکھایا کرو۔ میں نے معذرت کی کہ مجھے لکھنا نہیں آتا مگر اصرار سے فرمایا کہ کوشش کرو۔ ہم اصلاح کر کے شائع کریں گے چنانچہ میں نے وفات مسیح پر ایک دو صفحے کا مضمون لکھا جو کہ بڑی شفقت سے انہوں نے اصلاح کر کے مصباح میں شائع کر دیا۔ اس پر مجھے مزید لکھنے کا شوق ہوا۔ چنانچہ پھر اکثر دفعہ میں کچھ نہ کچھ لکھ کر آپ کے پاس لے جاتا۔ آپ نہایت مہربانی سے اصلاح فرما کر اسے شائع کر دیتے۔ اس طرح ان کی توجہ اور شفقت سے مجھے کچھ نہ کچھ لکھنے کی مہارت ہوگئی۔ بچپن میں مجھے اردو شعر و شاعری سے بھی معمولی دلچسپی تھی۔ کبھی کبھی شعر کہہ کر

ان کے پاس اصلاح کے لئے لے جاتا۔آپ بعض دفعہ اسی وقت پاس بٹھا کر غلطیاں درست کر دیتے اور میرے کلام پر تنقید کر کے دوبارہ غور کر کے صحیح کر کے لانے کے لئے فرماتے۔ چنانچہ میں نظر ثانی کر کے پھر ان کے پاس لے جاتا اور اس طرح ان کی توجہ اور شفقت سے خاکسار شعر کہنے اور مضامین لکھنے کے قابل ہو گیا۔مضامین لکھنے میں ان کی راہنمائی میری تعلیم میں بھی بڑی ممد ثابت ہوئی اور آج تک میں ان کا مرہون منت ہوں۔غرضیکہ ان کی یہ خوبی بہت نمایاں تھی کہ وہ نوجوان طالب علموں کی خاص توجہ سے حوصلہ افزائی فرماتے اور خود کوشش کر کے انہیں سلسلہ کی خدمت کرنے کے قابل بناتے''۔(از مضمون غیر مطبوعہ)

اسی طرح اور بہت سے اہل قلم حضرات کو آپ نے تربیت دی۔ان میں شیخ نوراحمد صاحب منیر مبلغ بلاد عربیہ،خواجہ غلام نبی ایڈیٹر الفضل،حافظ سلیم اٹاوی،مولوی تاج الدین صاحب سابق ناظم قضاء، مولانا محمد صادق سماٹری صاحب، چوہدری ظہور احمد صاحب، مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی،مولوی صدیق امرتسری صاحب خاص طور پر مشہور ہوئے اور سلسلہ کے قلمی مجاہدین میں شامل ہوئے۔

ان کے علاوہ بھی مدرسہ احمدیہ کے اکثر طلباء آپ کے پاس آیا کرتے اور مطالعہ کرتے اور مضمون کی اصلاح کرواتے اور تبلیغی گفتگو کرنا سیکھتے۔مکرم حافظ غلام محمد الدین صاحب معلم وقف جدید روایت کرتے ہیں:۔''کہ مدرسہ احمدیہ کے اکثر طلباء آپ کے پاس آتے۔اس کے علاوہ بھی مختلف مذاق کے لوگ آتے۔آپ کی اس خوبی نے مجھے بہت متاثر کیا کہ باوجود بلند رتبہ کے چھوٹے چھوٹے آدمیوں سے بھی ملنے سے گریز نہ کرتے۔ریڈیو بہت کم تھے۔مدرسہ احمدیہ کے طلباء کو خندہ پیشانی سے بٹھانا اور انتظام کرنا۔ بلکہ خاص پروگرام ہوتو دعوت دینا اور پھر ان کے بیٹھنے کا انتظام کرنا۔باوجود دائم المرض اور ضعف پیری کے یہ وصف تھا جب کہ انسان سکون کا متلاشی ہوتا ہے۔ لوگوں کی نظموں کی اصلاح کرتے۔میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے انکار تو کجا برا منانے کا

چہرہ سے بھی تاثر دیا ہو بلکہ شوق سے اصلاح کرتے اور ان کی حوصلہ افزائی اور دلجوئی کرتے۔

عام طور پر نوجوانوں سے کہتے کہ ادبی رنگ میں مضمون نگاری کیا کرو اور یہ ذہن نشین کرواتے کہ تم نے ہی عملی طور پر کام کرنا ہے۔ (از مضمون غیر مطبوعہ)

مکرم عبدالرحمان صاحب شاکر ابن مکرم حضرت نعمت اللہ صاحب گوہر روایت کرتے ہیں:۔

''حضرت قاضی صاحب کا دفتر قادیان کا مرکز ہوتا۔ احباب کثرت سے آتے اور مسائل و حالات حاضرہ پر گفتگو کرتے۔ حضرت قاضی صاحب کا یہ کمال تھا کہ ہر ایک کے ساتھ اس کے مزاج کے مطابق کلام کرتے اور اس امر کا خاص طور پر خیال رکھتے کہ دفتر کا وقار بھی قائم رہے۔''

اس امر کے متعلق حضرت مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی روایت کرتے ہیں:۔

''میں نے مقامی اور باہر سے آنے والے دوستوں کو قاضی صاحب کی مجلس میں بیٹھے دیکھا۔ سبھی قسم کے لوگ آتے تھے۔ خلافت اولیٰ میں حضرت خلیفۃ المسیح اول کے اور مساجد کے درس کے علاوہ آپ ہی کا دفتر تبلیغی اور تعلیمی گفتگو کا مرکز ہوتا تھا اور یہی حال خلافت ثانیہ میں زیادہ ترقی پا گیا تھا''

اس بیان کی تائید میں مجھے بدر سے ایک حوالہ بھی مل گیا۔ امرتسر کے ایک معزز غیر احمدی میاں محمد اسلم صاحب قادیان آئے اور واپس جا کر اپنے تاثرات لکھے۔ اس میں حضرت قاضی صاحب کے متعلق بھی اپنے تاثر لکھے۔ لکھا ہے:۔ ''حضرت اکمل صاحب سے کافی ملاقاتیں ہوئیں اور انہوں نے جو کچھ مہربانی، نہایت فراخدلی سے میری مسافرانہ حالت پر فرمائی۔ اس کا میں مشکور ہوں''۔ (بدر 13 مارچ 1913ء صفحہ 6،9) آپ کا دروازہ ہر ایک کے لئے کھلا تھا۔ جو بھی آیا فیضیاب ہوا۔ ہر ایک نے اپنے اپنے مذاق اور استطاعت کے مطابق لیا اور خوب لیا۔ قاضی صاحب نے بھی بخل سے کام نہ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ان کے علم سے فیض حاصل کرنے والے سلسلہ کے قیمتی وجود نظر آ رہے ہیں۔ استادی المکرم مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی روایت کرتے ہیں:۔

''معاندین سلسلہ کے اعتراضوں کے جواب دینے میں یدطولیٰ حاصل تھا۔اس لئے ہم لوگ ان سے فیض حاصل کرتے۔ان کے کہنے پر کچھ مضمون لکھا کرتے جن کی آپ اصلاح بھی کر دیا کرتے تھےاور پھر شائع بھی کر دیتے۔جزا کم اللہ عنا و عن جمیع الاحمدیین۔''

شعرائے معاندین کا مقابلہ

آپ نے شاعری خدمت انسانیت کے لئے سیکھی تھی اور یہی چیز ابتدا سے انتہا تک مختلف انواع میں نظر آتی ہے۔کبھی ابتداء میں ضعف اسلام اور تنزل اہل اسلام جوانان قوم کو کچھ کرنے پر ابھارنے،عورت کی تعلیم اوراس کو اپنی حدود میں آزادی سے رہنے،حقوق کسان وغرباء وغیرہ کے متعلق لکھتے رہے۔ہجرت کے بعد عشق مسیح وخلفاء غالب نظر آتا ہے۔تبلیغ مطمع نظر بن گئی۔اسلام کی خوبیاں بیان کرنااوراحمدیت کی تعلیم پر اعتراضات کا جواب دینا آپ کا محبوب مشغلہ بن گیا۔مولوی ظفرعلی خان کے ساتھ نظم میں اور مولوی ثناءاللہ صاحب کے ساتھ نثر میں آپ نے ایک جری پہلوان کی طرح مقابلہ کیا۔آپ کی اکثر نظمیں مشہور ہوئیں۔ان میں سے چند ایک نظمیں درج کرتا ہوں۔

1934ء میں ظفرعلی خان نے بلند بانگ دعاوی کئے کہ ہم یہ کر دیں گے وہ کر دیں گے۔اس کے جواب میں حضرت قاضی صاحب لکھتے ہیں۔

نئی زمین نیا آسمان بنائیں گے	خدا کے فضل سے سب کچھ یہ کر دکھائیں گے
ہے کون؟ کام خدا کے جو روک سکتا ہے	جو روڑے راہ میں رکھیں گے پیسے جائیں گے
جو کساز نظر اتے ہیں حقیر تجھے	یہ شہ سوار یہی آخر کو فتح پائیں گے
یہ مشکلات ہی کیا ہیں جو حل نہیں ہوں گے	پہاڑ کتنے ہی رستے سے ہم ہٹائیں گے
بڑھے چلو کہ خدا کو تمہیں بڑھانا ہے	وہ کہہ چکا ہے کہ اعداء کو ہم گھٹائیں گے
ظفر علی ہو کہ اہل حدیث یا احرار	یہ کھاد گلشن احمد کی بن کے آئیں گے
ہمیں تو بخشا ہے حق نے سکون و اطمینان	نہ اضطراب کبھی احمدی دکھائیں گے

جھلک جو حسن دل افروز کی نظر آئی	کس کی راہ میں آنکھیں وہ خود بچھائیں گے
دعا ہے قادر مطلق سے زیر ہوں دشمن	کہ ہم سے وعدہ ہے غم کو ضرور اٹھائیں گے
خدا نے چاہا تو سر ہنگ لشکر محمود	بتوں کو بھی کلمہ ہاں کبھی پڑھائیں گے
ہیں محو دید رخ یار حضرت اکمل	نہ سنتے ہیں نہ کسی کو وہ کچھ سنائیں گے

مولوی ظفر علی نے ایک موقعہ پرنظم کہی۔جس کے دوشعر یہ ہیں۔اس کے جواب میں ''قادیان سرچشمہ علم وہدیٰ'' کے عنوان سے لکھتے ہیں۔ع

الحق کہ اصل دین ہدیٰ قادیان میں ہے	زندہ رسول زندہ خدا قادیان میں ہے
اے استخوان فروش دکھاتا ہے یونہی جوش	اسلام کا تو چشمہ صفا قادیان میں ہے
نشر و دفاع و دعوۃ و تبلیغ کا نظام	بہت سے بہتر ایک ہی جا قادیان میں ہے
گنجینہ معارف قرآن لازوال	جو لٹ رہا ہے صبح و مسا قادیان میں ہے

زمیندار کی شاعرانہ بڑ کا جواب آپ نے اس نظم میں دیا۔ چنداشعار درج ہیں۔ع

رحمت طلب الہ سے ہر آن کیجئے	لعنت ہزار بر سر شیطان کیجئے
''ایمان تازہ کرنے کی ہو آرزو اگر''	تو قادیان میں بیعت فرمان کیجئے
ممکن نہیں نکالئے دل سے یہ بد خیال	''شیرازہ قدیان کا پریشان کیجئے''
شیرازہ قادیان کا پریشان نہ ہو سکے	آپ اپنی مشکلات کو آسان کیجئے
کب تک اباء و کبر رہے گا '' ظفر علی''	بس اور مال و جان کا نہ نقصان کیجئے
حق کی مخالفت میں گذاری تمام عمر	کچھ اپنی عاقبت کا بھی سامان کیجئے
یہ سلسلہ تو ایک ''تناور درخت'' ہے	اس کے اکھیڑنے کا نہ ارمان کیجئے
ایمان لا کے قول رسول کریم پر	حاصل ایام مہدی کا فیضان کیجئے

مولوی ظفر علی ''پناہ قادیان'' کے تحت اپنی نظم میں لکھتے ہیں پہلا شعر ہے ع

نبی کے بعد نبوت کا ادعا ہو جسے	ہر ایسے بطل خرافات سے خدا کی پناہ

اس کے جواب میں حضرت قاضی صاحب کا جواب ’’گالیاں سن کر دعا دو‘‘ کا عملی نمونہ ہے۔ چند اشعار درج ہیں۔ ع

نزول وحی سے انکار النبی کے بعد	مخالفوں کی خرافات سے خدا کی پناہ
مسیح و مہدی موعود ہے ’’غلام احمد‘‘	مکذبین کی ہفوات سے خدا کی پناہ
عدو نے تیر جو پھینکے اسی پہ لوٹے ہیں	مگر ہے فخر و مباہات سے خدا کی پناہ
ظفر علی سے گذارش ہے عاجز اکمل کی	اخیر عمر خرافات سے خدا کی پناہ

مولوی ظفر علی ’’حصار قادیان پر اسلام کا بم‘‘ کے تحت لکھتا ہے۔ ع

کفر کا جھنڈا کریں گے آج مرزائی بلند	ہم بھی نکلیں ہاتھ میں لے کر علم اسلام کا

اس کے جواب میں حضرت قاضی صاحب لکھتے ہیں: ع

ہر طرف کفر است جوشان ہمچو افواج یزید	احمدی نکلے فقط لے کر علم اسلام کا
غیر کر سکتے نہیں اسلام کا جھنڈا بلند	عیش میں سرگرم ہیں کیا فکر و غم اسلام کا
یہ مسلمان نام کے، ہرگز نہیں ہیں کام کے	ہاں ’’عرب اسلام کا ہے اور عجم اسلام کا
جس نے بے پر کی اڑائی ہے اسے ہو انتباہ	پھٹنے والا ہے اس کے سر پر بم اسلام کا
پیشگوئی پوری ہو گئی یہ امام وقت کی!	بھرنے والے ہیں تمام انسان دم اسلام کا
مال و جان دے کر خریدی اپنے مولی کی رضاء	ہے ہمارے دم ہی سے قائم بھرم اسلام کا
ہر طرح محفوظ ہے اکمل حصار قادیان	تا ابد ہر دے گا اس پر علم اسلام کا

اگر مولوی صاحب اور حضرت قاضی اکمل صاحب کی نظموں کا مطالعہ کیا جائے تو ایک متعصب انسان بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گا کہ اسلامی تعلیم پر حضرت قاضی صاحب ہی نظر آ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ جوش کی ایک نظم ہے۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے۔ ع

بالیں گم پہ عیسیٰ دوران کب آئے گا......	وہ پیمبر درمان کب آئے گا

اس کے جواب میں حضرت قاضی صاحب ان کو مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کی بشارت دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ چند اشعار درج ہیں۔ ع

اے منتظر وہ عیسیٰ دوران ہے آ گیا	صد مژدہ ہو مریض کو درمان ہے آ گیا
جو میزبانی کے ہیں فرائض ادا کرو	تھا انتظار جس کا وہ مہمان آ گیا
ہر گوش منتظر کو یہ اکمل نے دی نوید	مہدی، مسیح، مرسل رحمان ہے آ گیا

غرض آپ کی شاعری ظفر علی کی طرح نام و نمائش کے لئے نہ تھی اور نہ آپ نے اس کا ذریعہ معاش بنایا بلکہ اپنے اس فن کو اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔

آپ کا ایک امتیازی وصف یہ تھا کہ اس امر کا خاص طور پر خیال رکھتے کہ کسی مخالف کی نظم بچوں میں مقبول ہو۔ اس وزن پر یا بچوں کے رجحان کے مطابق آسان ردیف میں نظم کہتے۔ تا کہ مخالف ''حسن الفاظ'' سے بچوں میں اپنے خیالات نہ پھیلائے۔ اکثر نظمیں مولوی ظفر علی خان کے جواب میں ہیں۔ ایک موقعہ پر مولوی صاحب نے'' رہا ہے'' کے وزن میں نظم کہی۔ جس میں نزول حضرت مسیح ناصری علیہ السلام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور قادیان کے رہنے والوں کے خلاف ہلکے پھلکے انداز میں نظم کہی۔ حضرت قاضی صاحب نے ایک بچے کی زبان سے اس کو پڑھتے ہوئے سن لیا۔ تو غیرت مومنانہ میں نظم کہی۔ جو خدا کے فضل سے بڑی مقبول ہوئی۔ چند اشعار درج ہیں:۔ ع

اجی مولوی جی یہ کیا ہو رہا ہے	کہ عیسیٰ کا رفع سا ہو رہا ہے
نہ مریم کے بیٹے کا اتنا بڑھاؤ	مسلمان کہلا کے کیا ہو رہا ہے
فلک پر ہو عیسیٰ، محمد زمین میں	جو تھا ناروا وہ روا ہو رہا ہے
وہ نبیوں کا سردار مٹی کے نیچے	یہ خوب احترام آپ کا ہو رہا ہے

ہماری ہی بلی ہمیں ہی میاؤں	میاں جی یہ کیا ماجرا ہو رہا ہے

مکرمی حافظ غلام محی الدین صاحب معلم وقف جدید روایت کرتے ہیں کہ مجھے پشاور ایک دو ماہ رہنے کا اتفاق ہوا۔ یہ نظم بچوں کی زبان پر تھی اور گھر میں، بازار میں سکول آتے جاتے وہ گنگناتے رہتے۔ایک نظم ہجرت کے بعد کی دے کر اس مطول کو کو مختصر کر رہا ہوں۔

1953ء میں ایک ہی نعرہ زبان پر ختم نبوت زندہ باد۔حضرت قاضی صاحب لاہور میں قیام رکھتے تھے کہ گلی سے جلوس نکلا جو خوب نعرے لگا رہا تھا۔اس وقت آپ کو فکر ہوئی۔اس کے دو شعر یہ ہیں:۔ع

دین ہمارا ہے اسلام اس کی اشاعت اپنا کام	ہم سب ہیں اس کے خدام فیضان رسالت زندہ باد
ہے قرآن مجید شریعت اس کے ساتھ نبی کی مسرت	اس پر ہے اجماع امت جان رسالت زندہ باد

قلمی جہاد

ہر سطر ہے ساطور، تو ہر لفظ ہے گواہ	ہر حرف کی جو نوک ہے نیزے کی انی ہے
یہ تم ہی کہو میں تو ہوں اک بندۂ عاجز	مقصود میرا خدمت شاہ مدنی ہے

آپ کے قلمی جہاد کے متعلق مجھے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ کتب اور مضامین کی فہرست اس کا بہت بڑا ثبوت ہے۔آپ ہی وہ عظیم شخصیت ہیں۔جن کو سلسلہ کے تمام اردو اخبارات ورسائل کو ایڈٹ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اور مطبع اور انگریزی رسائل واخبار کی مینیجری کا بھی فخر حاصل ہے۔آپ کے قلمی جہاد کے اپنے تو اپنے غیر بھی معترف ہیں۔مولوی ظفر علی خان آپ کے زور قلم سے گھبراتے اور مولوی ثناء اللہ آپ کے زور استدلال کی وجہ سے مقابل پر آنے سے کتراتے اور مولوی ابراہیم سیالکوٹی آپ کے علم کلام کا سکہ مانتے تھے۔

استاذی المکرم مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی روایت کرتے ہیں:۔

''آپ کو مولوی ابراہیم سیالکوٹی، مولوی ثناء اللہ امرتسری اور دوسرے معاندین سلسلہ کے

اعتراضوں کے جواب دینے میں ید طولیٰ حاصل تھا۔اس لئے ہم لوگ ان سے فیض حاصل کرتے ۔ ان کے کہنے پر کچھ مضمون لکھا کرتے۔'' مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب خالد احمدیت فرماتے ہیں:۔

''ہجرت سے پہلے سلسلہ کے متعدد اخبارات سے ان کا تعلق رہا ہے۔ یا بطور ایڈیٹر یا بطور مینیجر۔ان کے مضامین بہت برجستہ ہوتے تھے جس میں الزامی رنگ کے جواب زیادہ پائے جاتے تھے۔''اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ آپ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی آپ کے محبوب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق گند اچھالے۔آپ اس پر گرفت کرتے کہ ان اوصاف کے مالک ہوتے ہوئے تمہیں حق ہی کیا ہے کہ میرے محبوب کے خلاف لکھو۔جیسا کہ آپ ''مولوی ظفر علی کی مولویت'' اور ''شرمناک غلطیاں'' میں تحریر کرتے ہیں۔دوسرے معاندین بودے اعتراض کرتے اور ایک اعتراض کو بار بار دہراتے۔اس پر آپ ان کے لا جواب ہونے کو یاد دلاتے کہ اس وقت کیوں خاموش ہوئے۔آپ کے قلمی جہاد کے متعلق استاذی المکرم مولانا ظہور حسین مبلغ بخارا روایت کرتے ہیں:۔

''عاجز قادیان 1911ء میں آیا اور محض خدا تعالیٰ کے فضل سے مدرسہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کرنے کی توفیق ملی۔عاجز اس وقت سے ایک بزرگ بدن کے نحیف و نزار ایک دفتر میں اکیلے بیٹھے خاموشی کے ساتھ جہاد بالقلم میں مصروف رہتے تھے۔وہ اپنی شہرت یا نمائش یا ریا کے سخت خلاف تھے۔ان کو تقریر کرتے میں نے کبھی نہیں سنا لیکن قلم کے ساتھ جہاد میں وہ صف اول میں شمار ہوتے تھے۔آپ کا نام نامی حضرت قاضی محمد ظہور الدین اکمل تھا......اور ہر موقعہ محل کے مطابق خلوص سے پُر نظم کے ذریعہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں مخلصین جماعت کو اپنے تازہ منظوم کلام کے ساتھ نوازتے رہے۔اے خدا آپ کے سارے خاندان پر فضل فرما''۔(از مضمون مولانا غیر مطبوعہ)

مکرم حافظ غلام محی الدین صاحب معلوم وقف جدید روایت کرتے ہیں:۔

''میں نے غیر از احمدی جماعت سے بھی سنا کہ وہ حضرت قاضی صاحب کے مضامین کی تعریف

کرتے۔ اس طرح آپ کے منظوم کلام کی۔ جناب میاں سلطان بخش پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ کلر کہار ذکر کرتے ہیں کہ میں نے احمدی ہونے سے قبل قاضی صاحب کے مضامین پڑھے۔ بہت عمدہ تھے۔جس سے مجھے قبول احمدیت کی تحریک کوتقویت ملی۔''

آپ کی وفات پر الفضل آپ کی قلمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

''کتب کی تصانیف کے ساتھ ساتھ آپ اثر وجذب میں ڈوبی ہوئی نہایت ایمان افروز نظمیں بھی کہتے رہے۔ جو جماعت میں بے حد مقبول ہوئیں۔عرصہ دراز تک زبان زد خاص وعام بنی رہیں ....قلمی لحاظ سے غیر مبائعین کے فتنہ کا مقابلہ کرنے میں آپ بھی پیش پیش رہے اور ایسی گرانبہا خدمات انجام دیں جو ہمیشہ یادرہیں گی۔''(الفضل 29 ستمبر 1966ء صفحہ 8)

فاسٹ رائٹر

حضرت قاضی صاحب کا نمایاں وصف یہ تھا کہ حلقۂ احباب میں گفتگو کے دوران مضامین لکھنا۔ گفتگو بھی جاری ہے اور مضمون بھی لکھا جا رہا ہے۔مکرم مرزا عبدالحمید صاحب جن کو ایک لمبا عرصہ آپ کے تحت کام کرنے کا موقع ملا بلکہ آپ کی پرورش اور تربیت حضرت قاضی صاحب نے کی۔ روایت کرتے ہیں:۔''آپ ایک تخت پر نیم دراز حالت میں مضمون لکھا کرتے تھے۔ احباب اردگرد بیٹھے ہوتے اور گفتگو کے دوران آپ لکھتے بھی جاتے اور اسی وقت کاتب کے سپرد کر دیتے۔نظر ثانی بھی نہ کیا کرتے تھے۔'' مجھے اس روایت کی تائید کی تلاش تھی۔سوالحمدللہ کہ مل گئی۔آپ کا ایک مضمون ''خلافت علی منہاج النبوت'' تشحیذ میں شائع ہوا۔اس کے ابتدا میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''اللہ تعالیٰ اس عجالہ کو جو میں نے آج ہی رسالہ ڈاک میں وصول ہونے پر قلم برداشتہ لکھا ہے۔ نافع للناس بنائے۔اللھم آمین''

اس طرح مکرم عبدالمجید صاحب سالک کی وفات پر تحریر فرماتے ہیں۔اس سے آپ کی اس خوبی کا بھی علم ہوتا ہے کہ آپ نہ صرف احمدی ادباء کی حوصلہ افزائی کرتے بلکہ غیراز جماعت کی بھی

پوری پوری مدد کرتے اور آپ کے جذبہ تبلیغ کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ دعوت اسلام میں کبھی کوتاہی نہ کرتے تھے۔

''محترم سالک صاحب جن کا حال ہی میں (مورخہ 27 ستمبر 1959ء) کو انتقال ہوا ایک مشہور ہر دلعزیز ادیب صحافی تھے۔ 1912ء کا ذکر ہے کہ ان کا ایک خط پٹھانکوٹ سے مجھے موصول ہوا کہ میں ایک ادبی رسالہ ماہوار شائع کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا پہلا نمبر مجھے چھپوا دیں۔ مجھے لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے والد صاحب اور چچا صاحب مخلص احمدی تھے اور قادیان آتے جاتے تھے۔ میں بدر سے حضرت خلیفہ ثانی کے زور دینے پر تشحیذ الاذہان میں منتقل ہو چکا تھا اور ضیاء الاسلام پریس کے بعد میگزین پریس دستی میرے زیر اثر تھا اور میرے مضامین و اشعار بعض بیرونی اخبار میں چھپتے تھے جن سے میرا تعارف سلسلہ سے باہر بھی تھا۔ میں نے ان کو لکھا کہ نیا رسالہ ایک مبتدی کا مقبول عام نہیں ہو سکے گا۔ کیوں خواہ مخواہ خرچ کرتے ہو۔ مگر وہ پندرہ روز بعد رسالہ کا مسودہ غالباً کا پیاں لے کر آ گئے۔ میں نے کہا جہاں تک مجھ سے ہوسکتا ہے آپ کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔ وہ بہت جلد مجھ سے بے تکلف ہو گئے۔ میں بوجہ دائم المرض اور کمزور ہونے کے ایک تخت پر گدا ڈال کر کام کیا کرتا تھا۔ وہ میرے پاس ہی بیٹھے تھے۔ میں ان سے باتیں بھی کرتا جاتا اور کچھ لکھ بھی رہا تھا۔ پوچھا یہ کیا لکھ رہے ہیں؟ میں نے کہا نظم اور آپ سے خطاب ہے۔ ع ''سالک راہ ہدیٰ آجا ادھر''

جان میں ظلمت کدے میں کچھ نہیں	نور منزل میں عصاء شوق گاڑ
چاہئے ہرگز نہ اہل ارض کو	آسمان کے رہنے والوں سے بگاڑ
دست بازو اکمل مخزون کا بن	بند کر اس کے عدو کی چھیڑ چھاڑ

یہ پندرہ سولہ اشعار کی نظم تھی (نغمۂ اکمل میں چھپ گی ہے)۔

محترم سالک صاحب نے اس پر حضرت خلیفہ اول کی بیعت کر لی۔ حضرت قاضی صاحب سے خط و کتابت رہی۔ حضرت قاضی صاحب نے محترم سالک صاحب کو ادارہ الفضل میں شامل کرنے

کی حضور کی خدمت میں گذارش کی۔مگر حضور نے منظور نہ فرمائی کہ وہ ہمارے عقائد سے اس قدر واقف نہیں کہ الفضل اس کے سپرد کردی جائے۔اسی طرح ایک نظم جو آپ نے مولوی ظفرعلی خان صاحب کے جواب میں لکھی۔جس کا پہلا شعر یہ ہے۔ع

رحمت طلب الٰہ سے ہر آن کیجئے	لعنت ہزار بر سر شیطان کیجئے

اس کی ابتدامیں تجویز فرمایا:۔

''یہ چنداشعارقلم برداشتہ لکھے ہیں''(الفضل10اپریل1945ء صفحہ2)

جذبۂ تبلیغ

آپ ایک دائم المرض انسان تھے۔سفر کرنے کے قابل نہ تھے۔اس لئے تبلیغ کے لئے قادیان سے باہر نہ جاسکتے تھےاور جب ملازمت سے فارغ ہوئے توضعف پیری مائل تھا۔ابتدامیں گجرات میں بیماری کے باوجودتبلیغ کے لئے دیہات میں جاتے رہے۔مگر جب بھی موقعہ ملا۔آپ نے تبلیغ کی۔ابھی ابھی محترم سالک صاحب کوتبلیغ کا ذکر کر چکا ہوں جس کے نتیجہ میں آپ کو ہدایت نصیب ہوئی۔حضرت قاضی صاحب تحریر کرتے ہیں:۔

''چچا صاحب نے بھی توجہ دلائی تھی۔آپ بھی کہتے ہیں۔میں حضرت خلیفة المسیح کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں .... ایک گھنٹہ بعد واپس آئے۔کہا لو قاضی صاحب تعمیل ارشاد کرآیا۔بیعت بھی ہوگئی............لاہور آگئے............میں نے انہیں خط لکھا''تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو''جواب میں ایک شعر لکھا جس کا مطلب یہ تھا کہ جس جھمیلے میں پڑ گیا ہوں۔اس سے نپٹ لوں اور یوں تو میں آپ ہی کا ہوں'' (بدر5نومبر1956ء)

ایک مخالف کوآپ یوں دعوت دیتے ہیں۔بیس اشعار میں سے چند یہ ہیں:ع

سچ کہہ دوں اے مخالف گر تو برا نہ مانے	تیرے خیال اگلے سب ہو گئے پرانے
وہ دن گئے کہ عیسیٰ زندہ تھا آسمان پر	احمد کی زندگی کے گائیں گے اب ترانے

ایک دہریہ سے اپنی گفتگو کا ذکر کرتے ہیں:۔

کل مجھے اک دہریہ صاحب ملے	میں نے پوچھا کہئے حضرت خیر ہے
آپ کو کس بات پر ہے افتخار	منکر حق ہو گئے ہو کس لئے
میں نے پھر پوچھا کہ ہاں یہ تو کہو	کس طرح بیٹے ہو اپنے باپ کے
دم دبا کر بھاگتا نظر آیا	پھر نہیں آیا وہ اب تک سامنے

ایک ملاں زادہ سے تبلیغی گفتگو کا ذکر منظوم کرتے ہیں۔ چند اشعار یہ ہیں:۔

کل ملا اک ملا زادہ راہ میں	میں نے چاہا اس سے کچھ باتیں کریں
خود خدا کہتا ہے عیسیٰ مر گیا	اس جہان سے صاف رحلت کر گیا
مردے زندہ ہو کے پھر آ جائیں کیوں	جب لکھا ہے انھم لا یرجعون
حلیہ دونوں کا بتایا مختلف	تا نہ دھوکہ میں ہو کوئی منحرف

ایک پیرزادہ سے تبلیغی ملاقات کا ذکر کرتے ہیں:۔

ایک سجادہ نشین کل باغ میں	سیر کرتے میں نے دیکھا ناگہاں
سن کے سجادہ نشین نے یہ کہا	سچ کہا جو کچھ کہا اکمل میاں
ہم ہی جھوٹے ہیں وہ سچا تھا ضرور	چھوڑنی پڑتی ہیں پر شیرینیاں

ایک سکھ نے آپ پر اعتراض کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا کیا۔ تفرقہ ہی پیدا کیا۔ اس گفتگو کا ذکر کرتے ہیں:۔

اک سکھ سردار سے میں کل ملا	باتوں باتوں میں مجھے کہنے لگا
میرزا صاحب نے آ کر کیا کیا	تفرقہ کچھ اور بھی ڈلوا دیا
مسلم و سکھ میں غلط فہمی جو تھی	آپ ہی کی ذات نے وہ دور کی
سن کے میری بات آمنت کہا	کیوں نہ کہتا آدمی معقول تھا

باب ہشتم

حضرت مسیح موعود سے عشق

ما انا علیہ و اصحابی کی صفت سے متصف گروہ صحابہ کی طرح آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت میں سرشار ہیں۔ وہ اسی چشمہ سے سیراب ہوتے اور اسی کے ہو رہے۔ اس سے ان کے اندر ایک عشق پیدا ہوا۔ ایک ولولہ پیدا ہوا۔ ایک نئی زندگی پیدا ہوئی۔ ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر تھا۔ ان کے عشق کا مقابلہ کرنا آسان نہیں کیونکہ اس کے قبل ان کے عشق کا معیار مقرر کرنا ہوگا جو فہم انسان اور ادارک بشری سے بالا ہے۔ حضرت خلیفہ اول کا عشق کہ نبض کی طرح پیروی کی۔ حضرت شہزادہ صاحب کا عشق کہ سنگسار ہونا منظور کیا مگر اس نورانی وجود کا انکار نہ کر سکے۔ اکثر اپنے گھروں کا سکون چھوڑ کر قادیان میں فقیرانہ زندگی بسر کرنے لگے۔

غرض غیر بھی کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اسوہ صحابہ ہے تو قادیان میں دیکھو۔ اسی طرف قاضی صاحب نے اشارہ کیا تھا:۔ع

قادیان آ کے صحابہ سے مسیحا کے ملو	دیکھنے ہوں جو رسول عربی کے اخلاق

ان کا اخلاص اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ صحابہ کی شان سامنے لاتا تھا۔ سچ ہے: ع

مسیحا جس قدر اخلاص ہے تیرے مریدوں میں	یہ پیدا ہونا ممکن ہی نہیں ہے زر خریدوں میں

ان عظیم ہستیوں میں سے ایک ہستی حضرت قاضی اکمل صاحب کے عشق مسیح موعود کے متعلق لکھنا مقصود ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت آپ کے رگ و پا میں سرایت کر چکی تھی۔ یہی آپ کی غذا اور گردش خون تھی۔ اس سے آپ کا قلب حرکت کرتا تھا۔ یہی وہ عشق تھا جس نے آپ کے اندر ایک مومنانہ روح پیدا کر دی اور آپ دائم المرض ہونے کے باوجود وہ کام کر گئے کہ بہتوں سے بڑھ گئے۔ اس سے آپ کا سکون برقرار اور اسی سے آپ کے وجود میں زندگی کی رمق تھی۔ یہ

عشق ہوتا بھی کیوں نہ۔ جب کہ خدا نے آپ کے اندر ایک مومن کی روح اور صحابی کا اسوہ پیدا کر دیا تھا۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں: ع

مبارک وہ جو اب ایمان لایا	صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا
وہی مے ان کو ساقی نے پلا دی	فسبحان الذی اخزی الاعادی

مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری آپ کے عشق صادق کے متعلق فرماتے ہیں:۔

''آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عشاق صادقین کی صف اول میں شمار ہوتے ہیں اور آپ نے قادیان آکر ایسے ہمہ تن خدمت سلسلہ میں مصروف ہوئے کہ پھر تادم واپسیں اسی خدمت کو مقصد حیات سمجھا۔'' اس وقت آپ کے عشق و محبت کی چند مثالیں درج کرتا ہوں۔ آپ ہجرت کر کے قادیان میں آ گئے اور در حبیب پر دھونی رما بیٹھے۔ دکھ سکھ میں قادیان کو نہ چھوڑا۔ کیوں؟ مسیح پاک کا دار تھا۔ فرمایا:۔

احباب چھوڑ آیا، منہ ان سے موڑ آیا	اپنا وطن بھلایا، الفت ہے قادیان سے
عاجز ہے ناتوان ہے، اک مشت استخوان ہے	معتوب دوستاں ہے مشہور اس نشان سے
اس کی سیاہ کاری، اس کی گناہ گاری	پھر اس کی بے قراری بالکل الگ جہان سے
ہے بندۂ محبت، تکلیف میں مسرت	ذلت میں ایک عزت، پاتا ہے امتحان سے

در حبیب کی گدائی میں جو الفت پائی اس کی وجہ سے دربار سلطان ہیچ نظر آنے لگا۔ ع

جو فقیری میں مزے ہیں وہ امیری میں کہاں	میں نہ جاؤں گا کبھی دربار سلطان کی طرف

جب کسی سے محبت ہو تو اس کی نشانی ہے کہ اس کی متعلقہ چیزوں سے بھی الفت ہو۔ ورنہ جھوٹا ہے وہ دعویٔ عشق و محبت اور جھوٹی ہے وہ الفت کی کہانی۔ اس نکتہ کی ''بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے'' کے الہام سے تصدیق ہوتی ہے کہ جس سے محبت ہو اس کی چیز سے لطف حاصل ہوتا ہے۔ کہتے ہیں مجنوں لیلیٰ کی گلی کے کتے کا منہ چومتا تھا۔ کیوں کہ اس کو سچا عشق تھا۔

حضرت قاضی صاحب کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سچی محبت تھی اور سچا عشق۔اس لئے آپ کو قادیان کی خاک میں رہنا پسند تھا اور رہے بھی۔اکثر قادیان کی تعریف میں رطب اللسان رہتے۔کیوں کہ مسیح کا دیار تھا۔فرمایا:ع

سارے جہاں سے اچھا دار الاماں ہمارا	دار الاماں ہمارا جنت نشاں ہمارا
یا رب یہ آرزو ہے پوری ضرور کرنا	مسکن ہو یاں ہمارا مدفن ہو یاں ہمارا

1908ء کی سہ ماہیٔ اول میں لاہور کسی کام کے لئے آئے تھے۔مگر فرقت قادیان میں بے تاب ہو گئے اور جذبات کا اظہار یوں کرتے ہیں:ع

اب سہا جاتا نہیں اکمل فراق قادیاں	کب نظر آئے گا مجھ کو پھر رواق قادیاں
میں یہاں ہوں دل وہاں ہے تن یہاں ہے جاں وہاں	کس عبارت میں ہو ظاہر اشتیاق قادیاں
اے پرندو ایک دن کے واسطے دو پر تو دو	اڑ کے جا پہنچوں نہیں تاب فراق قادیاں

ایک اور موقعہ پر قادیان میں قیام کے عہد کی تجدید ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔ع

ہم نہیں جائیں گے ہرگز قادیاں کو چھوڑ کر	قادیاں دار الاماں جنت نشان کو چھوڑ کر
یہ وفاداری نہیں اب چھوڑ دیں اس کو یہیں	ہم نے پایا تھا جسے سارے جہاں کو چھوڑ کر

قادیان میں قیام کے متعلق خدا کے حضور میں ملتجی ہیں:۔ع

یہ در حبیب یارب ہو مرے نصیب یارب	اسی آستاں کے بوسے بہ آداب مدام لینا

جب 1947ء میں مجبوراً درحبیب سے جدا ہونا پڑا تو اس دن سے آپ کی زبان پر قادیان قادیان ہی تھا۔اس زمانہ کے کلام اکثر فراق قادیان میں ہے۔اس زمانہ کے چند اشعار پیش کرتا ہوں:۔

آتی ہیں یاد ہر دم وہ قادیاں کی گلیاں	قادیاں کی گلیاں دار الاماں کی گلیاں
اور ہو گا کوئی اکمل محو گلگشت چمن	ہم تو آنکھیں بند کر کے قادیان دیکھا کئے

عاجز اکمل کو یہ نظارہ دکھا دے یا رب	قادیان بار دگر ہم کو دکھا دے یا رب
اے قادیان جانے والی صبا پیغام میرا تو لیتی جا	آوارۂ دشت غربت کا ہے حال زبوں از حد ہی برا

وہ قادیان کی ہو ارض اقدس کہ جس میں میرا بسیرا ہو بس

یہ آرزوئے دلی ہو اکمل وہیں پہ جان میری تن سے نکلے

عشاق کا یہ شیوہ ہے کہ جس کے عاشق ہوں اس کے عشق میں دیوانہ و مستانہ ہو جائے:۔

ع میرے مسیح نے مجھے مستانہ کر دیا

آپ بھی مستانہ ہوئے اور کبھی کوئل، کبھی فاختہ اور سرخاب و کلنگ اور کبھی اجرام فلکی میں سے کسی کو پیغام شوق دیتے کہ مسیح کے حضور میں عرض کر دینا۔ خود اقرار کرتے ہیں:۔ ع

چودھویں کے چاند سے مجھ کو محبت ہوگئی	اس صدی میں جب سے تو اے ماہ رو پیدا ہوا

ایک رات چاند کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود کے عشق میں تڑپے اور اس کے ہاتھ پیغام بھیجا۔ لکھتے ہیں:۔ ''رات میں حسب معمول اپنی چار پائی پر لیٹا تھا۔ بدر نے افق مشرق سے سر نکال کر تیرگی عالم کو جھانکنا شروع کیا۔ اس وقت جو کچھ میرے قلب کی کیفیت ہوئی۔ وہ لفظوں میں نہیں آ سکتی۔ اس بدر کا چمکتا ہوا چہرہ دیکھ کر مجھے اپنا بدر آسمان نبوت یاد آ گیا اور بے اختیار میری زبان سے نکلا ع

چاند کو اب دیکھ کر میں سخت بیکل ہوگی	کیونکہ کچھ کچھ ہے نشان اس میں جمال یار کا

ایک فرقت زدہ ایسی حالت میں مجبور ہو جاتا ہے۔ اس بات پر کہ اس کا جوش شعروں کی صورتوں مین نکل جائے۔ میں نے چاند ہی کو مخاطب کیا اور اس قدیمی مگر نئے ہرکارے کے ذریعہ یہ سلام بھیجا..........خود حاضر ہو کر پہنچانا تھا۔ ع

اے چاند تیری چاندسی صورت عجیب ہے	یاد آتا تجھ کو دیکھ کے وجہ الحبیب ہے

اس طرح روشن سیارے کو دیکھ اکمل عاشق زار سے نہ رہا گیا اور اپنے محبوب کا حال پوچھ لیا۔ لکھتے ہیں۔ ''چار بجے سے کچھ پہلے میری آنکھ کھلی۔ تو یک دم میری نظر اس روشن سیارے کی طرف

پڑی جو آج کل افق مشرق پر عروس فلک کی زینت بن رہا ہے۔ بارش ہو چکی تھی۔ مطلع صاف تھا۔ اس لئے اس کا نکھرا ہوا رنگ کچھ عجیب دلآویز تھا۔ آشفتہ مزاج اکمل کا دل بے اختیار ہو گیا۔ اس وقت شاعرانہ ترنگ میں جو کچھ کہہ گیا وہ یہ ہے۔ ایسی حالت میں جو کچھ کہہ جاؤں۔ اس کی اصلاح نہیں کیا کرتا۔ ع

الماس کا یہ ٹکڑا کیسا چمک رہا ہے	ماتھے پر آسمان کے جھومر لٹک رہا ہے
میں خوب جانتا ہوں جس کا پیام بر ہے	جس مہربان کی خاطر بیداریٔ سحر ہے
میرا بھی ایک صادق رہتا ہے آسمان پر	قربان میری جاں ہو اس پیارے دلستاں پر
جو نور ہے خدا کا جو طُور ہے خدا کا	فرزند مصطفیٰ کا ہادی رہ ہدیٰ کا
میرے عزیز تارے اس کی خبر سنانا	اس نیر جہاں کے حالات کچھ بتانا
زہرہ! پیارے زہرہ! یہ لمبی داستاں ہے	اور اس طرف کو ہو لے وہ ہو رہی اذاں ہے

عشق ہو تو ایسا ہو۔ آفتاب کو دیکھ اپنا آفتاب یاد آئے۔ اور اس تڑپ میں پیغام ہو جائے۔ اس عشق میں تو اکمل ہی سچے نکلے۔ فرماتے ہیں: ''نماز پڑھ کے چھت پر چار پائی بچھائے مشرق کی طرف منہ کئے بیٹھا تھا۔ نسیم صبحدم کے جھونکوں نے میرے دماغ پر ایک خاص کیفیت طاری کر دی خیالات میں تموج شروع ہوا۔ میں نہیں جانتا تھا۔ یہ روکس طرف جانے والی ہے کہ یکا یک خورشید خاوری نے دریچہ مشرق سے اپنا منہ باہر نکالا۔ اس نظارہ نے بیتاب ہی کر دیا۔ سند عشق پر ایک اور تازیانہ ہوا۔ پھر اس وقت جو کچھ میں نے اپنے برق زا قلب سے کرنوں کی تار میں مسیح کے مزار پر پیغام بھیجا وہ ناظرین کی آگائی کے لئے چھپواتا ہوں۔ ع

اےآفتاب! صبح سے تیرا تھا انتظار	تو ہے رخ حبیب کی ادنیٰ سی یادگار
حیران ہوں میں صورت زیبا کو دیکھ کر	تجھ میں کسی کا چہرہ مجھے آتا ہے نظر
اے آفتاب! میرا بھی ایک آفتاب تھا	وہ تیرے دیکھنے سے مجھے یاد آ گیا

وہ بھی تھا نور، نور سمٰوات و ارض کا	کافور جس نے ظلمت شیطان کو کر دیا
جانم نثار کوچہ آل مسیح باد	خاکم غبار چشم عدوئے قبیح باد

اس طرح فرماتے ہیں: ''عرصہ ہوا میں نے بھی کوئی شعر نہیں لکھا۔ میرا خیال تھا کہ اچھا ہوا کہ یہ سودا میرے سر سے نکل گیا۔ لیکن جب میں گھر آیا اور آج صبح ایک ابر کو ہوا کے گھوڑوں پر سوار دیکھا تو دل مشتاق دیوانہ وار اس کی طرف دوڑا اور خیالات کے ذریعہ پیغام دیا۔ ع

ابر کے ٹکڑے کہاں جاتا ہے تو	مجھ پر اک احسان فرماتا ہے تو؟
میں نے اک پیغام دینا ہے تجھے	آخر ملنا ہے جو لینا ہے تجھے
ہے بٹالہ سے پرے ان کا مقام	قادیان۔ دار الامان۔ دار السلام
میرے مہدی کا وہیں مرقد ہوا	جس پہ فضل ذو المنن بے حدا ہوا
جس کے وصفوں کا نہیں ممکن بیان	گرچہ ہو ہر موئے تن میرا زبان!
اس لئے میں دے کے تھوڑا سا نشان	اپنے درد دل کا کرتا ہوں بیان
کہنا جا کر ابر کے ٹکڑے! ضرور	آپ کا خادم وہی مخلص ''ظہور''
جو نہیں رکھتا کوئی حسن عمل	ما سوائے الفت آن بے بدل
بس اس دل والا کہتا ہے سلام	اور اس کے بعد دیتا ہے پیام
جلد پاس اپنے بلا لیجو شہا	جلوہ ہی اپنا دکھا دیجو شہا
جا ہو کے گھوڑوں پر ہو کر سوار	سامنے جب آ گیا تیرے مزار
میرے آنسو بن کر اس پر تو برس	دل میں رہ جائے نہ باقی کچھ ....

دمدار سیارہ سے الفت کی باتیں کرتے ہوئے اسے کہتے ہیں کہ تمہاری آرزو یہی ہے نا۔ بس یہی ہے کہ اس نور میں چلی جاؤں میں۔ ایسا مل جاؤں کہ مل کر نہ کبھی آؤں میں اگر تمہاری یہ خواہش ہے تو میں بھی ایک روئے پر انوار ایک ایک مہر ضیا بار کا شیدائی ہوں۔ میری بھی یہی تمنا ہے کہ

مثل پروانہ اس رخ پہ فدا ہو جاؤں	اپنی ہستی کو مٹا کر میں فنا ہو جاؤں

آہ! عشق تو بہانہ جو ہے۔ ذرا موقعہ ملا۔ دو چار باتیں کر لیں۔ کوئی ملا۔ پیغام دے دیا۔ انسان ہو یا حیوان عشق کی سرمستی امتیاز کا موقعہ کب دیتی ہے۔ حضرت اکمل فرق مسیح موعودؑ میں تڑپ رہے تھے کہ کوئل آ نکلی۔ دونو فراق یار میں آہ وزاری کرنے والے مل بیٹھے۔ دکھ درد سنایا۔ آخر حضرت اکمل کوئل کی منت کرتے ہیں۔ اے روح وروان اکمل ہے تجھ میں جان اکمل۔ بن جا زبان اکمل۔ اس طرز دلستاں سے میری ترجمان رہ کر میری حالت زار کا اظہار کردو۔

وہ بھی ہوا مسافر اک مہربان کی خاطر	گھر بار چھوڑ بیٹھا، ہے دور خانماں سے
اے جنگلوں میں پھر کر، ہر ہر قدم پہ گر کر	ڈھونڈے گا اپنا دلبر، وہ چشم خونفشاں سے

آخر میں دعوت زاری دیتے ہوئے کہتے ہیں:۔

کوئل او پیاری کوئل! آمل کے دونو روئیں	داغ فراق دلبر، اشکوں سے اپنی دھوئیں

عاشق تو دردمند دل کا متلاشی ہوتا۔ جب ملا۔ محبوب کے درد سے زاریاں شروع ہوئیں۔ حضرت اکمل فرقت حبیب میں تڑپ رہے تھے کہ سرخاب نظر پڑا۔ دعوت آہ وزاری دی۔

سرخاب جانتا ہوں تیری بے قراریاں	چلتی ہیں تیرے دل پہ میری طرح آریاں
تو بھی جدا حبیب سے میں بھی جدا ہوں	آ بیٹھ دونوں مل کے کریں آہ زاریاں

واہ رے مجبوریٔ عشق۔ تیری دنیا جدا ہے۔ تیرا عالم نرالا۔ تو نے امتیاز انس وجن نہ چھوڑا۔ فرقت حبیب میں حیوان کو غمگسار انسان بنا دیا۔ اس حقیقت کو کیوں نہ ہم مانیں۔ جب آشفتہ مزاج اکمل کی داستان عشق حبیب ہم سن چکے۔ کلنگوں کی ڈار سے اکمل بحال زار کی گفتگو یاد ہے۔ قصہ ترک وطن اور تلاش محبوب میں سرگردانی یاد ہے۔ اور وہ پیغام بھی یاد ہے جو محبوب سے اظہار الفت کے بعد دیا۔

لوح دل سادہ تھی اللہ کی قسم	ہو گیا نقش محبت مرتسم

جاؤ اُو پیارے کلنگو جاؤ تم	مجھ پہ اک احسان یہ فرماؤ تم
جب مزار میرزا پر ہو گزر	اس زمانے میں جو ہے خیر البشر
واہ ادب کے واسطے جانا اتر	بیٹھنا پھر بند کر کے اپنے پر
اپنی منقاروں میں لے جانا سلام	اور پہنچانا بہ اخلاص تمام
عرض کر دینا کہ اکمل جان نثار	آج کل ہے سخت مضطر بے قرار
اکمل اندوھگین جلد آئے گا	اپنی ہستی نذر جاناں لائے گا
پیش کر دے گا بہ صد شوق و شغف	گر قبول افتد زہے عز و شرف

یہ ہے اس عاشق مسیح موعود علیہ السلام کے عشق کی ایک جھلک جس میں وہ اپنے درد کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ درد لازم تھا۔ جب عشق صادق ہو تو یہی حال ہوتا ہے۔ اور لب پر نام رہتا ہے۔ کہا خوب فرمایا:

غلام احمد زبان پر میری رہتا ہے	جو ہو کر مظہر احسان وحسن کردگار آیا
یہی دلدار ہے میرا اس سے پیار ہے میرا	کہ جس کا نام لینے سے مجھے صبر وقرار آیا

جب بھی 26 مئی کا دن آیا۔ آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ سارا دن فرقت محبوب میں رطب اللسان رہتے اور آنکھیں اشکبار۔ اس فرقت کی بے قراری میں اظہار جدائی کی دو مثالیں درج ہیں۔ ع

آج پھر چھبیس مئی کی یاد نے تڑپا دیا	داغ حسرت سینہ مجروح مین چمکا دیا
آتش ہجرت کو شعلہ زن کیا بھڑکا دیا	جسم کو بے چین کر کے روح کو تڑپا دیا
پھر گئی تصویر آنکھوں میں زمان پاک کی	اور تصور نے مجھے دربار میں پہنچا دیا
اکمل اندوھگین کو ہو چکے بتیس سال	حاضری کا صبح وشام اس کو شرف مولیٰ دیا

26 مئی 1941ء کو فرماتے ہیں بلبل

زار کو پھر رنگ چمن یاد آیا	یعنی اکمل کو مسیحائے زمن یاد آیا
آہ! ہلکا سا تبسم کہ ضیا میں جس کی	مجھے نظارہ گلزار سمن یاد آیا
ہائے اس یاد سے اس بے تاب دل مضطر ہے	گویا اک بارہ مسیحا ب دل مضطر ہے

اس کے علاوہ بے شمار نظموں میں اپنے عشق کا اظہار کیا ہے طوالت کے خوف سے پہلوتہی کر رہا ہوں۔آپ کے عشق مسیح کا بڑا ثبوت آپ کا صبح ومساء بہشتی مقبرہ جا کر مزار اقدس پر دعا کرنا ہے جس سے بھی قاضی صاحب کا ذکر کروہ آپ کی اس امتیازی جذبہ عشق کی نشاندہی کرتا ہے۔خود فرماتے ہیں۔

سال ہے چوتنیسواں ہر روز حاضر ہوتا ہوں	یاد کر کر کے وہ عہد خوشتریں، میں روتا ہوں

تقسیم ملک کے بعد جب 26 مئی کو آپ مزار پر نہ جاسکے تو کتنی حسرت کا اظہار فرمایا۔

مزار پاک پر چھبیس سے حاضر نہ ہوسکنا	یہ تقدیر خداوندی کٹھن محسوس ہوتی ہے

آپ کی کتب آپ کے مضامین اور منظوم کلام کے مطالعہ سے یہ صداقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مسیح ہے۔ ع

پہلی بعثت میں نبی کا مدح گو حسان تھا	دوسری میں کہتے ہیں اکمل کہ تو پیدا ہوا

آپ کے عشق مسیح موعود کے متعلق حضرت مولانا ابوالعطاء خالد احمدیت فرماتے ہیں:۔

''حضرت مسیح موعود کی محبت نہایت والہانہ انداز میں ذکر کیا کرتے تھے۔ان کے سرہانے کی طرف دیوار پر حضرت مسیح موعود کا ایک دستی فوٹو نہایت خوبصورت آویزاں تھا۔ہم لوگ جب بنچوں یا کرسیوں پر بیٹھے تو ہماری نگاہیں بسا اوقات اس فوٹو پر پڑھتی تھیں۔میں نے اپنی ابتدائی طالب علمی کی عمر میں یہ محسوس کیا کہ اس فوٹو کے بارے میں میرے دل میں خاص محبت پیدا ہو رہی ہے۔حتیٰ کہ جب میں اٹھ کر وہاں سے باہر آنے لگتا تو میری کوشش ہوتی کہ میری پیٹھ فوٹو کی طرف نہ ہو۔ مجھے خیال آیا کہ یہ صورت تو درست معلوم نہیں ہوتی۔میں حضرت مسیح موعود کی کتب کا مطالعہ کیا کرتا

تھاان دنوں براہین احمدیہ حصہ پنجم پڑھی۔اس میں حضرت مسیح موعود نے اپنی فوٹو کے متعلق جماعت کو ہدایات دی ہیں۔اوراسے اس طرح درودیوار پرآویزاں کرناممنوع قراردیا ہے۔ اس حوالہ کو پڑھ کرمیرے دل کے اندر کامل صفائی پیدا ہوگئی اوروہ تصور جاتا رہا جس سے مجھے خطرہ تھا۔عبارت لےکرحضرت قاضی صاحب کے پاس پہنچا ان کو دکھائی۔اورکہا کہ آپ کوعمل اس کے مطابق ہونا چاہئے۔حضرت قاضی صاحب نے یہ کہہ کربات ٹال دی کہ یہ عشق کی باتیں ہیں۔آپ ابھی باتوں کو رہنے دیں۔کافی عرصہ کے بعد وہ تصویر وہاں موجود نہ تھی''۔(ازمضمون غیرمطبوعہ)

آپ عشق صادق یہ منظور نہ ہوسکا کہ مخالف حضرت مسیح موعود کے متعلق سخت الفاظ استعمال کریں۔مگر تعلیم مسیح'' گالیاں سن کردعادو''اورارشاد مصلح موعود کی وجہ سے قلم نہ اٹھاسکتے تھے۔آخر تنگ آکران سے اپیل کرتے ہیں۔

''جب وہ ستمبر کا''ستارہ صبح نکلااور جماعت احمدیہ برفروختہ ہوئی..........اس میں بہت گالیاں تھیں۔تواس حالت کا اندازہ کرتے ہوئےحضور نے مجھے تاردیا کہ اپنے قلم کو کچھ لکھنے سے روکو...... تعمیل میرا فرض تھا۔ورنہ خدا جانے قلم سے کیا کچھ نکلتا۔پھرظفرعلی خان صاحب بھی دیکھ لیتے کہ جماعت احمدیہ میں اہل قلم ہیں..........بجائے ہمارے مسیح وہادی کے ہمیں پیٹ بھرکر جوکہنا چاہیں کہہ لیں۔ہمارے محبت بھرے ہوئے دل اوراپنے ہادی کے احسانات سے جھکی ہوئی گردنیں حاضرہیں۔آپ مشق ناز نہ کریں۔لیکن خدارا ہمارے امام مقدس امام کوبرا نہ کہیں.......... یہ امر ہمارے لئے ایسا تکلیف دہ ہے کہ آپ شاید اس کا اندازہ کسی صورت میں نہیں لگاسکتے۔''(الفضل 16اکتوبر1917ء)

آپ کی طبیعت نرم اورصلح جوتھی کبھی کسی سے تلخ گفتگو نہ کی۔مگر جوحضرت مسیح موعود کےخلاف کچھ کہنا یاسلسلہ کے خلاف بولنا۔آپ کی طبیعت اس سے انتہائی طور پرمتنفر ہوجاتی۔

1965ء میں جب برادرم صفی الرحمان صاحب خورشید قادیان دارالامان جانے لگے۔تو

خاکسار کے ساتھ حضرت قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کی کہ صفی قادیان جا رہا ہے.................. اتنا کہنا تھا کہ آپ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ اس کا اثر ہم پر بھی ہوا۔ اور یاد مسیح موعود نے تڑپا دیا۔ حضرت قاضی صاحب تھوڑی دیر کے بعد پرنم آنکھیں اور رندھے ہوئے گلے سے یوں گویا ہوئے بڑی مشکل سے الفاظ ادا کئے۔

''مزار مسیح موعود پر جانا دعا کرنا اور عرض کرنا کہ اپنے........................ بلا لو''

اس کے ایک سال بعد آپ کا انتقال ہوا۔ اس طرح آپ کے عشق صادق پر مہر تصدیق ثبت ہوئی۔ عاشق کے جذبہ کو احاطہ تحریر میں لانا بڑے بڑے اہل قلم حضرات کے بس کا روگ نہیں اور کہاں ایک مبتدی۔ سفر آخرہ کے زادِ راہ کی کس کو فکر نہیں۔ ہر اہل ایمان کو یہ فکر دامنگیر ہے۔ حضرت اکمل نے بھی زادِ راہ لیا۔ اور وہ تھا ''حب میرزا'' خود فرماتے ہیں۔ ع

حشر کے دن پرسش اعمال پر میرا جواب	بس یہی ہوگا کہ حب میرزا رکھتا ہوں میں

افسوس اس مصرعہ پر اس مطول کو مختصر کرنے پر مجبور ہوں۔ ورنہ

''سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے''	''عجب تھا عشق اس دل میں محبت ہو تو ایسی ہو''

باب نہم

آپ کے اخلاق جلیلہ

’’خدا سے زندہ تعلق:‘‘

آپ بچپن میں بیمار ہوئے۔ اس مرض نے اپنا اثر چھوڑا اور آپ دائم المرض وجود بن گئے جس کی وجہ سے آپ کما حقہ عبادت نہ کر سکتے تھے۔ جس کا اظہار انتہائی تاسف کے رنگ میں آپ نے مثنویوں میں کیا ہے۔ اس کے بعد صحافی زندگی اختیار کر لی۔ اس لئے آپ کی زندگی میں ہمیں عبادت کی کثرت نظر نہیں آتی۔ فرائض تک محدود نظر آتے ہیں۔ مگر آپ کا ’’دست درکار دل بایار‘‘ والا معاملہ تھا۔ ذکر الٰہی کثرت سے کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔ ع

تعلق اپنا ہے تو ذو العرش سے ہوا کیا قائم	زمین پر ہیں مگر آسمان میں رہتے ہیں

آپ مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی آپ پر ایسا فضل تھا کہ آپ کی دعائیں بہت جلد قبول کر لیتا۔ خاکسار کو اس کا ذاتی تجربہ ہے جب بھی آپ کو دعا کے لئے کہا تو اس کا جواب دوسرے دن یا چند روز بعد ملا۔ اور الحمد للہ ویسا ہی پایا۔ مثلاً برادرم ماسٹر محمد اعظم صاحب کی شفاء کے ئے دعا کی درخواست کی۔ تو کچھ تامل کے بعد بنا دیا کہ اب علاج بے سود ہے۔ علاج سے اس کو دکھ ہی ہوگا۔ آرام ناممکن ہے۔ اس کے بعد برادرم ایک ماہ لاہور زیر علاج رہے۔ مگر افاقہ نہ ہوا۔ اور ایک ماہ کے بعد انہوں نے فارغ کر دیا۔ اور چند روز کے بعد آپ اللہ کو پیارے ہوئے۔

ایک موقعہ پر بے تکلفی میں نادانستہ بے ادبی کر بیٹھا۔ جس پر آپ کو خاکسار کے متعلق ایک منذر الہام ہوا۔ چند دنوں کے بعد جب دوسری بار غلطی ہوئی۔ تو مجھے پہلی بے ادبی کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ میں نے برا نہیں منایا لیکن خدا کو یہ بات بری لگی ہے۔ لہٰذا یہ منذر خبر ہے۔ سن کر برا حال ہو

گیا۔توبہ استغفار کے علاوہ قاضی صاحب سے بھی درخواست دعا کرتا رہا۔آخر تیسرے چوتھے دن برات کی خوشخبری کا حضرت قاضی صاحب نے سنائی۔تو جان میں جان آئی۔الحمدللہ خاکسار نے جس امر میں آپ سے درخواست دعا کی۔اس میں تائیدایزدی پائی۔

تعزیت ناموں میں کثرت سے احباب نے آپ کے خدا سے زندہ تعلق لکھا ہے۔ع

اس میں زندگی میری یہی ہے بندگی میری	محمد مصطفیٰ پر جان ہو قربان اکمل کی

فدائیت سلسلہ

آپ سلسلہ کے ایک فدائی رکن تھے۔آپ کی فدائیت کا یہ عالم کہ دائم المرض وجود سے ہاتھ میں قلم لئے معاندین کے لشکر جرار کے سامنے ساری عمر سینہ سپر رہے۔آپ کی زندگی کا مقصد صرف یہ تھا کہ کچھ تو خدمت دین کرلوں۔اس تڑپ میں آپ نے ہمیشہ ہی اپنی طاقت سے زیادہ کام کیا۔ دین کو دنیا پر مقدم کیا۔سلسلہ کے کاموں میں اگر حرج وخوف ہوتا۔تو آپ عزیز و اقارب پر اس کو مقدم رکھتے۔حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے زمانہ مبارک میں آپ کے چھوٹے بھائی (آپ صرف دو بھائی تھے) سخت بیمار ہو گئے۔آخری زمانہ مخالفت کا زور کام کی بھرمار کتب کی چھپوائی کا زور (اس زمانہ میں حقیقۃ الوحی چھپ رہی تھی) اس وقت آپ کو گاؤں سے خط آیا۔اس کا ایک حصہ نقل کرتا ہوں۔''یکم مئی نوجوان نور نے جو کچھ اٹھ اٹھ کر باہر نکلنے کے حیلے کئے ہیں۔ہم مصیبت زدوں غم کے ماروں سے اتنا نوجوان تھما نہیں رہ سکتا۔ایک ایک منٹ کے بعد نیچے گر پڑتا ہے۔آنکھیں خوفناک نکالتا ہے۔دل سخت دہل رہے ہیں۔امید موقوف ہے۔بھائی کو دیکھنا ہے تو ایک رات آ جاؤ''(الحکم 17 جون 1907ء صفحہ 10)

سخت تکلیف ہو اور بھائی بھی ایک ہو۔والد صاحب خط لکھیں۔آخری ملاقات کے لئے کہیں اور بھائی بھی بہت پیارا ہو۔اس وقت کس انسان کے جذبات الفت مشتمل نہیں ہوتے۔مگر ان جذبات کو قابو کرنا اسی انسان کا کام ہے۔جو اپنا سب کچھ سلسلہ کو دے چکا ہو۔اس کا اپنا کچھ نہ ہو۔

اور یہ عہد کر چکا ہوں کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔آپ نے دونو کا جائزہ لیا۔ بھائی کو بیماری اور زندگی سے ناامید ایک طرف اور سلسلہ کے کام ایک طرف آپ زیادہ تدبر اور کشمکش میں نہ پڑے اور سلسلہ کو مقدم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔آپ نے حضرت مسیح موعود کی خدمت اقدس میں درخواست دعا کی اور خود دعا میں لگ گئے۔اللہ نے اپنے بندوں کی سن لی اور آپ کے بھائی کو شفاء دی۔

آپ کو قریب سے دیکھنے والا اور آپ کی دور سے زندگی کا مطالعہ کرنے والا یہ کہنے پر مجبور ہے کہ آپ سلسلہ سے عاشقانہ اور فدایانہ تعلق رکھتے تھے۔آپ نے ہمیشہ ہی دین کو مقدم رکھا۔اپنی کمزوری اور صحت کو اس میں حائل نہ ہونے دیا۔

حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب خالد احمدیت فرماتے ہیں:''قاضی صاحب کی طبیعت سلسلہ کے ساتھ عاشقانہ رنگ رکھتی تھی۔ یہاں انہیں محسوس ہوتا کہ کوئی شخص سلسلہ کے خلاف بات کرتا ہے۔ یا اس کا رویہ سلسلہ کے خلاف ہے۔انہیں اس سے نفرت ہوجاتی تھی ....حضرت قاضی صاحب ایک نہایت عملی اور روحانی وجود تھے۔ اور ان کے دبلے اور نحیف جسم میں نہایت فعال روح موجود تھی۔ وہ سلسلہ کے ساتھ فدائیت کا رنگ رکھتے تھے۔سلسلہ کی تاریخ کی حفاظت کرنا وہ اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ پرانے صحابی ہونے کی وجہ سے اور قادیان میں مستقل رہائش رکھنے کے باعث ان کا یہ حق بھی تھا۔ان کی وفات ایک جماعتی صدمہ ہے۔ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا۔آج کئی سال گزرنے کے باوجود ہم اسے شدت سے محسوس کررہے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔آمین (ازمضمون غیر مطبوعہ)

مکرمی مولوی محمد صدیق امرتسری صاحب فرماتے ہیں: آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عشاق صادقین کے صف اول میں شمار ہوتے ہیں۔اور آپ نے قادیان آکر ایسے ہمہ تن خدمت سلسلہ میں مصروف ہوئے کہ پھر تادم واپسی اسی خدمت کو مقصد حیات سمجھا۔ (ایضاً)

مکرمی نسیم سیفی صاحب سابق رئیس التبلیغ نائیجیریا فرماتے ہیں: محترم قاضی صاحب مرحوم و

مغفور کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک لمبا عرصہ اشاعتی اداروں کے ذریعہ خدمت دین کا موقعہ ملا۔ آپ نہ صرف نثر نگار تھے بلکہ بہت پرگو شاعر بھی تھے۔'' (ایضاً)

غرض آپ نے سلسلہ کی فدائیت میں ساری عمر اس کی خدمت میں گذار دی۔ آپ کے اسی جذبہ کے تحت نوجوانانِ احمدیت کو ادبی تربیت دی کہ سلسلہ میں ہر زمانہ میں اہل قلم فدائی پیدا ہوتے رہے۔ یہ سعادت آپ کو ہی حاصل ہے۔ صحابہ میں سب سے پہلا وجود آپ کا ہے جنہوں نے یہ خدمت سلسلہ سر انجام دی۔ آپ کی زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دل و جان سے سلسلہ کے ہو چکے تھے۔ اس موقعہ پر آپ کا یہ شعر یاد آیا۔ ع

جو میرا تھا وہ اگر سارا ہی ان کا نہ ہوا	کلمہ پڑھنے میں واللہ میں سچا نہ ہوا

اور معتقدات سلسلہ کو اولاد و جائداد سے مقدم رکھتے۔ ایک موقعہ پر فرماتے ہیں۔

''ہاں پہلو میں بھی دل ہے۔ اور ان دلوں میں احساس ہے۔ ہمیں بھی اپنے معتقدات مال و جان سے پیارے ہیں۔ یہ دعویٰ ہمارا زبانی نہیں ہمارا عمل اس پر گواہ ہے۔'' (الفضل 16 اکتوبر 1917ء)

آپ کی وفات پر کہے گئے دو شعر آپ کے اس عمل کو واضح کرتے ہیں

.... تختہ چوبی پہ بیٹھا عمر بھر	جو جہاد بالقلم کرتا رہا
لامحالہ ہے شہید قوم و دین	صدقہ جس نے زندگانی کا دیا

(فیروز)

آپ کی واقعات زندگی نے ثابت کر دیا کہ آپ اپنے نصب العین میں صادق ہیں۔ جو ابتداء میں ہی آپ نے معین و مقرر کیا۔ اس کا اظہار فرماتے ہیں۔ ع

اکمل تجھے ہی دولت جاوید کی طلب	کر اختیار دین کی خدمت کی زندگی

غیرت ایمانی

غیرت ایمان کالازمہ ہے۔یہی وہ سب سے بڑا ثبوت ہے۔جو ایمان کو ثابت کرتا ہے۔مذہبی غیرت مومن کی فطرت ہے۔اس کے علاوہ اس دعویٰ ایمان تشنہ ہے۔قرآن کریم اشداء علی الکفار میں صحابہ کی غیرت ایمان کا ردعمل بیان کیا گیا ہے کہ وہ برداشت ہی نہیں کر سکتے کہ ان کے دین پر طعن و تشنیع کی جائے۔استہزاء کو پر صبر نہیں کر سکتے۔اس وقت ان کی پکڑ معاندین پر سخت ہوتی ہے۔جیسا کہ حضرت قاضی صاحب تحریر کرتے ہیں۔

''پھر ظفر علی خان صاحب بھی دیکھ لیتے کہ جماعت احمدیہ میں بھی اہل قلم ہیں''

حضرت قاضی صاحب فرماتے خود ہیں۔ع

اے ہم سے سن لے بات جو پہلے سنی نہیں	غیرت نہیں ہے تجھ میں تو ایمان بھی نہیں

حضرت قاضی اکمل صاحب میں یہ صفت بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔آپ سے بات کرنا گوارا نہ کرتے جو سلسلہ کے خلاف ہوتا۔اس سے متنفر ہو جاتے۔اگرچہ وہ کتنا ہی پیارا ہوتا۔اس سے قطع تعلق کر لیتے۔

1922ء میں اپنے خاص حلقہ احباب کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ع

مجھے خدا کی قسم ہے سن لے اے میرے دلدار	کہ تم سے بڑھ کر نہیں ہے کسی سے میرا پیار
تمہیں وہ ہو کہ حد جس سے ہو نہیں سکتا	تمہیں وہ لعل ہو جس کو میں کھو نہیں سکتا
مگر یہ بات بھی سن لو جو صاف کہتا ہوں	کہ میں دیار مسیح الزمان میں رہتا ہوں
اگرچہ تم سے مجھے انس ہے، محبت ہے	مگر یہ دین کے مقابل میں بے حقیقت ہے

اگر کبھی ایسا وقت آیا کہ ایک طرف دین اور دوسری طرف دنیا تو دین کو مقدم کیا۔

تو دین کو میں مقدم کروں گا یاد ہے	اس پر زندہ رہوں گا مروں گا یاد ہے
تمہاری کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھنے کا	تعلقات کو میں منقطع ہی کر لوں گا
تمہاری قدر میرے دل میں کچھ نہیں ہو گی	نہ آستان ہی ہو گا نہ آستین ہو گی

ہر ایک بدلے تمہیں بدترین میں جانوں گا	خوشامدیں کرو صدہا، کبھی نہ مانوں گا
کہ احمدی ہوں مسیح محمدی کا غلام	ظہور دین محمد کا خواستگار مدام

اس سے آپ کے جذبات کی صحیح عکاسی ہوتی ہے کہ دنیا کو تو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے۔ جب بھی دین کا معاملہ اس پر لات ماردی۔ اور اپنے پیارے مسیح کا دامن نہ چھوڑا بلکہ یہی آرزو رہی۔ ع

اک جھونپڑا بنا لوں بستان احمدی میں	کچھ نیکیاں کما لوں دنیا کی زندگی میں
چھوٹے نہ شہر تیرا، ٹوٹے نہ عہد میرا	یا رب یہیں ہو ڈیرا، تنگی تونگری میں
اس جھونپڑے میں آؤں مہدی کے گیت گاؤں	اکمل کبھی نہ جاؤں لاہوری پارٹی میں

اہل پیغام میں اکثر آپ کے قریبی دوست تھے۔ جب انہوں نے حضرت مصلح موعود مرفوع الی اللہ کو چھوڑا۔ تو آپ نے بھی ان کو چھوڑ دیا۔ ان کو راہ ہدایت پر لانے کے لئے دعائیں کیں۔ اور قلم ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ محفوظ الحق علمی اور مہر محمد شہاب آپ کے پاس کام کرتے تھے۔ مگر جب ان کے دماغوں میں بہائیت سما گئی تو آپ نے ان سے تعلق توڑ لیا۔ اور جب بھی انہوں نے سلسلہ کے متعلق کچھ لکھا۔ سب سے پہلے آپ نے جواب دیا۔ ایسا دندان شکن جواب کے کچھ عرصہ ہوش اڑا رہے۔

اہل پیغام سے متعدد ملاقاتوں سے معلوم ہوا کہ انہوں نے کافی کوشش کی کہ آپ کو کھینچ لیں۔ ظالم یہ سمجھتے تھے کہ محمود کا ایاز آپ ہیں۔ اور آپ نے ہی حضرت محمود کو عقائد پر پختہ کیا۔ حالانکہ آپ کلام میں شاگرد نظر آتے ہیں۔ ع

آپ کو دولت عرفان سے ہے بہرہ وافی	مجھ سے نادار کو کچھ دے کے دعا لو آقا

مولوی ظفر علی خان صاحب ایک ہی موضوع ''مخالفت احمدیت'' تھا آپ اس کے مقابل سینہ سپر رہے۔ نظم ونثر میں ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ایک موقعہ پر اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق سخت الفاظ استعمال کئے۔ تو غیر مومنانہ جوش میں آئی۔ جواب میں تحریر کیا۔

''جس کے پانچ لاکھ جان نثار اس وقت زندہ ہیں۔ جو یہ گوارا کر سکتے ہیں کہ انکے سامنے آپ

ان کا مال لوٹ لیں۔ان کی اولاد کو ذبح کر دیں۔خودان کو پھانسی پر چڑھا دیں۔آگ سے خندقیں بھر کر وہی کچھ کریں جو اصحاب الاخدود نے کیا۔مگر یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کے مسیحا ان کے مرشد واقتداء کو آپ گالیاں دیں استہزاء کریں۔ناواجب کلمات کہیں۔

(الفضل 16 اکتوبر 1917ء)

جب شاہ کابل نے علماء کے خوف سے حضرت مولوی نعمت اللہ خان صاحب کو شہید کروایا۔اس وقت آپ نے الگ مضمون لکھا۔جس میں شاہ کو متنبہ کیا کہ ظلم کی حکومت چند روزہ ہوتی ہے کیوں تباہی کے گڑھے میں گرتے ہو۔اور مولوی صاحب کو مخاطب کر کے اپنے جذبات کا ان الفاظ میں اظہار کیا۔زندہ باشید اے مردان صدق وصفاء قدسیوں نے آسمان پر تمہیں مرحبا کہا۔اور ہماری روحوں کا ذرہ ذرہ تمہارے ثبات واستقلال پر آفرین کہہ رہا ہے۔اے شہیدان وفا کابل کی سنگلاخ زمین میں تمہاری یہ لالہ بیزی ضرور رنگ لائے گی۔......................مشرق وغرب کے رہنے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ احمدی جماعت کا بچہ بچہ اس امتحان میں ثابت قدم نکلے گا اور بڑے شوق واخلاص سے اس شاہراہ صداقت پر چلنے کو تیار ہیں۔جس پر اصحاب صدق وصفا گام فرسا چلے آئے۔''اس جذبہ شہادت کا اظہار کرنے کے بعد شاہ کابل کو مخاطب کیا کہ ہمیں دکھ صرف اس سے ہے کہ اسلام بدنام ہو رہا ہے۔

''رنج ہے تو اس بات کا کہ حکومت کابل کی ان حرکات سے اسلام بدنام ہو رہا ہے۔غیر قوموں میں نفرت بڑھ رہی ہے۔وہ اسلام کو ایک وحشیانہ اور حریت کش سمجھیں گی۔اور اس طرح پر ان کے قلوب اسلام کی قبولیت کے لئے تیار نہ ہوں گے۔'' (الفضل 21 فروری 1925ء)

کس قدر غیور اور باوفا تھا۔وہ وجود جیسے اکمل کے نام سے یاد کرتے ہیں۔جس کے دل میں اسلام کا درد، غیرت ایمانی کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔اس مضمون سے یہ تاثر دیا کہ ہماری مسیح موعود کے احسان نے جھکی ہوئی گردنیں حاضر ہیں۔تم مشق ناز کرو۔ہم تو اس راہ میں جان دینے کے لئے

تڑپ رہے ہیں۔ ہماری سعادت مندی اس میں ہے۔ جب اسلام کی دلیل یہی ہے۔ ہم تو آرزو مند ہیں کہ ہماری اولاد کا ہمارے سامنے قیمہ کردیں۔ مال لوٹ لیں۔ ہمارے جسم کے پرخچے اڑادیں۔ ہمیں آگ میں پھینک دیں۔ سنگسار کردیں۔ تپتی ریت دھکتے کوئلوں پر گھسیٹیں۔ ہم اف نہ کریں گے مگر ہماری غیرت یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے معتقدات کا مذاق اڑایا جائے۔ ہمارے محبوب آقا کو برا بھلا کہا جائے۔ اس کا تعلق کسی بھی اسلام سے ہو اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو کہ غیر مسلم اسلام سے متنفر ہو جائیں۔ ہمارا کام اسلام کی طرف لانا ہے۔ اس میں ہماری سرخروی ہے۔ اور یہی ہماری زندگی کا حاصل۔

آپ کی غیرت ایمانی نے آپ کے پاس آنے والوں کو بھی متاثر کیا۔ وہ آپ کی ایمانی خوبی کو خوب سمجھتے ہیں۔ صرف ایک اقتباس پر اکتفا کروں گا۔

حضرت قاضی صاحب کی محبت سلسلہ کے ساتھ عاشقانہ رنگ رکھتی تھی۔ جہاں انہیں محسوس ہوتا کہ کوئی شخص سلسلہ کے خلاف بات کرتا ہے یا اس کا رویہ سلسلہ کے خلاف ہے۔ انہیں اس سے نفرت ہو جاتی تھی .... ان میں بڑی فروتنی اور تواضع پائی جاتی تھی۔ سوائے معاندین سلسلہ کے غالباً کسی سے ان کو سخت لہجہ میں بات کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔''

خلافت ثالثہ کے ابتدا کا واقعہ ہے کہ آپ کا ایک پرانا دوست وشاگرد اور دیرینہ رفیق کار آیا جس سے آپ بڑی محبت سے ملا کرتے تھے۔ اس نے باتوں باتوں میں یہ تاثر دیا کہ خلافت صحیح انتخاب نہیں ہوا۔ کوئی اور ہونا چاہئے تھا۔ اس پر آپ کی غیرت ایمانی جوش میں آ گئی۔ اس کی کیفیت قلم بند کرنے کی سکت نہیں۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں گستاخی نہ ہو جائے۔ آپ نے بڑے جوش سے فرمایا۔ ''کون ہے جو آپ کا علم وعرفان میں مقابلہ کرسکتا ہے؟ خلیفہ خدا بناتا ہے۔ اب بھی اس نے بنایا۔ کیا خدا اندھا تھا جو غیر مستحق کو خلیفہ بنا دیا'' پھر اس کو بڑے پیارے لہجے میں سمجھانے لگے کہ خلافت کا انتخاب صحیح ہوا ہے۔ کافی دلائل دیئے مگر وہ بضد رہا۔ آخر آپ نے فرمایا۔

’’خلافت سے قبل دیکھ لو کسی اخبار میں ہے مولانا شمس صاحب نے فلاں آیت کی یہ پر معارف تفسیر کی۔ صاحبزادہ رفیع احمد صاحب نے فلاں آیت کی یہ پر معارف وحقائق تفسیر کی۔ فلاں نے یہ کی۔ بہت کم ہی آپ کو تفسیر قرآن کے متعلق کوئی خبر ملے گی۔ مگر اب دیکھ لو وہ تفسیر کی ہے کہ ہم نے پہلی دفعہ سنی۔ اس کی نظیر لاؤ۔ کیا اب کسی کی طاقت ہے کہ آپ کا مقابلہ کرے۔ جاؤ ان سے کہو کہ جن آیات کی آپ نے تفسیر کی ہے اس کی تفسیر اسی پر معارف وحقائق اور جذب سے پر کریں۔ یقیناً عاجزی کا اظہار کریں گے۔‘‘ اس پر وہ لاجواب ہو گیا اور پھر خلافت کے متعلق کبھی کچھ نہ کہا۔

آپ کی غیرت ایمانی کا مکرم نسیم سیفی صاحب یہ واقعہ تحریر فرماتے ہیں

’’میں نے جب 1944ء میں اپنا ایک نہایت مختصر سا مجموعہ ’’اشارے‘‘ مرتب کیا تو میں محترم قاضی صاحب کے پاس یہ مجموعہ لے کر گیا آپ نے ایک سرسری نظر سے دیکھا۔ میری حوصلہ افزائی فرمائی لیکن ایک جگہ ایک لفظ کو تبدیل کرنے کا ارشاد فرمایا۔ لفظ عرش تھا۔ فرمانے لگے چرخ کر دو۔ عرش کے ساتھ جو تقدس وابستہ ہے اس کا یہ شعر حامل نہیں۔ اس وقت شعر تو یاد نہیں لیکن میں نے محترم قاضی صاحب کی غیرت دینی کی داد دی اور فوراً لفظ بدل دیا۔‘‘

ریاکاری سے اجتناب

آپ کی ذات میں نیکیوں کی دشمن ریا کا شائبہ بھی نہ پایا جاتا تھا۔ کبھی نام وناموس کی طرف توجہ گئی ہوتی بھی کیوں۔ جب آپ کی یہ دلی خواہش تھی۔

مثل پروانہ اس رخ پہ فدا ہو جاؤں	اپنی ہستی کو مٹا کر میں فنا ہو جاؤں

آپ نے وہ کام کئے کہ احباب آپ کی شخصیت کے معترف ہوئے مگر ہر تعریف کے وقت یہی فرماتے۔ یہ سب مسیح محمدی کے طفیل ہے۔

تشحیذ وغیرہ میں مضامین کی اشاعت پر تعریف کے خطوط کا تانتا بندھ جاتا مگر اس کا جواب یہ دیتے۔

''کہ میرے مضامین کی تعریف مقصود نہیں۔ اشاعت دین مقصود ہے۔ اس کا عملی ثبوت دو اور خریدار مہیا کرو۔'' آپ ایک بلند پایہ شاعر اور نامور صحافی، لائق مصنف اور عالم و فاضل وجود تھے مگر آپ میں ریا کی بو بھی نہ پائی جاتی تھی۔

مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری بیان کرتے ہیں:۔

''اکثر قادیان میں ان سے فیض حاصل کرنے کا موقعہ ملتا رہا۔ باوجود نہایت بلند پایہ شاعر اور مصنف کے اچھے ادیبوں میں شمار ہونے کے ان میں نام و نمود کی خواہش نام کو بھی نہ تھی اور نہایت سادہ طبیعت پائی تھی۔'' آپ کے ایک اور شاگرد آپ کی وفات پر مرثیہ لکھتے ہیں: ع

سنت نبوی کا عالم باعمل	زہد و تقویٰ روح جس کی غذا
صابر و شاکر تھا خود دار و غیور	چشمہ لطف و محبت بے ریا

قناعت

آپ صابر و شاکر وجود تھے۔ قادیان میں رہائش خدمت دین کی خاطر اختیار کی۔ اس کے عوض جو ملا لے لیا۔ کبھی کوئی مطالبہ نہ کیا۔ اس میں بسر اوقات کی۔ اس معمولی تنخواہ کے باوجود آپ نے کسی سے کبھی مدد نہیں لی بلکہ غریب طلباء کی مدد کی اور غریب احباب کی مدد کرتے رہے۔ اپنے دونوں لڑکوں کو بی اے تک تعلیم دلوائی۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے مکرمی جنید صاحب کے لئے 7 روپے ماہانہ وظیفہ کی پیشکش کی۔ مگر آپ نے انکار کر دیا اور خود تعلیم کے اخراجات برداشت کئے۔

آپ نے اس صفت کی وجہ سے کبھی قرض نہ لیا۔ ساری زندگی کا مطالعہ کرنے سے مکان بنوانے کے لئے چار سو روپیہ قرض لیا۔ وہ بھی وقت سے قبل ادا کر دیا۔ ربوہ کے قیام کے دوران دیکھا کہ آپ کو کسی چیز کی لالچ نہیں۔ کبھی یہ خواہش نہ کی کہ نحیف جسم کے لئے نرم بستر اور آرام دہ پلنگ چاہیے اور کھانا عمدہ غذا کی ضرورت ہے۔ جو ملا اس پر خدا کی تحمید کی۔ لباس سادہ رکھا۔ نمائش کے طور پر تو کبھی لباس نہ پہنا سادہ پر صاف ستھرا لباس ہوتا۔ اکثر پیوند لگے ہوئے لباس میں دیکھے۔

ایک موقعہ پر ایک شلوار دکھائی اور فرمایا۔ یہ قادیان کی ہے اس وقت سے استعمال میں لاتا ہوں۔ کبھی یہ شکایت نہ کی کہ لوگ میری خدمت نہیں کرتے۔ اکثر دوست جاتے۔ کوئی چیز لے جاتے، نذرانہ پیش کرتے۔ آپ قبول فرمالیتے۔ گھر میں اندرون خانہ بھیج دیتے یا آنے والوں کی ہی تواضع فرماتے۔ مجھے بہت کم اتفاق ہوا کہ آپ کی خدمت میں کوئی چیز پیش کروں مگر آپ میرے دوستوں سے زیادہ مجھ پر شفقت کرتے جو اکثر خدمت کرتے تھے۔

ایک موقعہ پر جب میں آپ کی پائنتی کی طرف بیٹھا تھا اور دیگر میرے دوست بیٹھے تھے۔ میری طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ تم میں سب سے اچھا یہ ہے کہ آیا خدمت کی اور چلا گیا۔ دعا کے لئے بھی اکثر نہیں کہا۔ جب کہ تم دعا کے لئے اکثر کہتے رہتے ہو۔ مگر میرے دل سے اس کے لئے زیادہ دعائیں نکلتی ہیں۔'' خاکسار جب بھی حاضر ہوتا۔ آپ کا کام کر دیتا۔ کام ہی کیا تھا۔ بازار سے کوئی چیز لانا۔ سامنے نلکا سے پانی بھر دینا۔ کسی کو کوئی رقعہ پہنچا دینا مگر یہ ضرور کرتا کہ آپ کو دبا دیا کرتا تھا۔

مبارک نام

آپ کا اسم گرامی بھی بعض پہلوں سے نمایاں خصوصیت رکھتا ہے۔ اول تو تاریخی نام ہے۔ دوسرا اسلام کے ظہور و غالب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مصلح موعود مرفوع الی اللہ خطبہ جمعہ میں فرماتے ہیں: ''کچھ دن ہوئے میں نے رویا میں دیکھا کہ ایک مجلس ہے اور بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں ان میں بڑھتا چلا جاتا ہوں۔ چلتے چلتے میں نے دیکھا کہ آگے قاضی ظہور الدین صاحب اکمل بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور میں ان کے پاس سے ہو کے گزرا ہوں۔ میں نے اس کی یہ تشریح کی کہ الدین سے مراد اسلام ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **ان الدین عند اللہ الاسلام**۔ پس اس لحاظ سے ظہور الدین اکمل کے یہ حصے ہوں گے کہ **ظہور الدین الاسلام اکمل**۔ یعنی خدا تعالیٰ نے ارادہ کر لیا ہے کہ وہ اسلام کو دنیا میں کامل طور پر

غالب کرے۔ یہ ایک بہت بڑی خوشخبری ہے۔ (الفضل 29 اپریل 1958ء صفحہ 2)

اسی طرح مولانا راجیکی صاحب نے جب رشتہ کے متعلق استخارہ کیا۔ تو آپ کو یہ خواب آئی۔ جس کا ذکر کرتے ہیں۔ میں نے خواب میں قاضی ظہور الدین صاحب اکمل کو دیکھا جس کی تفہیم مجھے یہ ہوئی کہ یہ رشتہ میرے ذریعہ اس علاقہ میں دین کے کامل ظہور کا موجب ہوگا۔ (حیات قدسی جلد دوم صفحہ 68 حضرت مولانا راجیکی صاحب) کسی شخص کا خواب میں نظر آنا۔ اس کے نام کی تعبیر مقصود ہوتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ اس شخص کا ایک اعزاز ہوتا ہے۔

باب دہم

بزرگوں کی رحلت اور ہماری ذمہ داریاں

بزرگوں کی رحلت اور ہماری ذمہ داریاں:

فنا و بقا کے قانون خداوندی سے مفر نہیں۔ رضائے الٰہی پہ راضی ہونا اور مشیت ایزدی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا مومن کی شان ہے۔ بزرگوں کی رحلت پہ فرقت کے حزن و ملال کے جذبات سے متاثر ہونا بھی ایک فطری اور طبعی خاصہ ہے کیونکہ باہمی محبت وہ متاع عزیز ہے۔ جو خدائے بزرگ و برتر ن کارخانہ عالم کو چلانے اور معاشرہ میں امن وسکون کی بحالی کے لئے اپنے بندوں کو بخشی۔علم وفضل کے ستاروں کے غائب ہوجانے سے بلاشبہ ہماری جماعتی زندگی میں بظاہر ایک خلا واقع ہوجاتا ہے۔لیکن دل اس نور یقین سے منور ہیں کہ خدا تعالیٰ اشاعت اسلام کی خاطر ضرور ایسے افراد پیدا کرتا رہے گا جوعلم وفضل اور نیکی وتقویٰ میں رہتے اپنے اسلاف کے صحیح جانشین ہوں گے۔ لیکن ہمیں یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ بزرگوں کی رحلت سے ہم پر مزید ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن کی ادائیگی سے ہی الٰہی بشارتوں کا قریب تر آنا ممکن ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر 18) کہ قرآن............کو مدنظر رکھیں اور مامور ربانی کی بیان کردہ اس شرط پر کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا مضبوطی سے قائم رہیں اور تقویٰ اختیار کر کے اپنے لئے توشہ آخرت تیار کریں۔

ہمارے اسلاف کی زندگیاں اس امر کی دلیل ہیں کہ خدا کی خاطر زندگی وقف کرنا اور دنیاوی متاع میں انہاک کی بجائے آخرت کی فکر کا نسانی کردار کو سربلند وسرفراز کردیتی ہے۔ جو شخص نیکی و تقویٰ میں زندگی بسر کرتا ہے۔اس کے لئے ہر سلیم الطبع انسان کے دل میں محبت جاگزیں ہوتی ہے اور الٰہی احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے والوں کے لئے اس دنیا میں بھی وہ عزت و بقاء ہے جسے

زوال نہیں اور یہ وہ شرف اور عظمت کا مقام ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں سے وعدہ فرمایا ہے۔ ہمیں بھی چاہئے کہ ہم ترک دنیا کریں اور دین کی خدمت پر کمر ہمت کسیں اور دنیا میں ’’کن فی الدنیا کانک غریب اوعابر سبیل‘‘ کے مطابق زندگی کے ایام گزاریں اور اس دارفرانی پر دار آخرۃ کو ترجیح دیں۔ (ابناء دنیا بننے کی بجائے ابناء الآخرۃ بنو) ہمارا اصول ہو۔ ترک دنیا سے مراد رہبانیت نہیں ہے بلکہ اسوہ نبی طریق مسیح موعود اور عمل صحابہ اس امر کا مظہر ہے کہ انسان دنیا میں رہتے ہوئے بھی آسمانی بنے اور فرائض وحقوق کی کامل ادائیگی کے باوجود اپنا حقیقی تعلق اور پیوند اپنے خالق و مالک سے استوار رکھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

’’بڑی غلطی انسان کی دنیا پرستی ہے.................. اسے نادان کون کہتا ہے کہ اسباب کی رعایت چھوڑ دے مگر دل کو دنیا اور دنیا کے فریبوں سے الگ کر۔‘‘ (تذکرۃ الشہادتین صفحہ 62) پس ہمارا فرض ہے کہ کبھی ذکر الٰہی سے غافل نہ ہوں۔ اور بقاءاللہ کے لئے ہمیشہ روحانی مجداہدت میں مصروف رہیں۔

ہمارے زمانہ کا سب سے بڑا مجاہدہ اشاعت اسلام ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی درخواست پر ان کو مجاہدہ بتایا۔ فرمایا:

’’میں یہ مجاہدہ بتاتا ہوں کہ آپ عیسائیوں کے مقابل میں ایک کتاب لکھیں۔‘‘ (مرقاۃ الیقین صفحہ 137) اس مشن کی تکمیل کی خاطر ہمارے پاکیزہ صفت بزرگوں نے اپنی عزیز زندگیوں کو بڑی بے جگری اور فدایانہ جذبہ سے صرف کیا۔ اور ہمیں اس منزل پر لے دئے جہاں ہم احمدیت کے روشن مستقل اور غلبہ اسلام کے مسرت افزاء آثار کو دیکھ رہے ہیں۔ اور مشرق ومغرب میں پیاسی ارواح حضرت مسیح پاک کے روحانی چشمہ سے سیراب ہو رہی ہیں۔

اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے اسلام کے صحیح جانشین بننے کے لئے مالی وجانی قربانیوں میں اعلیٰ نمونہ دکھائیں۔ تا آئندہ آنے والی نسلیں ہیں۔ اپنی تنقید کا ہدف نہ بنائیں بلکہ ہمارا کر آنے پر ’’رضی اللہ عنہ‘‘ بے ساختہ کہہ دیں۔ زندہ قوم کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے اجداد واسلاف کے اسوہ

حسنہ کو اپنائیں تا کہ دین و دنیا میں ان کی فلاح و بہبودی کا باعث بنیں۔

حضرت قاضی صاحب کی نمایاں خصوصیت آپ کی محنت شاقہ اور غیر مساعد حالات میں بھی خدا تعالیٰ پر کامل توکل رکھ کر اپنے مقصد کے حصول کے لئے جدو جہد کرتا ہے۔اس زمانہ میں مذہبی اور اسلامی تعلیم حاصل کرنا ایک بڑا مجاہدہ تھا۔آپ نے ایک غیر مصروف سے گاؤں سے پل کر تعلیم و تربیت حاصل کی۔روپیہ پیسہ اور دنیاوی عز و جاہ کی طرف دھیان نہیں دیا۔اور ہوش سنبھالتے ہی آپ کی سعید روح نے امام زمان کو پہچان لیا۔اور اپنے اس عہد کو ''کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔'' بڑی جانفشانی سے آخر دم تک نبھایا۔گجرات میں تعلیم و تربیت کے لئے تبلیغ کی راہیں ہموار کیں۔اور جلسوں کا سلسلہ شروع کیا۔پھر 1906ء میں ہجرت کر کے مسیح پاک کے قدموں میں آ گئے۔اور قلمی جہاد میں مصروف ہو گئے۔اور صف اول کے مجاہدین میں شامل ہوئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت مصلح موعود مرفوع الی اللہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ سے سندات خوشنودی حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔آپ کا عشق مسیح بھی مثال تھی۔جب تک قادیان میں رہے بہشتی مقبرہ روزانہ گئے۔باوجود نحیف جسم کے اس میں شدید بیماری کی وجہ سے ہی ناغہ کیا۔اور ساری عمر حضرت مسیح پاک کے احسانات کے گن گاتے رہے۔'' آپ کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے نوجوانوں کی ادبی تربیت کی طرف توجہ کی۔اور وہ اہل قلم پیدا ہوئے کہ ''خالد احمدیت'' کا لقب حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

آپ کے ذاتی خصائل اور عادات ایسی تھیں کہ ہمارے نوجوانوں کو ان کا اختیار کر لینا شعار اسلامی اور روایات احمدیت کے لئے از بس ضروری ہے۔تا کہ وہ غیر از جماعت لوگوں کے لئے زندہ اور عملی نمونہ بنیں مثلاً قناعت و توکل سادہ رہن سہن، وقت کی پابندی، فضولیات سے پرہیز اور کام میں باقاعدگی وغیرہ۔اللہ کرے کہ ہم اپنے اسلاف کے صحیح جانشین بنیں اور اللہ کی برکات کے وارث ہوں۔اے اللہ تو ایسا ہی کر۔(آمین)

باب گیارہواں

اذکروا موتاکم بالخیر

تعزیت نامہ

حضرت قاضی اکمل صاحب ایک عظیم شخصیت کے حامل تھے۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ پون صدی تک قلمی جہاد میں مصروف رہے۔اور ایک صحافی کے علاوہ آپ مستجاب الدعوات اور پرانے صحابی تھے۔آپ کی وفات پر مخلص احمدیت نے اپنے جن جذبات کا اظہار فرمایا۔ان میں سے چند ایک کے جذبات نقل کرتا ہوں۔

تعزیت نامے حضرت قاضی اکمل صاحب

پرائیوٹ سیکرٹری ربوہ

حضرت قاضی اکمل صاحب کی وفات کی اچانک اطلاع حضور ایدہ اللہ العزیز کی خدمت میں پہنچا دی گئی۔حضور کو یہ خبر سن کر بہت صدمہ ہوا ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' مرحوم سلسلہ کے خاص آدمی تھے۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔

الجمیعۃ العلمیۃ ربوہ:

آپ حضور علیہ السلام کے ان خوش قسمت اور ممتاز صحابہ کرام میں سے تھے۔جن کو حضور کے عہد مبارک میں اور حضور کی وفات کے بعد بھی عرصہ دراز تک سلسلہ عالیہ احمدیہ کی گراں بہا خدمات سرانجام دینے کی غیر معمولی سعادت نصیب ہوئی۔آپ عربی اور فارسی میں کافی دسترس رکھتے تھے۔آپ ایک بلند پایہ صحافی۔شاعر اور قابل مصنف تھے۔پر از معارف مضامین کے علاوہ چھبیس کے قریب کتب تصنیف فرمائیں۔سلسلہ تصنیف کے ساتھ ساتھ آپ نہایت ایمان افروز نظمیں بھی کہتے

رہے۔ جو جماعت میں بے حد مقبول ہوئیں ....آپ کو یہ خصوصی شرف بھی حاصل ہوا کہ آپ کی گراں بہا خدمات سے خوش ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اپنے قلمہائے مبارک سے آپ کو سندات خوشنودی عطا فرمائیں۔

اساتذہ کالج ربوہ

تعلیم الاسلام کالج کے اساتذہ کا یہ ہنگامی اجلاس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدیمی صحابی اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے جلیل القدر بزرگ، نامور صحافی، ادیب اور شاعر قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کی وفات حسرت آیات پر اپنے انتہائی رنج والم اور افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے...................

مجلس خدام الاحمدیہ

مجلس خدام الاحمدیہ کا یہ اجلاس حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کی وفات پر نہایت گہرے رنج والم اور شدید حزن و ملال کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت قاضی صاحب رضی اللہ عنہ ایک بہت بڑے متبحر عالم بلند پایہ صحافی اور شاعر اور صاحب رویا وکشوف بزرگ تھے۔ آپ کی ساری زندگی خدمت اسلام کے لئے وقف رہی۔ اور خلافت ثانیہ میں آپ عظیم الشان عملی کارنامے سرانجام دیئے......................اور ہر لمحہ سلسلہ کے دفاع کے لئے مشغول رہے...................۔

وکالت تبشیر

احمدیہ جماعت ماریشس نے تار کے ذریعہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ اور ان کی محترمہ سے حضرت قاضی ظہور الدین اکمل کی ناگہانی وفات پر اظہار افسوس کیا ہے۔

شیخ نذیر احمد بشیر حیدر آبادی نائب امام لندن

.... انا للہ و انا الیہ راجعون آج نماز جمعہ کے بعد یہاں پر نماز جنازہ غائب پڑھی گئی۔ جس میں محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب اور محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب

کے علاوہ تقریباً ڈیڑھ سو احمدی احباب شامل ہوئے۔آج کا خطبہ جمعہ محترم چوہدری صاحب موصوف نے پڑھا۔جس میں حضرت قاضی صاحب کے بعض کارنامے بھی ذکر فرمائے اور ایک جماعتی نقصان کو پورا کرنے کے نوجوانوں کو خدمت میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لینے کی طرف توجہ دلائی.................ہم سب آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

مکرمی فضل الٰہی صاحب انوری مبلغ جرمنی

آپ کے والد محترم جناب قاضی ظہورالدین صاحب اکمل کی وفات کی المناک خبر سن کر بہت افسوس ہوا۔آپ کوان کا فرزند ہونے کی وجہ سے توغم ہونا ہی تھا۔مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ لاکھوں فرزندان احمدیت کا دل غمناک اور آنکھیں پُرآب کر کے اس جہان فانی سے رخصت ہوئے ہیں۔وہ احمدیت کے وہ درخشندہ ستارے تھے۔جنہوں نے اپنی قلمی لسانی و روحانی استعدادوں سے ایک عالم کوخیرہ کیا۔ان کی زندگی کا ہرلمحہ داستان خوشرنگ اور تنفس کا ہر سانس حیات آفرین تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کوغریق رحمت کرے اوران کواعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

خاکسارکوان سے تعلق شاگردی تھا۔قادیان میں ہم اپنے کالج کے تعلیمی دور میں اپنے خیالات کی پرواز اور جولانی طبع کے بارے ان سے اصلاح لیا کرتے تھے۔اوروہ بڑے پیاراورمحبت سے اصلاح کے ساتھ ساتھ پندونصائح بھی فرمایا کرتے تھے............میں اپنی طرف سے اوراپنے تمام احباب کی طرف سے جو جماعت فرانکفورٹ سے تعلق رکھتے ہیں اپنے پرنم جذبات آپ کو پہنچاتا ہوں۔

محمد ابراہیم علی عرفانی

.......................یہ وہ وجود تھے جو کہ سلسلہ کے شیدائی اور غربت میں دھونی رمائے بیٹھے تھے۔اورکبھی شکوہ زبان پر نہ لائے۔اللہ اللہ ایسے وجوداب چراغ لے کر ڈھونڈ وتو آپ کو نہ مل سکیں گے میرے ساتھ توحضرت قاضی صاحب رضی اللہ عنہ کو جومحبت تھی۔وہ میں اپنے خیال میں یہی جانتا

ہوں کہ شاید کسی اور سے ہومگر وہ مجسم محبت اور تاریخ سلسلہ کے حامل تھے۔ میری شوخی شرارت بھی حضرت کو ناگوار نہ گذرتی تھی۔ اور ہمیشہ بڑی محبت سے یاد کرتے۔ ملنے پر اظہار شفقت اور محبت کا بے پایاں ہوتا۔ اب کہاں وہ پرانے بزرگ جو دوسروں کی اولاد کا بھی درد ویسے ہی رکھتے ہوں جیسے اپنی اولاد کا۔ جنید صاحب آپ تو میرے سامنے پیدا ہوئے۔ جوان ہوئے۔ صاحب اولاد بھی ہوئے۔ مگر میں حضرت قاضی صاحب رضی اللہ عنہ سے بچپن ہی سے وابستہ رہا ہوں۔ اور ان سے گلے شکوے بھی کرلیا کرتا تھا۔ اب کہاں ہیں وہ ہستیاں جو اپنے دوستوں کی اولاد کو اپنی ہی اولاد جانتی تھیں۔ کاش میں وہاں ہوتا۔ اور ان کا آخری دیدار کرسکتا۔ بلا مبالغہ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ آج ہی والد صاحب اس جہان سے رخصت ہوئے.................. میری بڑی خواہش ہے کہ ان کی سوانح حیات پہلے شائع کی جائے۔

میاں عطاءاللہ صاحب ایڈووکیٹ

.... انا للہ و انا الیہ راجعون۔ 1959ء میں میں نے جلسہ پر ایک تقریر سرور کائنات ﷺ اور عبادت'' کے عنوان سے کی۔ جب الفضل میں شائع ہوئی۔ تو مرحوم رضی اللہ عنہ نے ازراہ شفقت پڑھی اور مجھے آپ نے اپنے قلم مبارک سے ایک عنایت نامہ تحریر فرمایا۔ جو میرے لئے باعث صد افتخار تھا۔ خطاب ''یار قدیم'' کے الفاظ سے فرمایا۔ اور مضمون کے بعض حصوں کے متعلق یہاں تک لکھا کہ فلاں حصے تاریخ تک بیسیوں سینکڑوں مرتبہ پڑھا تھا تم نے اس طرح پیش کیا کہ چار چاند لگا دئے۔ اس عاجز کو حضرت مرحوم سے اپنی جوانی سے نیازمندانہ تعلق تھا۔.................. یہ مرحوم کی ذرہ نوازی تھی یہ بات کہ میں مرحوم کے دفتر میں بیٹھ کر اخبارات سے استفادہ کرتا۔ اور آپ کے نہایت پر تکلف کلام سے مستفید ہوتا۔ یہ ان کا ہی احسان تھا میری طرف سے کوئی بھی اس احسان کا جواب نہ تھا۔ مجھے مرحوم کی ایک بات جس پر جب تک بس چل سکا۔ آپ والہانہ شوق سے عمل کرتے رہے۔ بہت ہی پسند تھا۔ اور وہ مرحوم کا باقاعدہ مقبرہ بہشتی میں جاکر اپنے

محبوب جری اللہ فی حلل الانبیاء کے مزار پر حاضری دیتا تھا۔حضور علیہ السلام نے فرمایا ہوا ہے۔
انی اموت ولاتموت محبتی ۔ یدری بذکرک فی التراب ندا...... ہرکس و ناکس کوتو وہ آواز سنائی نہیں دیتی لیکن اکمل شیریں نوا کے کان وہ آواز سنتے تھےاورمرحوم جب تک قادیان میں رہے۔اور جب تک صحت نے وفا کی۔روزانہ وہاں جاتے رہے۔ایک لطیفہ بھی یاد آیا۔ایک اورمرحوم بھی جن کا ظاہری رنگ کچھ سانولا تھا.................. وہ بھی روزانہ جایا کرتے تھے۔اس پر حضرت قاضی صاحب مرحوم نے فرمایا تھا۔

کوئے جاناں میں رقیب روسیہ کا کام کیا   یہ تو زیبا ہے مجھی کو اس جگہ گھوما کروں

......حضرت قاضی صاحب مرحوم بھی تاریخ سلسلہ کے قریباً تمام اہم واقعات کو نظم فرمادیا کرتے تھے.................آپ کے ابا جان۔من مات من العشق فقد مات شھید کے مصداق تھے۔جس وفا سے اپنے عہد کو نبھایا ہے وہ لائق صد ہزار تحسین ہے۔ یہ اچانک وفات اس سخت صدمے کا نتیجہ ہے۔جو سیدنا حضرت فضل عمر رضی اللہ عنہ کی وفات حسرت آیات سے حضرت قاضی صاحب کو پہنچا۔ اس لئے فرماتے رہے کہ مجھے روتا پیچھے چھوڑ گئے۔کاش میں ربوہ میں ہوتا۔تو بہت دن آپ کے پاس آکر بیٹھتااور باہم مل کر باتیں کرتے۔

سید محمد قاسم رضوی صاحب۔ڈائریکٹر جنرل تعلقات عامہ راولپنڈی

جناب قاضی ظہور الدین احمد صاحب کی وفات کا سن کر دل کو بہت دکھ ہوا۔مرحوم اس ملک کے عظیم صحافی تھے۔اور انہوں نے یہ پیشہ اس وقت اختیار کیا تھا جب صحافت قومی اور ملکی اعتبار سے ایک بہت بڑی آزمائش تھی۔

مرزاعبدالحفیظ ایڈوکیٹ نوشہرہ کینٹ

افسوس جماعت ایک بلند پایہ صحابی کی رفاقت سے محروم ہوگئی۔ .... آئندہ مورخین جب سلسلہ احمدیہ کا ابتدائی لٹریچر ملاحظہ کریں گے۔تو جگہ بجگہ حضرت قاضی مرحوم کا نام

لکھا دیکھیں گے اور جانیں گے کہ اس احمدی مجاہد نے اپنے وقت میں کیا کیا خدمات سلسلہ احمدیہ کی ترقی واشاعت میں سرانجام دیں ہیں۔ حضرت مرحوم اس امر میں منفرد ہیں کہ زندگی میں جو نثر لکھی احمدیت کی حمایت میں لکھی اور جو کلام موزون فرمایا وہ بھی احمدیت میں۔ گویا اپنے آپ کو اور اپنی جملہ صلاحیتوں کو احمدیت کی امانت سمجھا اور اسی راہ میں صرف کیا۔

ضیاءالدین صاحب قریشی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور

1909ء میں ٹی آئی سکول میں داخل ہوا تھا۔ جب سے حضرت قاضی صاحب سے بہت پیار محبت کے تعلقات تھے جب کبھی ملاقات ہوتی تھی۔ بہت خندہ پیشانی اور تپاک سے ملتے تھے ....میں ان کی نسبت الفضل میں ایک آرٹیکل لکھنا چاہتا تھا...........حضرت قاضی صاحب رضی اللہ عنہ ہماری جماعت کے چوٹی کے ادیب ونثر نگار تھے۔ نثر کے علاوہ نظم میں بھی بہت قادر الکلام شاعر تھے۔ ہماری جماعت کا لٹریچر حضرت قاضی صاحب کی پرزور اور بروقت تحریروں سے لبریز ہے۔ میری سوچی سمجھی رائے ہے۔ حضرت قاضی صاحب رضی اللہ عنہ کے نام کے بغیر احمدیت کی کوئی تاریخ نہیں کی جاسکتی۔

مخلص دیرینہ..............................

عبدالقادر مہتہ ابن حضرت بھائی عبدالرحمان صاحب قادیانی

......قاضی صاحب مرحوم جن کے نام کے ساتھ مرحوم کا لفظ لکھتے قلم بوجھل ہو جاتی ہے لیکن مشیت ایزدی کے سامنے کسی کی کچھ نہیں بلکہ صحافی دنیا بھی اچھی طرح سے جانتی پہچانتی تھی۔ وہ احمدیت کا ستون تھے۔ جنہوں نے عین جوانی کے زمانہ سے اپنی عمر کے آخیر ایام تک سلسلہ کی وہ خدمت کی۔ وہ خدمت کہ رہتی دنیا تک ان کا نام قائم دائم رہے گا۔ برادر یہ رسمی خط نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی خط ہے کہ مجھے بچپن سے ہی حضرت قاضی صاحب کے پاس گھر آتے جاتے اکثر اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملتا رہتا تھا۔ اور وہ زمانہ اور وہ دن، اور یہ دن؟ کیا کہوں اور کیا لکھوں جنید صاحب کے دل پر

ایک بوجھ ہے کہ پرانے بزرگ پرانے مشفق حقیقی خیر خواہ اور بہی خواہ ایک ایک کر کے چلتے جا رہے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

شیخ احسان علی صاحب لاہور

..................استاذی المکرمی حضرت قاضی صاحب کی وفات کا سن کر بڑا دکھ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون......ربوہ میں کبھی کبھار جا کر ان کی زیارت کرلیا کرتا تھا۔ آپ بچے ہی تھے۔ جب سے ان کے ساتھ میرے دوستانہ تعلقات قائم ہوئے۔ کئی مشکلات میں ان سے دعا کرائی اور کئی اپنے شعروں میں ان سے اصلاح لی۔ کتنا بڑا فراخدل انسان تھا وہ۔ اور بے حد ہمدرد کیا کیا ان کی خدمات بیان کی جائیں۔ مجھے تو بہت دکھ ہوا............ میں نے کئی دل کے دکھڑے قاضی صاحب کو سنا کر مشورہ لیا۔ اور دعا کرائی۔ باوجود کمزور جسم رکھنے کے بہت عالی حوصلہ انسان تھے وہ بہت بڑے عالم تھے۔ بہت بڑے شاعر اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ڈکشنری تھے۔۔ یہ چند حروف لکھتے لکھتے چشم پُر آب ہو گیا ہوں۔ دل کی دھڑکنیں قابو سے باہر ہوتی جا رہی ہیں۔ اس لئے خط بند کرتا ہوں۔

مولانا شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی

......مجھے ان کے انتقال سے سخت صدمہ اور رنج ہوا۔ اللہ پاک ان کی پاک روح پر اپنے فضل ورحم کی بارش برسائے اور ان کو اعلیٰ علیین مین جگہ فرمائے۔ آمین۔ آمین ثم آمین

میرے ان کے تعلقات 1944ء سے تھے جبکہ میں ترک وطن کر کے مستقل طور پر قادیان آ گیا تھا۔ ہمیشہ ہی وہ مجھ سے نہایت خندہ پیشانی اور بڑے حسن اخلاق سے پیش آتے۔ اور تمام وقت بڑے انہماک کے ساتھ مجھ سے علمی اور ادبی گفتگو کرتے رہے۔ لاہور آ جانے کے بعد بھی میں اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اور گھنٹوں ان کی پر لطف محبت سے مسرور ہوتا۔ باوجود بیماری کے وہ مجھ سے بہت ہی محبت کے ساتھ بہت دیر تک مختلف باتیں کرتے رہتے۔ اور نہیں چاہتے تھے کہ میں ان کے پاس سے اٹھ کر جاؤں۔ افسوس ایسی بے ریا اور بے غرض محبت کرنے والے اور اس

شوق اور دلچسپی سے ملنے والے دوست اب کہاں۔ دنیا ایسے پُرخلوص انسانوں سے خالی ہوگئی۔ افسوس صد افسوس۔''

پیر محمد اکبر سقراط۔ گولیکی

''انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ایک عالم فاضل ہستی کا یہ خلا بمشکل پُر ہوگا۔ خاندان میں ایک بہت قیمتی وجود تھے۔ ساری عمر علمی ذوق میں گزار دی۔''

سید سجاد احمد صاحب روزنامہ کوہستان لاہور

...... انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آپ کی وفات سے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے تاریخ کا ایک انتہائی اہم ورق نظروں سے اوجھل ہوگیا......................

مولانا محمد حفیظ بقاپوری ایڈیٹر بدر قادیان

......حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کی وفات کی افسوس ناک خبر پڑھ کر نہایت درجہ دلی صدمہ ہوا۔ حضرت قاضی اکمل صاحب اس عاجز کے ساتھ ذاتی محبت اور انس رکھتے تھے۔ قادیان سے بدر کی اشاعت اور اس کی خدمت اس عاجز کے سپرد ہونے کا سبب یہ مذہبی تعلق زیادہ گہرا تھا۔ باوجود اپنی نہایت ہی کمزور صحت اور پیرانہ سالی کے ہمیشہ گاہے بگاہے بدر کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور ارسال فرماتے رہے۔ ایسی قلمی نوازشات کے علاوہ اپنی خصوصی دعاؤں میں ہمیشہ ہی اس عاجز کو یاد رکھا۔ اور سلسلہ مراسلات بھی قائم رکھا۔ اپنے تازہ کلام سے بدر کو بالعموم یاد فرماتے رہے۔ میرا دل حضرت قاضی صاحب سے ملنے کے لئے تڑپتا مگر بین الملکتی حالات نے قاضی صاحب کی زیارت وملاقات سے محروم رکھا۔

حسین بی بی بنت چوہدری غلام محمد ہمشیرہ چوہدری سردار خان نمبردار گولیکی

برادرم محترم جناب قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کی اچانک اس جہان فانی سے دار البقاء رحلت کر جانے کا سن کر میرے دل کو بھی بے حد صدمہ ہوا۔ وہ ایک بزرگ ہستی اور نیک تھے۔ مسیح

موعود کے صحابی تھے۔سلسلہ کی بے حد خدمت کی۔ایک علمی چراغ جس سے بہت سی ہستیاں منور تھیں۔چل بسے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فضل الٰہی صاحب درویش قادیان

......آپ کے والد بزرگوار قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کی وفات کی خبر سے ہم سب درویشان قادیان کو دلی صدمہ ہوا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سید محمود احمد صاحب شاہ کراچی

کل صبح جنگ اخبار کراچی میں حضرت قاضی صاحب کی وفات کی خبر پڑھی۔پھر اخبار الفضل میں بھی صفحہ اول پر شائع شدہ نوٹ سے اس کی تصدیق ہوگئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ابھی تین چار روز ہوئے کہ مجھے حضرت قاضی صاحب کی بعض نظمیں یاد آ رہی تھیں۔کم از کم اب موقعہ ہے کہ آپ حضرت قاضی صاحب کے نغموں کو یکجا کر کے شائع کرائیں۔سب حصص یکجا اور غیر مطبوعہ کلام بھی جو شائع نہ ہوا ہو۔یا کم از کم چیدہ چیدہ نظمیں انصار اللہ، خالد، تشحیذ اور الفضل میں چھپتی رہیں۔جب تک تمام کلام شائع نہ ہوجائے۔حضرت قاضی صاحب مجسم معجزہ تھے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں کا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا۔اس خیال سے کہ نغمہ اکمل کی کوئی کاپی مل جائے۔میں نے 1963ء میں محمد یامین صاحب تاجر کتب کے مکان کی تلاشی بھی لی تھی۔جس کمرہ میں وہ ذخیرہ کتب رکھتے تھے مگر نہ ملی۔

خواجہ عبدالمجید صاحب

قاضی صاحب بڑے نیک اور بزرگ اور بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔بڑے ملنسار اور خوش خلق اور محبت کرنے والے تھے......خاندان میں ان کی بڑی برکت تھی۔اور دعا گو بزرگ تھے۔

شیخ محمد ابراہیم علی عرفانی۔کراچی

......حضرت قاضی صاحب کی خوبیاں بیان کرنے کے لئے تو کئی صفحات درکار ہیں۔آپ مجسم

اخلاق کے پیکر اور اس خاکسار سے بے حد محبت فرماتے تھے............گذشتہ ماہ اگست میں میں نے عزیزی خالد عرفانی کی علالت پر ان کو دعا کی تحریک کی۔ جواباً فرمایا۔ ''میرے بس میں نہیں خلیفہ ثالث سے متوجہ ہوں۔'' میں اس کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔ بعد میں اسکے انتقال کی خبر دی۔.................. مجھے اس جانکاہ صدمہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بزرگوں کا سایہ ہی ختم ہوا............وہ تو اس دنیا سے رخصت ہوئے مگر وہ زندہ جاوید ہو گئے ہیں۔

فیض قادر ابن حضرت شیخ نور احمد صاحب کراچی

......حضرت قاضی صاحب ہمارے خاندان کے محسن بھی تھے۔ یہ انہی کا بابرکت وجود تھا۔ جس نے میرے والد صاحب محترم کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت پر مامور فرمایا۔............ جماعت کے اولین صحافی اور سلسلہ کے ناموس کی حفاظت کے لئے یہ شخص تادم مرگ سینہ سپر رہا۔

سید اعجاز مبارک کراچی

......حضرت بابا کے ہم سے جدا ہو جانے سے ہمارے خاندان میں ایک خلا پیدا ہو گیا ہے۔ وہ ہر ایک کے ہمدرد ہر ایک کے مہربان تھے۔ ہر کوئی یہی سمجھتا تھا کہ وہ صرف اس سے پیار کرتے ہیں۔ بے شمار خوبیوں کے مالک تھے ہم سب سے پدرانہ شفقت فرماتے .... ان کے حسن سلوک اور محبت انس اور پیار کو کبھی نہیں بھلایا جا سکتا۔ وہ الفاظ نہیں ملتے جن سے اپنے غم کا اظہار کر سکوں .... یہاں کراچی میں جمعہ میں خطبہ ثانیہ میں مولوی عبد الما لک خان صاحب نے حضرت بابا کی وفات کی خبر جماعت کو سنائی اور ان کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ عشق و محبت کے متعلق بھی بتایا۔ اور دو تین اشعار بھی سنائے اور بعد نماز جمعہ غائبانہ نماز جنازہ ہوئی۔

سید شریف ہیڈ کلرک پولیس گجرات

برادرم جہاں جماعت کا ایک انمول ہیرا گم ہو گیا وہاں اہل خاندان کو مجسمہ دعا مستجاب اور فرشتہ سیرت انسان کی علیحدگی سے ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔

محمد شفیع اشرف مربی سلسلہ احمدیہ

انا للہ و انا الیہ راجعون۔ بہت دکھ ہوا۔ ان کی وفات تو درحقیقت ایک عظیم جماعتی نقصان ہے۔ میرے تو وہ بہت ہی شفیق اور مہربان استاد تھے اللہ تعالیٰ اپنے قرب میں جگہ دے۔

محمد عبداللہ خان صاحب ہیڈ ماسٹر گوجرانوالہ

ہر آن کہ زاد دنیا چار بائدش نوشید	زجام دھر مئے کل من علیھا فان

حضرت قاضی صاحب کی وفات کا ہمیں بہت صدمہ ہوا ہے۔ مرحوم ہمارے لئے دعا کا ایک چشمہ تھے۔ اور فلک احمدیت کا ایک درخشندہ ستارہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

لطیف احمد قریشی گورنمنٹ کالج

انا للہ و انا الیہ راجعون حضرت قاضی صاحب قبلہ کی وفات میں آپ ایک شفیق و ہمدرد اور دعا گو باپ سے محروم ہو گئے۔ اور ہم سب ایک شفیق ہمدرد اور دعا گو بزرگ کی شفقت اور مستقل دعاؤں سے محروم ہو گئے۔

مکرم داؤد طاہر صاحب بی اے ربوہ

زندگی کس قدر ناپائیدار ہے، اس سے قبل بارہا اس امر کا مشاہدہ ہو چکا تھا۔ مگر آج حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکملؓ کی اچانک وفات نے اس احساس کو قوی تر کر دیا ہے ابھی چوبیس گھنٹے بھی تو نہیں گذرے۔ کل ہی کی بات ہے دو پہر کے قریب میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا بظاہر وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔ ہاں گذشتہ چند روز سے بازوؤں سینہ اور پیٹ میں درد کی جو شکایت انہیں تھی اس کا کچھ اثر باقی تھا۔ حضرت قاضی صاحبؓ سے میرا واقفیت کا عرصہ بہت مختصر ہے لیکن اس مختصر سے تعلق کے باوجود میرے دل و دماغ پر ان کی یادوں کے انمٹ نقوش جم ہو چکے ہیں۔ میرے ابا جان محترم مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر مرحوم و مغفور سابق انچارج صیغہ زود نویسی کے آپ کے ساتھ لمبی مدت سے گہرے مراسم تھے۔ مجھے بھی دو چار دفعہ کسی کام کی غرض سے آپ کے

پاس جانا پڑااوراس طرح میرا سطحی سا تعارف ہوا۔ ابا جان کی وفات کے بعد مجھے اکثر ان کے پاس جانے کا موقع ملتا رہا۔ شروع میں وقفہ وقفہ کے بعد شرفِ زیارت حاصل کرنا رہا مگر پھر ان کی شخصیت نے میرے دل میں ایسا گھر کر لیا۔ کہ جب تک دن میں ایک دفعہ بلکہ بعض اوقاف دو مرتبہ ان کے پاس نہ جاتا طبیعت کچھ بے چین سی رہتی۔ پرسوں صبح کی بات ہے ان کے لئے دوا لانے کی سعادت مجھے حاصل ہوئی۔ دوا تو میں نے پہنچا دی مگر ہسپتال کی پرچی میرے پاس ہی رہ گئی۔ حضرت قاضی صاحبؓ فرمانے لگے۔ ''وہ پرچی کسی وقت مجھے لا دیں۔ شاید پھر کبھی دوا منگوانے کی ضرورت ہو۔'' ارشاد کی تعمیل میں مَیں کل صبح حاضر ہوا۔ شاید اس خیال سے کہ میرے وقت کا ضیاع ہو رہا ہے۔ آپ نے بڑے شفقت بھرے لہجہ میں فرمایا۔ ''دیکھیں اپنی پڑھائی کی طرف خاص توجہ دیں۔ ان چھوٹی موٹی باتوں کی پروانہ نہ کیا کریں۔ یہ تو پھر بھی ہوتی رہیں گی......'' میں نے اس بات سے کچھ اور تاثر قبول کیا اور سوچا کہ جب تک یہاں ہوں ایک دن چھوڑ کے ان کے پاس جایا کروں گا۔ مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ ہماری آخری گفتگو ہے۔ اس کے بعد جب میں ان کے پاس جاؤں گا تو اس حالت میں کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہوگی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ان کے ساتھ یہ میری آخری ملاقات ہے اور میں ان کی شفقت ان کی محبت اور ان کی دعاؤں سے میں ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاؤں گا۔ حضرت قاضی صاحبؓ کو خدا تعالیٰ کے فضل سے بیش بہاء دینی نعمتیں حاصل تھیں آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ خلافت اولیٰ وثانیہ کے دوران آپ کو عظیم جماعتی خدمات سرانجام دینے کے گراں بہا مواقع نصیب ہوئے اور پھر خلافت ثالثہ کا کچھ زمانہ بھی آپ نے دیکھا آپ کی شخصیت بڑی پرکشش تھی۔ آپ کی مجلس میں ہر طبقہ کے لوگ بیٹھے تھے۔ مکرم مرزا عبدالحمید صاحب ریٹائرڈ کارکن صدر انجمن احمدیہ نے ایک دفعہ میری موجودگی میں حضرت قاضی صاحب کے سامنے ان کی زندگی کا ایک واقعہ دہراتے ہوئے بیان کیا کہ ایک دفعہ آپ نے ایک نظم لکھی تھی جس کا عنوان تھا

مقبرہ میں مجھے تھوڑی سی زمین مل جائے یہ نظم الفضل میں شائع ہوئی اتفاقاً ان اشعار کی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد ہی آپ شدید طور پر بیمار ہو گئے۔ انہی دنوں ایک شام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور حضرت قاضی صاحب کی چارپائی کے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گئے اور مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ''کیوں قاضی صاحب ابھی مقبرہ جانے کی تیاری کر لی؟'' پارٹیشن کے بعد تقریباً آٹھ نو سال آپ لاہور میں ہی تشریف فرما رہے اور اس کے بعد غالباً 1956 میں حضرت المصلح الموعودؓ کے خصوصی ارشاد پر ربوہ تشریف لائے اور پھر اس خاک سے انہیں ایسا اُنس ہوا کہ لحہ بھر کے لیے بھی تو اس سے جدا ہونا آپ نے گوارا نہیں فرمایا بس اسی کے ہو کر رہ گئے۔ حضورؓ کی شفقت سے انہوں نے وافر حصہ پایا تھا چنانچہ حضورؓ نے ان کی رہائش کے لیے علیحدہ مکان مہیا فرمایا جس میں آپ تا وفات قریباً 10 سال کا عرصہ قیام پذیر رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی وفات پر آپ کی آخری زیارت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت قاضی صاحبؓ لکھتے ہیں۔ ''8 نومبر کی صبح کو زائرین کا تانتا لگ گیا۔ میں بیمار و ناتواں، میرے دل کی تڑپ رنگ لائی اور ایک کار 9 نومبر میرے لیے بھجوائی گئی تا میں آخری زیارت کا مشرف ہو سکوں۔ میں سرہانے کھڑا ہوا اور میں نے آواز سے کہا یہ دولب ہیں جن سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جبین مبارک پر بوسے کا شرف عالم وارفتگی میں حاصل کیا تھا اب حضور کی پیشانی پر بوسہ دیتا ہوں۔ **طبت حيًّا و ميتًا** کہا اور **اللهم ارفع مقامه فی الجنة** کہتا واپس لوٹ آیا۔'' (الفرقان فضل عمر نمبر) حضرت قاضی صاحبؓ جہاں اپنے ہم عمر ساتھیوں کے لیے ایک مخلص و ہمدرد دوست تھے وہاں اپنے پاس اٹھنے بیٹھنے والے نوجوانوں کے لیے ایک شفیق باپ کی حیثیت رکھتے تھے میں ان کے ساتھ کسی حد تک بے تکلف ہو چکا تھا۔ ہمارے گھریلو معاملات کے متعلق بڑی دلچسپی کے ساتھ اکثر دریافت فرماتے رہتے اور اگر کوئی معاملہ مشورہ طلب ہوتا تو مناسب رنگ میں رہنمائی بھی فرماتے۔ میرے ساتھ ان کا سلوک ایسا ہی تھا جیسا ایک ہمدرد باپ کا اپنے عزیز بچے کے ساتھ

مجھے یاد ہے گزشتہ عیدالفطر کے موقع پر کچھ رقم دیتے ہوئے آپ فرمانے لگے ''معلوم نہیں آپ کے ابا آپ کو کتنی عیدی دیا کرتے تھے میں گھر میں بچوں کو اتنی ہی عیدی دیتا ہوں۔ آپ بھی تو اپنے عزیز ہیں یہ آپ کی عیدی ہے قطع نظر اس کے کہ وہ رقم کتنی تھی آپ اس لطف وکرم کا اندازہ لگائیے جس کا میں حصہ دار بنا۔ بحیثیت شاعر حضرت قاضی صاحبؓ جماعت نے بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ سلسلہ کے اخبارات وجرائد اس پر گواہ ہیں۔ اکثر جماعتی تقریبات پر آپ کی کوئی نہ کوئی نظم حاضرین کی خدمت میں پیش کی جاتی۔ آپ کی شاعری میں سلاست وروانگی اور قادرالکلامی کے ساتھ ساتھ سادگی بھی بدرجہ اتم پائی جاتی تھی مجھے یاد ہے گزشتہ دسمبر میں میرے ایک عریضہ کا جواب آپ نے نظم کی صورت میں ارسال کیا تھا جس کا آغاز ان اشعار سے ہوا تھا

میرے پیارے داؤد طاہر سلام	محبت بھرا تیرا پہنچا پیام
خدا کا کرم شامل حال ہو	مبارک ہر اک ماہ ہر سال ہو

چند اور اشعار کے بعد آپ نے اختتام میں لکھا

رہے آلِ یعقوب خوش خوش تمام ہوا ختم اکمل کا خط وسلام

کئی دوست ان سے دعا کے لیے عرض کرتے رہتے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ان کی دعائیں بارگاہِ ایزدی میں اکثر شرف قبولیت حاصل کرتیں۔ مجھے بھی کئی دفعہ اپنے ذاتی معاملات کے متعلق ان کی خدمت میں دعا کے لیے درخواست کرنے کا موقع ملتا رہا یہ محض اللہ کا کرم تھا کہ عموماً معاملات سلجھ جاتے۔ آپ اپنے کوارٹر میں اکیلے رہا کرتے تھے آپ کے فرزند اکبر عبدالرحمٰن صاحب جنید ہاشمی نے بتایا کہ گزشتہ چند روز سے آپ نے اپنے کمرے کا اندرونی دروازہ مستقل طور پر کھول دیا تھا اور فرماتے تھے ایسا نہ ہو کہ میں اندر ہی اندر بند رہ جاؤں اور آپ لوگ باہر سے کھٹکھٹاتے رہیں۔

آپ نے اپنی قبر کے لیے کتبہ بھی خود ہی لکھ رکھا تھا جو اب آپ کے قلمی دیوان کے آخری

صفحات سے دستیاب ہوا ہے۔نام،تاریخ، پیدائش وغیرہ کے بعد یہ اشعار آپ نے لکھے ہوئے ہیں۔

مہاجر الی اللہ مسلمان اکملؔ	مسیح محمد پہ قربان اکملؔ
برس گزرے چالیس تو قادیان	تو ربوہ میں جاناں کو دی جان اکملؔ
یہ اتمام نعمت ہے ربوہ کی ہجرت	خلافت کا تابع ہے ہر آن اکملؔ
ہے گولیکی مولد تو مدفن ہے ربوہ	مطیع خلافت ہے ہر آن اکملؔ

دعا ہے کہ پا جائے غفران اکملؔ

حضرت قاضی صاحب دبلے پتلے جسم کے مالک تھے جب سے میرا ان سے تعارف ہوا میں نے انہیں لیٹے ہوئے دیکھا اور بتانے والے بتاتے ہیں کہ آپ شروع سے ہی سارے کام لیٹ کر سرانجام دیا کرتے تھے قادیان میں آپ کا دفتر قاضی صاحب کا دربار کے نام سے مشہور تھا گاؤ تکیہ کے سہارے آپ تخت پوش پر بیٹھے رہتے دفتری کارکنان اردگرد بیٹھے کام کرتے رہتے، چلنے پھرنے اور سفر سے آپ عموماً گھبراتے تھے میں نے ابا جان سے سنا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات سے لے کر ملکی تقسیم تک قریباً 40 سال کا طویل عرصہ سوائے اس کے کہ کسی اشد مجبوری نے آپ کے اس معمول میں روک ڈال دی ہو۔روزانہ حضور کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر دعا کرتے رہے۔ ڈائری لکھنے کی بڑی پختہ عادت تھی۔ چنانچہ نامعلوم کب سے شروع کیا ہوا یہ سلسلہ کل رات اختتام پذیر ہوا آپ ڈائری میں ذاتی نوعیت کے واقعات سے لے کر طلوع غروب شمس کے واقعات کا ذکر فرماتے۔اپنی خودنوشت سوانحی یادداشوں میں لکھا ہے کہ آپ کی زندگی کو نو،نو سال کے ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔آپ کی زندگی کا آخری نو سالہ دور وہ ہے جب آپ ستمبر 56ء میں ربوہ آئے اور نو برس مکمل کرنے کے بعد راہی ملک عدم ہوئے۔خدا سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت قاضی صاحب کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کا حافظ و ناصر ہو۔ اللھم ارفع مقامہ فی الجنۃ۔(الفضل 2 اکتوبر 1966ء)

حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات زندگی

مکرم جنید ہاشمی صاحب بی اے

میرے والد بزرگوار حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل رضی اللہ عنہ کی 86 سالہ زندگی علمی و ادبی رشحات، قلمی وتحریری مطبوعات کے لحاظ سے اس قدر بھر پور ہے کہ ان سب باتوں کا احاطہ کرنا ایک مختصر مضمون میں ممکن نہیں۔ ابھی آپ کی بہت چھوٹی عمر ہی تھی کہ ملک کے چیدہ چیدہ اخبارات ورسائل میں آپ کے مضامین شائع ہونے لگے تھے اور عمر کے آخری لمحے تک اخبارات و رسائل کو بغور پڑھنے کا شغل جاری رکھا اور تحریری کام سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ آپ بیک وقت خوب نویس، خوش نویس اور زود نویس تھے۔ تحریر میں شگفتگی اور رنگینی تھی۔ آپ صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ نثر نگاری میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے۔ آپ 19 ویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل کے زمانہ دلبستان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی تحریر کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

’’پہلو میں دل، دل میں درد، درد میں سوز، سوز میں رقت پیدا کرنے والے خدا کی حمد وستائش سے عہدہ برآ ہونا میرا کام نہیں ہے۔ ایک ہی ہے جو حامد ہو کر محمد کہلایا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور جس کا مظہراتم اس چودھویں صدی میں احمد کے نام سے آیا۔ جس نے ہمیں پھر توحید کا ترانہ سنا کر وہ محبوب ازلی یاد دلایا جو حسن واحسان کا سرچشمہ، تمام خوبیوں سے متصف، سارے نقصوں سے منزہ دلدار و دلربا ہستی ہے۔ جس کی شان محبوبی کچھ کچھ ان پرنور چہروں میں پائی جاتی ہے۔ جو مفاسد زمانہ کے ظلمات میں آفتاب عالمتاب ہو کر افق وحی والہام پر درخشاں ہوتے ہیں۔ شپرّہ چشم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ مگر وہ جن کو آنکھیں دی گئی ہیں اس کے جلوہ دیدار کی تاب نہیں لا سکتے۔ ایک ہی

جھلک سے بے خود ہو کر گھر بار چھوڑ خویش و اقارب سے منہ موڑ یار و احباب سے رشتہ تعلق توڑ اسی کے دروازے پر دھونی آ رماتے ہیں.......................الخ‘‘

آپ نے اپنی بیاض میں ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ ’’میں اپنی زندگی کو نو نو سالوں میں تقسیم شدہ دیکھتا ہوں۔‘‘ اس لیے خاکسار اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کی زندگی کے چند اہم واقعات سن وار ایک اجمالی خاکہ کی صورت میں پیش کرتا ہے جو بعد میں تفصیلی حالات زندگی مرتب کرتے وقت ان شاء اللہ کام آئیں گے۔

1881ء تا 1884ء

آپ 25 مارچ 1881ء مطابق 25 ربیع الثانی 1298 ہجری کو موضع گولیکی نزد گنجاہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ یہ تین دن کا عرصہ شیر خوارگی اس زمانہ کی دیہاتی رسومات میں گزارا۔ تاریخی نام (محمد ظہور الدین 1298ھ) آپ کے والد ماجد نے رکھا۔

1884ء تا 1893ء

اس زمانہ میں آپ نے گھر پر قرآن کریم، احادیث اور دیگر عربی و فارسی کی ابتدائی کتب پڑھیں۔1898 میں بعمر آٹھ سال آپ کا نکاح آپ کے ماموں پیر محمد رمضان صاحب رضی اللہ عنہ کی دختر سکینۃ النساء بیگم (بعمر چار سال) سے کر دیا گیا۔ رخصتانہ (پنجابی ’’مکلاوا‘‘) 1901ء میں ہوا۔

پیر مولوی محمد رمضان صاحب آف گولیکی کا نام ’’حقیقۃ الوحی‘‘ میں شہاب ثاقب دیکھنے اور پیشگوئی پورا ہونے کی شہادت کے طور پر درج ہے۔ آپ بھی ابو اکمل حضرت مولانا امام الدین صاحب فیض کی بیعت اور واپسی گولیکی پر مشرف بہ بیعت بذریعہ خط ہو گئے تھے۔ 1891ء میں حضرت والد صاحب نے چوتھی جماعت پاس کی اور اپنی دادی صاحبہ کے ساتھ اپنی پھوپھو (محمد بی بی) کی شادی پر امرتسر گئے۔ یہ رشتہ مشہور معاند سلسلہ مولوی فیض اللہ صاحب امرتسری سے

ہوا۔اور ہمارے خاندان کے خونی تعلقات غزنوی خاندان سے ہوئے۔

1893ء تا 1902ء

1895ء میں حضرت والد صاحب نے مڈل فارسی ورنیکلر کنجاہ سے پاس کیا۔اس وقت کنجاہ میں بڑے بڑے عالم دین مثلاً ڈپٹی نذیر احمد آف دہلی اور مولوی احمد دین صاحب اور مولوی محمد دین صاحب وغیرھم جیسے حفاظ اور فقیہہ پڑھایا کرتے تھے اور کنجاہ کا مدرسہ فقہ وحدیث اور علم الکلام وتدریس منطق کی مشہور آماجگاہ اور مرکز بن گیا تھا۔ 96،97ء میں آپ مشن ہائی سکول گجرات کی جونیئر سپیشل کلاس میں داخل ہوئے اور تقریباً روزانہ گولیکی سے گجرات (فاصلہ سات میل) سکول پڑھنے جایا کرتے تھے۔ہمیں کئی عجیب وغریب واقعات (جو راستہ میں پیش آئے تھے) سنایا کرتے تھے۔میرے داداجانؓ حضرت مولوی امام الدین فیض صاحب فیض اکتوبر 1995ء میں اپنے پیر جورتڑ چھتڑ کے سید تھے سے ملاقات کے لیے بٹالہ تک گئے۔بٹالہ میں بھی انہوں نے کسی عرس پر حاضر ہونا تھا۔اس لیے ٹھہر گئے۔وہاں آپ نے حضرت مسیح موعود امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں بہت کچھ سنا۔وہیں سے ایک روز کے لیے قادیان بھی خاموشی سے ہوآئے۔پھر دسمبر 1895ء کے جلسہ سالانہ پر باقاعدہ حاضر ہوکر حضور علیہ السلام کی دستی بیعت سے مشرف ہوئے اور اپنی اہلیہ مکرمہ اپنے دونوں بچوں اور دیگر افرادخانہ کے نام بھی لکھوادیے۔واپس گولیکی آ کر گھر میں حضرت اقدس علیہ السلام کا پیغام اور کچھ کتب پڑھنے کے لیے کہا۔چنانچہ والد ماجد نے بھی بیعت کا خط لکھا۔اور اکثر افراد خاندان نے دو چار سالوں کے اندر باقاعدہ بیعت کر لی۔ الحمدللہ۔

1897ء کے اواخر میں آپ مولوی فیض اللہ صاحب امرتسری کے پاس اسلامیہ ہائی سکول میں انٹرنس پڑھنے کے لیے بھجوائے گئے۔وہاں سے آپ قادیان میں دستی بیعت کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اور پھر بیٹر فیروز پور میں داروغہ عبدالحمید کے پاس

بھیجے گئے۔ پھر جہلم میں کرتی سنگھ جج کی عدالت میں کچھ دیر ملازمت کی اور چندروز موضع خوجیانوالی میں امدادی مکتب میں بھی کام کیا۔ اسی دوران آپ کو ملک کے اخبارات اور رسائل میں مضامین چھپوانے اور شاعری کا شوق پیدا ہوا اور کئی رسالوں اور کتابوں کی تصنیف کی۔ لیکن منشائے ربّی کچھ اور تھا کہ آپ مختلف عوارض و امراض میں مبتلا ہو گئے بحالت تپ لازم گولیکی میں مقیم رہے۔ دیہاتی علاج و معالجہ ہوتا رہا۔ اسی زمانہ میں آپ نے قصص القران، دو حصے مشتمل بر پانچ ہزار اشعار رسالہ وفادار سیالکوٹ کے مولوی فضل الدین صاحب کے ذریعے چھپوائے۔ ظہور المسیح حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی کے ذریعہ چھپوائی۔ یہ کتاب آپ نے مسیح بن مریم علیہ السلام کی وفات اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مسیح موعود ہونے کے ثبوت لکھی۔ دیباچہ میں مخدوم الملت مولانا عبدالکریم صاحب رضی اللہ تعالیٰ کا تحریر کردہ سرٹیفکیٹ موجود ہے کہ

''میں نے ظہور مسیح کا مسودہ پڑھا مجھے خوب یاد ہے کہ میں پڑھتے پڑھتے دل کی تواجد اور تراقص کو ضبط نہیں کر سکتا تھا۔'' .... میرے خوردم دلحسن مولوی نورالدین صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ) میری رائے سے متفق ہیں۔ عبدالکریم۔''

1902ء تک آپ نے نہ صرف ہندوستان کے تقریباً ہر اخبار میں مضامین چھپوائے بلکہ 25 کے قریب کتب اور رسائل بھی طبع کرائے۔ جس میں ناول، بچوں کے نام منظوم حکایات، قرآنی سورتوں اور احادیث کا منظوم ترجمہ، اردو فارسی اور پنجابی زبان میں قصائد، غزلیات مذہبی اور روحانی مسائل پر نثر نگاری کے بیش قیمت مضامین ملتے ہیں اور پھر الحکم اور البدر قادیان میں جو مضامین بھجواتے رہے۔ ان کی فہرست بہت طویل ہے۔

1902ء تا 1911ء

اس زمانہ میں اکثر قادیان آنا جانا شروع کر دیا تھا اور چونکہ اس زمانہ میں قادیان میں باقاعدہ ملازمت کا کوئی نظام نہ تھا۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے ماتحت ''البدر'' میں اسسٹنٹ کا کام

کرتے رہے لیکن آزاد تھے کبھی گاؤں چلے جاتے کبھی سفر پر۔ چند قابل ذکر واقعات درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

1904ء ماہ ستمبر میں حضرت مولوی غلام رسول صاحبؓ لنگے والوں نے لاہور جا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور ''لیکچر لاہور'' سنا۔ پھر ماہ نومبر 1904ء میں ''سیالکوٹ کا لیکچر'' سنا۔ وزیر آباد کے ریلوے اسٹیشن پر موقعہ مل گیا اور آپ نے جی بھر کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مسائل دریافت کیے۔ یہیں پر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ نے آپ کو قادیان ہجرت کر کے آنے کی تاکید فرمائی۔ 1905ء میں بعد زلزلہ مولوی غلام رسول صاحبؓ کے ساتھ لاہور جلسہ حمایت الاسلام میں گئے اور بٹالہ میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے ملاقات اور خوب بحث کی۔ 1906ء کے جلسہ سالانہ میں ہجرت کر کے قادیان میں آ گئے۔ اپنی ایک نظم میں فرماتے ہیں۔

کیوں گولیکی میں رہتا۔ کیا بے وفا تھا کوئی
ہم قادیان کے اکمل اور قادیانی ہمارا

جنوری 1907ء میں حضور علیہ السلام نماز ظہر کے بعد مسجد مبارک میں تشریف فرما ہوئے۔ تو آپ نے وہ نظم حضور کی خدمت میں پڑھ کر سنائی جو قبل از نماز آپ نے فی البدیہہ کہی تھی۔ جس کے ایک دو شعر ہیں۔

آتش فرقتِ محبوب نے جب گرمایا
جذبۂ شوقِ زیارت مجھے پھر لے آیا
پھوٹے وہ آنکھ نہ جس میں ہو ترا شوق دید
ٹوٹے وہ ہاتھ جو بیعت کو نہ تیری آیا

1906ء سے قبل آپ کئی شہروں اور قصبوں میں سفر پر گئے۔ جن کی غرض و غایت تبلیغ احمدیت

اور حصولِ علم یا تلاشِ معاش معلوم ہوتی ہے۔ ان میں سیالکوٹ، جموں، لاہور، امرتسر، فیروز پور، ہوشیار پور، لدھیانہ اور بعض ریاستیں ہیں۔ ان سفروں اور اپنی بیماریوں کا ذکر بڑے دلچسپ پیرایہ میں ان کی سال بہ سال کی مثنویوں میں موجود ہے۔ 1907ء میں باقاعدہ طور پر اخبار بدر میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔ اس سال انہوں نے ضلع گجرات کا تبلیغی دورہ بھی کیا۔ جگہ جگہ مساجد میں جلسے کرا کے تقریریں بھی کیں۔ رَنل مَل، رجوعہ، کھاریاں کے تبلیغی جلسے بڑے کامیاب رہے۔ ایک دفعہ ذکر کیا کہ شاید علاقہ گجرات میں پہلا مار کھانے والا احمدی ہونے کا مجھے فخر حاصل ہے۔ ایک جگہ (شاید میاں وڈے کا درس) میں بیس پچیس مولویوں سے ''وفات مسیح'' پر گفتگو ہو رہی تھی کہ آپ نے فرفر حوالے پڑھنے شروع کر دیئے۔ ایک ملاں نے بڑھ کر تھپڑ مار دیا اور کہا۔ ''حوالے پڑھتے ہو؟ ہم نے تو کبھی حوالے نہیں دیئے''

1908ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال ہوا۔ وصال سے چند دن قبل آپ ایک نظم کے ذریعہ حضور علیہ السلام کے پاس لاہور پہنچے۔ لاہور میں بدر کی طباعت کا کام بھی تھا۔ حضور کے جنازہ کے ساتھ قادیان واپس آئے۔ خلافت اولیٰ کے زمانہ میں قادیان میں کئی مکانات بدلے۔ پہلے حضرت مفتی صاحبؓ کے گھر کے ایک حصہ میں تھے۔ پھر 1909ء میں حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کے مکان کے باورچی خانہ والے کوارٹر میں دو ایک سال رہے۔

1911ء تا 1920ء

اس سے قبل آپ کے دو بچے جمشید عاقل (تولد 1903ء) اور ''خورشید احسن'' (تولد 1907ء) 1908ء میں یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے۔ جبکہ والدہ محترمہ اپنے وطن گولیکی میں تھیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول کی دعا سے خاکسار 1911ء میں اسی ''باورچی خانے'' میں پیدا ہوا۔ پھر 1913ء میں جبو چھیور کے بالا خانے میں شبلی پیدا ہوا۔ 1911ء ستمبر کے مہینے میں حسب خواہش حضرت سیدنا محمود (مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آپ ''تشحیذ الاذہان'' میں

باقاعدہ طور پر منتقل ہو گئے۔ 14 مارچ 1914ء قیام خلافت ثانیہ سے 1920ء تک آپ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی ہدایات اور ارشادات کے ماتحت دن رات قلمی جہاد کیا۔ اس میں معاندین و معترضین کے جوابات سلسلہ کے اخبارات کی طبع و اشاعت اور ایڈیٹری اور نظمیں اور مضامین سب شامل ہیں۔ ان کے تفصیلی ذکر کی گنجائش نہیں۔ البتہ ہم گھر والے اتنا جانتے ہیں کہ ہماری والدہ محترمہ جو خود لکھی پڑھی اور استانی تھی نے ہماری تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا والد صاحب تو دفتری اور سلسلہ کے کام میں اس قدر مصروف رہتے کہ اور کسی بات کی ہوش نہ تھی۔ 1912ء میں حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کی خاص عنایت اور تلطف سے برائے نام قیمت پر تشحیذ کے دفتر کی ساتھ والی زمین ہمیں ملی جس پر پہلے کچا، پھر غلانی اور پھر دو منزلہ پختہ مکان بنانے کی توفیق ملی۔ الحمد للہ رب العالمین۔ اس کے دروازے پر حضرت والد صاحب ؓ کا ہی شعر ہے۔

لاج رکھ لینا الٰہی کوششِ تعمیر کی
میں نے کچھ تنکے چنے ہیں آشیانے کے لیے

1920ء تا 1929ء

حضرت والد صاحب ؓ (جن کو اب سب خاندان کے افراد ''پاپا جان'' کہتے تھے) کی زندگی کا یہ زمانہ جماعت احمدیہ کے ہر اس فرد کو یاد ہوگا جو اس زمانہ میں کبھی نہ کبھی قادیان میں رہا ہے اور یا کم از کم ایک دو دفعہ زیارت قادیان کے لیے آیا ہے۔ اس عرصہ میں تشحیذ الاذہان کو ریویو اردو میں مدغم کر دیا گیا تھا۔ اور آپ کا عہدہ ناظم طبع و اشاعت تھا۔ جس کے ماتحت الفضل، مصباح، ریویو اور سن رائز احمدیہ گزٹ وغیرہ اخبارات و رسائل تھے۔ مطبع کی مینجری اور الفضل کی مینجری کے علاوہ دیگر تمام مطبوعات کے نگران تھے۔ مضامین تحریر کرنا، اصلاح کرنا اور ان کا انتخاب کرنا سب آپ کے سپرد تھا۔ ان تمام اخبارات و رسائل کے پرانے فائل اس پر گواہ ہیں۔

1929ءتا1938ء

1934ء تک اسی عہدے پر کام کرتے رہے لیکن اس کے بعد صحت جو اوائل عمر سے ہی مختلف امراض کی وجہ سے بالکل گر چکی تھی جواب دینے لگی عموماً لیٹ کر یا سرہانوں کا تکیہ لگا کر ہی کام کر سکتے تھے۔ اس لیے 1938ء میں ایک ایک کر کے سب کاموں سے دستکش ہو گئے۔

1938ء تا 1947ء

اس عرصہ کے دوران آپ نے ملازمت سے فراغت حاصل کر لی اور خانہ نشینی اختیار کر لی گھر میں صرف مطالعہ اخبارات ورسائل مذہبی ملک کے مختلف اخبارات روزانہ و ہفتہ وار میں مراسلات اور مضامین بھجواتے رہے جو کبھی ان کے نام سے چھپتے اور کبھی دیگر مختلف ناموں سے۔

مئی 1939ء کو خاکسار کی شادی مبارکہ بنت قاری رُحم صاحب کے ساتھ ہوئی۔ فروری 1940ء میں ان کا پہلا پوتا عزیز جاوید پیدا ہوا۔ 12، 13 اپریل 1940ء کو آپ کے والد ماجد حضرت مولانا مولوی امام الدین صاحب فیض رضی اللہ تعالیٰ کی وفات ہوئی اور قطعہ اوّل صحابہ بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہوئے۔

1947ء تا 1956ء

11 اکتوبر کو قادیان سے بہ امداد شیخ محمد ابراہیم علی صاحب عرفانی ٹرک میں سوار ہو کر 13 اکتوبر 1947ء لاہور میں 9 سال مہجورانہ زندگی بسر کی۔

اس عرصہ میں اخبار ملت، نوائے وقت، امروز ملکی اخبارات میں مسائل فقہ، اسلام پر اور دیگر اخلاقی مضامین وقتاً فوقتاً مختلف ناموں سے یا بغیر نام کے ہی چھپواتے رہے۔ غیر از جماعت حلقوں میں مولانا ظہور بدری'' یا صرف ''ظہور'' کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کے رؤیت ہلال، عیدین اور دیگر متنازعہ مسائل پر مضامین سے بڑے بڑے علماء حیران ہو جاتے تھے اور پوچھتے تھے کہ یہ کون فقیہہ پیدا ہو گیا ہے! اس کے علاوہ بدر قادیان اور المصلح کراچی اور ربوہ کے اخبارات میں کچھ نہ کچھ چھپتا رہا اور آپ نے اس تعلق کو محض للّٰہی قائم رکھا۔ اپنی نظموں اور اشعار میں قادیان کی یاد

کو ہمیشہ تازہ رکھا۔ ان کی مشہور عام نظم کے چند شعر یہ ہیں۔

آتی ہیں یاد ہر دم وہ قادیان کی گلیاں
وہ قادیان کی گلیاں، دارالامان کی گلیاں
ذکرِ خدا کا لب پر، ایک کیف طاری سب پر
ہر دم بھروسہ رب پر، اب وہ کہاں کی گلیاں
وہ پاک باز بچے، قولوں کے اپنے سچے
وہ پختہ کار بوڑھے، صاحب قرآن کی گلیاں
چالیس سال رہ کر، اکمل بہ حال ابتر
آتی ہیں یاد اکثر دارالاماں کی گلیاں

1956ء تا 1965ء

17 ستمبر 1956ء حضور خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خواہش پر اور حضور کے بلانے پر خاکسار کے کوارٹر کے ساتھ دار الصدر شرقی میں رہائش اختیار کی۔ یہاں بھی ان کو قادیان کی یاد ستاتی رہی۔

قافلے جاتے جو سوئے قادیان دیکھا کیے
ہم بڑی حسرت سے راہ کاروائی دیکھا کیے

تاہم سرزمین ربوہ کو بھی پاک اور مقدس گردانتے تھے۔

اکمل بہ یاد دارالامان سرد آہ بھر
اور اس کے بعد ربوہ پہ اپنی نگاہ کر
ربوہ وہ سرزمیں، تقدس کے نام پر
آتے نظر ہیں جس پہ فرشتوں کے پَر ہی پَر
پہنائے دشت میں ہے کھلا لالہ زار حسن

نغمہ سرا ہیں طائر نوری بہ بام پر

گر آبیاری چشم کے چشموں سے سب کریں

یہ روحہ اسماعیل کا دے گا ہمیں ثمر

ان کی ربوہ کی زندگی کے ایام اگرچہ خاموشی اورعزت پسندی میں گزرے تاہم انہوں نے تحریروں اور منظومات کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے۔آپ نے ابتدائے عمر سے ہی ڈائری لکھنے کی عادت بڑی باقاعدگی سے جاری رکھی 1906ء سے قبل تو ہر سال کے شروع میں ایک مثنوی کے ذریعہ گزرے ہوئے سال کے اہم حالات اور ذاتی حالات نظم کر دیتے تھے۔اس کے بعد قادیان میں الحکم، البدر اور پھر الفضل کے لیے ’’مدینۃ المسیح ‘‘ کے عنوان سے ضروری حالات لکھتے رہے۔ افسوس ہے کہ قادیان کی یہ ڈائریاں باوجود کوشش کے دستیاب نہیں ہوسکیں۔البتہ لاہور اور ربوہ کی ڈائریاں خاکسار کے پاس محفوظ ہیں۔دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ ان میں سے سلسلہ احمدیت کے متعلق اگر کوئی مواد ہوا تو منظر عام پر لاسکوں۔آمین۔

نمونۃً 9 نومبر 1965ء کا ایک صفحہ درج ذیل ہے۔

’’1965ء ہر نویں سال کچھ انقلاب میری زندگی میں ہوتا ہے۔شب درمیان 7، 8 نومبر 2:20 پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا وصال ہوا۔ 9 نومبر ساڑھے 12 بجے چہرہ آخری دیکھنے کے لیے کار آئی۔وہاں پہنچ کر جاوید ساتھ، ڈرائیور مودود احمد خان بن نواب مسعود احمد خان تھے، جبیں پر بوسہ دیا۔طبت حیتنا اللھم ارفع مقامہ فی الجنۃ۔واپس آیا تو وہ نظارہ پورا ہوا جو 62ء میں دیکھا کہ ریش سفید بزرگ وصال پر مرثیہ پڑھ رہا ہوں۔ 25 اشعار الفضل میں یعقوب طاہر نے چھپوا دیئے۔ 12 نومبر جمعہ ساڑھے سات بجے بغیر درخواست ناگاہ حضرت خلیفۃ المسیح ثالث مرزا ناصر احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز تشریف لائے۔کہ دعا کے لیے آیا ہوں۔ 15، 20 منٹ بیٹھے۔پھر ’’استانی سکینہ‘‘ کی عیادت کی۔دعا ہوئی............‘‘

مندرجہ بالا مضمون میں خاکسار کے مطمع نظر آپ کی زندگی پر کوئی سیر حاصل تبصرہ نہیں ہے۔ بلکہ تربیت کے لحاظ سے بعض ضروری امور کی نشاندہی کرنا ہے۔ اب آپ کی زندگی کے اوصاف حمیدہ میں سے چند ایک ایسی عادات و خصائل کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ جو آپ کی فطرت ثانیہ بن چکی تھیں۔ احمدی نوجوانوں کے لیے اس میں بڑے سبق ہیں۔ ایک زندہ قوم کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے اجداد و اسلاف کے اسوہ حسنہ کو اپنائیں تا کہ دین و دنیا میں ان کی فلاح و بہبودی کا باعث بنیں۔

1۔ سب سے پہلی خصوصیت آپ کی محنت شاقہ اور غیر مساعد حالات میں بھی خدا تعالیٰ پر کامل توکل رکھ کر اپنے مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔ انیسویں صدی کا آخر اور بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں انگریزی تہذیب وتمدن سے دامن بچا کر مذہبی اور اسلامی تعلیم حاصل کرنا ایک بڑا مجاہدہ تھا۔ آپ نے ایک غیر معروف سے گاؤں سے پل کر تعلیم وتربیت حاصل کی۔ روپیہ پیسہ اور دنیاوی عزوجاہ کی طرف دھیان نہیں دیا اور ہوش سنبھالتے ہی آپ کی سعید روح نے امام زمان کو پہچان لیا۔ آپ کی عمر صرف 16 سال تھی۔ جب آپ دستی بیعت کے لیے قادیان حاضر ہوئے اور بیعت کر کے کسی دنیاوی فائدے کے لیے نہیں بیٹھ گئے۔ بلکہ عقائد احمدیت اور اسلام کو پھیلانے کے لیے ملکی اخبارات میں اخلاقی واسلامی مضامین کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ 1906ء میں ہجرت کر آنے کے بعد انہوں نے سلسلہ عالیہ انبیاء کی حمایت اور ابلاغ میں دن رات ایک کر دیا۔ جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

2۔ آپ قادیان میں چالیس بیالیس سال رہے ہیں۔ اس عرصہ میں قریباً ہر روز بلا ناغہ نماز فجر کے بعد مزار حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حاضری دی ہے۔ بارش آندھی وغیرہ کی بھی پرواہ نہیں کی۔ البتہ ایسی حالت بیماری یا ضرورت لا یطاق کے وقت کہ ناغہ ہو جائے شام کو یا کسی اگلے وقت تلافی کر لیتے تھے آپ کی نظموں میں بہشتی مقبرہ، مزار اقدس اور باغ کی طرف کئی اشارات

پائے جاتے تھے مثلاً

مسیح پاک کے روضے پہ حاضری دینا
جنابِ واعظ ملت نے شرک فرمایا
خلاف طبع نہ گزرے تو پوچھ لوں اتنا
کہ شرک ہو گیا کیوں کر دعا وہاں کرنا
یہی ہے مذہب عشاق اور رہے گا یہی
اسے تو کوئی بھی اکمل بدل نہیں سکتا
علی الصبح کے مردم بکار دبارروند
بلائشان محبت بکوئے یار دوند

1918ء

3۔ نوجوانوں میں سے اگر کسی میں مسلمی شوق اور ادبی ذوق پاتے تو اس کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ بیسیوں نوجوانوں کی مضمون نگاری اور شعروں کی اصلاح کی۔ آپ کا حلقہ احباب بھی بڑا وسیع تھا جن سے ملاقات اور علمی، مذہبی باتیں کرنا پسند کرتے تھے اور اکثر احباب سے خط و کتابت بھی تھی اور ایک خصوصیت قابل ذکر ہے کہ کسی بھی اخبار میں اگر سلسلہ احمدیہ اور اسلام کے عقائد کے خلاف کوئی اعتراض دیکھتے تو اوّل تو فوراً اس کا جواب لکھ بھیجتے۔ ورنہ کم از کم صحیح اسلامی عقیدہ اور اعتراض کا جواب مضمون نگار کو ذاتی خط لکھ کر بھجوا دیا کرتے۔ خاکسار ذاتی طور پر جانتا ہے کہ پاک و ہند کے بڑے بڑے مشہور علماء اور ادباء کو جواباً خطوط لکھ بھیجتے تھے۔ اس میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔

4۔ آپ کے بعض ذاتی خصائل اور عادات ایسی تھی کہ ہمارے نوجوانوں کو ان کا اختیار کر لینا شعار اسلامی اور روایات احمدیت کے لیے ازبس ضروری ہے تاکہ وہ غیر از جماعت لوگوں کے لیے

زندہ اور عملی نمونہ بنیں۔ مثلاً قناعت وتوکل، سادہ رہن سہن، وقت کی پابندی، فضولیات سے پرہیز، کام میں باقاعدگی وغیرہ

آخر میں احباب کرام سے والد مرحوم کی مغفرت اور بخشش کے لیے دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو اپنے قرب میں جگہ دے اور اعلیٰ علیین میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین

تصانیف

آپ نے بہت ہی چھوٹی عمر میں مضمون نگاری شروع کر دی تھی۔ چنانچہ آپ کی تالیف جن میں کتب رسائل وغیرہ شامل ہیں کی تعداد 40 سے تجاوز کرتی ہے۔ ابتدائی کتب میں پنج گنج (چار قل اور عمّا یتسألون پنجابی اردو منظوم ترجمہ) قصص القرآن (پانچہزار اشعار) سخن خواب (مجموعہ حکایات منظومہ)۔ تفسیر منظوم سورۃ الرحمٰن اور سورۃ یٰسین) قصیدہ امالی (منظوم ترجمہ) کتاب صرف، ناول دوعدہ۔ سبحۃ المرجان (غزلیات، قصائد، مثنویات) وغیرہ ہیں اور 1906ء کے بعد نغمۂ اکمل (دس حصص) الواح الہدیٰ (احادیث) ظہور المسیح اور ظہور المہدی، کرامات المہدی، استخلاف وغیرہ وغیرہ کئی مشہور کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ مضامین اور مراسلات جو سلسلہ کے اخباروں کے علاوہ ملک کے دیگر اخباروں میں لکھے ان کا شمار نہیں۔ صرف 1903ء کی ایک بنائی ہوئی فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے 28 مختلف اخباروں میں 136 مضامین صرف ایک سال کے عرصہ میں لکھے۔ 1907ء میں بدر میں علاوہ ڈائری کے 18 اور الحکم میں 10 مضامین نام سے چھپے ہیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی قلمی خدمات کے صلے میں خدا تعالیٰ محض اپنے رحم و فضل سے جماعت میں ان کا نعم البدل پیدا کرتا رہے تا یہ سلسلہ تا قیامت اعلائے کلمۃ الحق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے والا ہو۔ اللھم آمین۔

(الفضل 8، 11، 22 نومبر 1966ء)

حضرت قاضی ظہورالدین اکمل صاحبؓ

نسیم سیفی صاحب

اس مرد باوفا کی وفاؤں کا ذکر کر
نغمہ نواز دین کی نواؤں کا ذکر کر
ہر لمحہ جس کی زیست کا صرف جہاد تھا
اس غازی قلم کی اداؤں کا ذکر کر
ہوتی تھی جن میں روح کی بالیدگی نصیب
ان صحبتوں کی مست فضاؤں کا ذکر کر
جس دل میں تھی یقین کی آگ آتش خموش
اس کی شبانہ روز دعاؤں کا ذکر کر
اس خادم مسیح محمد کی یاد میں
ملت کے سارے راہنماؤں کا ذکر کر
برسوں رہا وہ محفل شعر و سخن کی جان
برسین جو دل پہ ایسی گھٹاؤں کا ذکر کر
اس کی قلم کی شوخیٔ تحریر کے لئے
رخ موڑ دینے والی ہواؤں کا ذکر کر
دلدادہ صحافت و تصنیف و شاعری
اکمل کا یعنی دین کی شعاعوں کا ذکر کر

باب۔روایات
حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام
وخلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

حضرت قاضی اکمل صاحب کے کارہائے نمایاں میں سے امتیازی شان کا حامل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ملفوظات اور ارشادات خلفاء اور تاریخی واقعات سلسلہ کو محفوظ کرنا ہے۔ یہاں آپ کی محفوظ کردہ روایات میں سے کچھ کا ذکر کر رہا ہوں۔ ورنہ یہ کتاب تو ''روایات'' کے باب سے ہی پورا ہو جائے گا۔اللہ تعالیٰ حضرت قاضی صاحب کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔آمین اللھم آمین

روایات حضرت قاضی اکمل صاحبؓ

لیکچر لاہور کے متعلق

دہلی دروازہ کے باہر جہاں آج کل احمدیہ مسجد ہے عجیب منظر تھا۔دشمنوں کی مخالفت زوروں پر تھی اور وہ بھی ایسی ایسی حرکات کرتے تھے جس سے ثابت ہوتا تھا کہ یہ لوگ جوش میں دیوانہ ہو رہے ہیں۔ایک مولوی تھا۔وہ سڑک کے کنارے ایک درخت پر چڑھ کر گالیاں دے رہا تھا۔اس کی مجنونانہ پر وحشت حرکات دیکھنے کے لئے ہمارے بعض احباب بھی راہ چلتے کھڑے ہو جاتے اور مولانا عبدالکریم رضی اللہ عنہ فرماتے کہ میں سمجھ نہیں سکتا۔اس کی آواز ہمارے دوست سن کس کس طرح سکتے ہیں۔جس روز لیکچر ہوا۔دس بارہ ہزار کا مجمع تھا۔عجب شان تھی۔مولانا عبدالکریمؓ نے لیکچر نہایت بلند آہنگی سے پڑھا۔اور بعد میں لوگوں کی درخواست پر حضور نے خود بھی ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔حق کا غلبہ ہوا اور باطل پاؤں سر پر رکھ کر بھاگا۔

لیکچر سیالکوٹ کے متعلق

دوسری بار سیالکوٹ لیکچر ہوا اور میں وہاں حاضر ہوا۔علمائے سوء نے خوب خوب ناکہ بندی کی۔ ہر موڑ ہر ہر دروازہ پر اپنا ایک واعظ بٹھا دیا کہ لیکچر گاہ میں مت جاؤ۔ جماعت علی شاہ نے عین لیکچر گاہ کے بالمقابل اپنا ڈیرہ جما رکھا تھا۔عجب شان خدا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی کہ جب حضور علیہ السلام کی سواری پہنچی۔تو جتنے لوگ مخالفین میں بیٹھے تھے۔وہ اٹھ کر ہمارے لیکچر میں آ گئے۔مولانا عبدالکریمؓ حنجرہ داؤدی۔پونے تین گھنٹہ تک حضور کا لیکچر سنایا۔وہاں آپ نے خصوصیت سے ظاہر فرمایا کہ میں ہندوؤں کے لئے کرشن ہوں۔دستار مبارک کے شملہ سے لبہائے مبارک لپٹے ہوئے خاص اداشرمگین کے ساتھ کرسی صدارت پر جلوہ افروز تھے۔اور مشتاقان جمال پروانہ وار شمع نبوت پر فدا ہو رہے تھے۔علماء سوء کی مخالفانہ کوششیں ناکام رہیں۔کبوتروں والی مسجد روح القدس سے معمور ہوئی اور ان لوگوں کی امامت یکے از خدام مامور۔جب حضور مع رفقاء گاڑی پر سوار ہوئے۔تو سیالکوٹ کے جوانان قوم نے اپنی شرافت کا یہ نمونہ دکھایا کہ گاڑی پر پتھر مارے اور یوں اپنے عمل سے ثابت کیا کہ ہم ہی وہ فرزندان یہودیت ہیں۔جن کے لئے مسیحا کی ضرورت ہے۔ سیالکوٹ میں میراں بخش صاحب جلوہ سیالکوٹی کی بیٹھک میں فروکش تھا وہاں مخالفوں کی آمد و رفت تھی۔میں نے بڑے بوڑھوں سے پوچھا کہ مجھے حضرت مرزا صاحب کی قبل از دعویٰ سیالکوٹی زندگی کا کوئی عیب بتاؤ۔آخر وہ اہلمد رہے ہیں اور ان پر سب کی نظر ہوتی ہے۔ان سب نے متفق اللفظ کہا کہ آپ کی زندگی نہایت پاکیزہ تھی اور کوئی نہیں جو ان پر عیب لگائے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی قبل از دعویٰ زندگی کے متعلق مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت

''آخر وہ وقت آ گیا کہ مَیں قادیان دارالامان میں حاضر ہوا۔میرے رفیق سفر، میرے ہم عمر، ہم سبق مولوی غلام رسول صاحب لنگوٹی تھے۔ہم پہلے بٹالے اترے۔مولوی محمد حسین بٹالوی سے ملے۔ان سے بہت گفتگو ہوئی۔ان سے پہلا سوال میرا یہ تھا کہ حضور کی زندگی دعویٰ سے پہلے کیا

تھی۔جواب فینا مرجوًّا ملا۔‘‘

حضرت مسیح موعودؑ کا معمول

’’جب ہم صبح اٹھتے تو نگاہیں بیت النبوۃ کی طرف لگ جاتیں۔کب وہ بدرِ رسالت جلوہ افروز ہوتا ہے۔اور ہم سیر کو جاتے ہیں۔ایک دو گھنٹے سیر میں لگ جاتے۔پھر ظہر کی نماز سے پہلے حضور ٹھہر جاتے۔احباب سے ملاقات کرتے کلمات طیبات سے تشنگان بادۂ عرفان کو سیراب فرماتے‘‘۔

لالہ ملاوہ مل اور شبھ چنتک کی گواہی حضرت مسیح موعودؑ کی قبل از دعویٰ پاکیزہ زندگی پر

’’یہاں آ کر لالہ ملاوہ مل سے ملا۔شبھ چنتک کے ایڈیٹر کے پاس بہت دیر تک بیٹھا رہا۔میں نے کہا۔دعویٰ سے پہلے زندگی کے متعلق ہمیں کچھ بتاؤ۔بعد کی ہمیں ضرورت نہیں۔وہ کوئی عیب نہ نکال سکے اور بھلے لوگ اور بھلے پرش ہی کہتے رہے۔‘‘

مرزا نظام الدین صاحب کی دشمنی اور حضور کا حسن سلوک

’’بعد ازاں ہم نے مخالفوں کا اتار چڑھاؤ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔مرزا نظام الدین صاحب کا وہ زور اور سخت زبانی کا شور بھی سنا جو دفتر محاسب کی ایک کھڑکی کے تعلق میں تھا۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہماری کچھ حقیقت ہی نہیں سمجھتے۔اور پھر حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے زمانے میں انہی آنکھوں نے دیکھا کہ بیمار ونحیف ایک کونہ میں بیٹھا ہے۔سب بیماروں سے فارغ ہو کر گھنٹے کے بعد حضرت حکیم الامت نے پوچھا۔تم کیوں آئے۔بیماری کا حال عرض کیا۔اور نسخہ ملا۔اور رخصت۔وہ دن بھی یاد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور میں ان کی یا ان کے کسی قریبی رشتہ دار کی بیماری کا ذکر آیا تو حضور نے مرزا یعقوب بیگ صاحب کو علاج کے لئے بھیجا۔اور نماز ظہر سے پہلے پھر استفسار کیا۔نماز کے لئے کھڑے ہو چکے تھے۔فرمایا۔پہلے ان کی خبر لے آؤ۔پھر نماز پڑھتے ہیں۔چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے آنے تک توقف کیا گیا۔اللہ اللہ اپنے دشمنوں سے یہ اخلاق ایک بے نظیر صفت ہے۔جو انبیاء ہی دکھا سکتے ہیں۔

''حضرت صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کی بیماری اور وفات پر حضرت مسیح موعودؑ کے تاثرات

''صاحبزادہ مبارک احمد کو بار ہا میں نے دیکھا۔ (والدہ مولوی شادی خان صاحب خادمہ اہل بیت) ان کا بستہ اٹھائے بہت بھولی بھالی پیاری پیاری شکل تھی۔ جب صاحبزادہ صاحب بیمار ہوئے۔ تو حضور ان کی تیمارداری میں سخت مصروف رہے۔ ایک روز میں نے حضور کی زیارت اس کمرے میں کی۔ جہاں آج کل حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رہتے ہیں۔ اس کمرے کے اندر سے سیڑھیاں اوپر کو جاتی ہیں۔ وہاں سے حضور نازل ہوئے۔ یہی ایک دن ہے۔ جب میں نے حضور کے چہرہ مبارک پر کچھ زردی دیکھی۔ چند مشتاقان جمال سے مصافحہ کیا اور بغیر کچھ فرمانے کے چلے گئے۔

صاحبزادہ مبارک احمد فوت ہو گئے۔ تریاق القلوب کا وہ حوالہ کہ چھوٹی عمر میں خدا تعالیٰ کی طرف مراجعت ہوگئی۔ معاً میرے سامنے آیا۔ اور میں نے حضرت مفتی صاحب کو کتاب دی کہ حضور میں پیش کریں۔ دفن کے لئے جب جنازہ مقبرہ بہشتی میں لے جایا جانے والا تھا تو مستری حسن دین صاحب سیالکوٹی نے اس جگہ جہاں آج کل پختہ پل ہے۔ پانی پر سے گزرنے کے لئے سکول کے بنچوں کا ایک پل بنا دیا۔ حضور اسے دیکھ کر خوش ہوئے کہ احباب کو تکلیف سے بچا لیا۔ مقبرہ سے واپسی کے بعد حضور کے چہرہ مبارک پر اس قدر شگفتگی کے آثار تھے کہ جیسے کوئی شہنشاہ کے حضور نذر گزران کر اس کی قبولیت کی خبر پر خوش ہوتا ہے۔

خلیفہ رجب الدین لاہوری آئے۔ تو کہنے لگے۔ حضور ہم تو ماتم پرسی کو آئے تھے۔ لیکن حضور کا چانبل (پنجابی لفظ ہے) دیکھ کر اب حرف افسوس زبان پر نہیں لایا جاتا۔ فرمایا۔ ''خلیفہ صاحب تم ایک ہی روز سیاپہ کر چکے اس کے بعد جو کچھ تھا وہ خدا کا تھا۔ اس نے دیا اس نے لیا۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے مالک کسی کو باغ پر مالی مقرر کرے۔ اور پھر اپنا پھل اس کے ہاتھ سے لے کر قبول فرمائے۔

تب مالی خوش ہوگا نہ کہ رنجیدہ۔''

''شبھ چنتک کے ایڈیٹر کا انجام اور کتاب'' قادیان کے آریہ اور ہم''

''شبھ چنتک کے ایڈیٹر و مددگاروں کا ذکر مسجد مبارک میں نماز سے پہلے حضرت مولانا نورالدینؓ نے کیا اور کہا کہ یہ لوگ سخت شوخی کر رہے ہیں اور باہر اپنی کذب بیانیوں سے غلط فہمی پھیلا رہے ہیں۔ نماز کے بعد حضور نے فرمایا: ''میں ایک اشتہار لکھ کر لاتا ہوں'' مگر عصر کے وقت معلوم ہوا۔ مضمون ایک رسالہ کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ چنانچہ'' قادیان کے آریہ اور ہم'' تالیف ہوا۔ حضور نے ایک نظم بھی لکھی لیکن عجیب توارد تھا۔ جو میرے لئے موجب صد فخر و ناز ہوا کہ اسی ردیف و قافیہ میں ایک نظم دوسرے تیسرے روز میں نے کہی جس کا ایک شعر ہے۔

جس میرزا کی خاطر گھر بار ہم نے چھوڑے	آؤ تمہیں دکھائیں وہ میرزا یہی ہے

''قادیان کے آریہ اور ہم'' کا شائع ہونا تھا۔ نہ شبھ چنتک رہا نہ اس کا ایڈیٹر نہ اس کا مربی نہ مدرسہ نہ سماج'' یہ معجزہ میری آنکھوں نے دیکھا۔ مگر افسوس کہ اکثر لوگ بے ایمان کے بے ایمان ہی رہے۔ اس رسالہ کی نظم کا ایک شعر تھا۔

جس کی دعا سے آخر لیکھو مرا تھا کٹ کر	ماتم پڑا تھا گھر گھر وہ میرزا یہی ہے

منشی کرم علی کاتب کے چھوٹے سے بچے رحمت اللہ نے اپنی سریلی آواز میں پڑھا اور جب'' وہ میرزا یہی ہے'' پر پہنچا تو بے اختیار دوڑ کر ساتھ چمٹ گیا۔ اس کی یہ بات ابھی تک مجھے یاد ہے۔''

مہمان نوازی

''حضور کی مہمان نوازی کی ایک بات یاد آئی۔ ظہر سے پہلے آپ تشریف لائے۔ ایک صاحب نے کہا۔ پیاس لگی ہے۔ حضور نے سن لیا۔ فرمایا'' میں ابھی پانی لایا'' وہ نظارہ میرے سامنے ہے کہ آپ دونوں ہاتھوں سے خود صراحی اٹھا لائے اور گلاس میں خود مبرّف شیر آب نکال کر دیا۔ جب وہ صاحب ایک گلاس پی چکے تو باصرار فرمایا کہ'' ایک اور پی لیجئے'' اور اس کا کچھ حصہ پلا

کر چھوڑا۔حافظ ابراہیم صاحب کھڑکی کے پاس بیٹھ رہتے۔حضور جب تشریف لاتے تو سب سے پہلے یہ ضرور لباس مبارک پر ہاتھ پھیر کر برکات لوٹ لیتے''حضور کبھی منع نہ فرماتے''جمعہ ان دنوں ہر دو مسجدوں میں ہوتا۔مسجد اقصیٰ میں مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ پڑھاتے اور مسجد مبارک میں سید محمد احسن صاحب 54 / 50 منٹ تک طویل خطبہ جس کا نہ سر نہ پیر نہ ابتداء نہ انتہا۔''حضور اس وقار سے سر کو ایک طرف جھکائے بیٹھے رہتے کہ ہمیں تعجب ہوتا۔''

(مولانا کا خطبہ 60 / 50 منٹ طویل ہوتا۔''حضور نہایت سکون کے ساتھ دستار مبارک کے شملے کا ایک پلڑا ہونٹوں پر رکھے بیٹھے رہتے''الحکم 28 / 21 34)اور ہم اس خطبہ کی طوالت پر بہت خوش ہوتے محض اس لئے کہ حضور کا دیدار پر انوار خوب خوب کر لیتے۔

چودھری حاکم علی صاحب مہاجر عموماً میرے سامنے بیٹھتے اور ساڑھے گیارہ بجے سے اول ہی مسجد مبارک تمام بھر جایا کرتی۔اس میں ایک ہی اذان ہوا کرتی تھی۔جس کے ساتھ خطبہ شروع ہو جاتا تھا۔حضور پچھلے سالوں میں مغرب وعشاء وفجر کے لئے مسجد میں تشریف نہیں لا سکتے تھے۔''اس لئے اندرون خانہ ہی نماز باجماعت ادا فرمالیتے۔''

''ایک روز شیخ رحمت اللہ صاحب و دیگر احباب لاہور تشریف لائے تو طبیعت ناساز تھی۔فرمایا ''اندر ہی آ جاؤ'' میں بھی ساتھ ہی چلا گیا۔حضور ایک پلنگ پر تشریف فرما تھے جو اتنا چوڑا تھا جتنی بالعموم چار پائیاں لمبی ہوتی ہیں۔اس کے سرہانے ایک چھوٹا سا میز تھا۔اس پر موم بتیاں بہت سی پڑی تھیں ایک دوات تھی۔جس کے گرد غالباً مٹی تھی۔لوگ بے تکلفی سے جہاں کسی کو جگہ ملی بیٹھ گئے۔کوئی چار پائی پر کوئی صندوق پر کوئی ٹرنک پر کوئی دہلیز پر کوئی فرش پر دیر تک ہم بیٹھے رہے۔اور حضور کے کلمات طیبات سے شاد کام ہوئے۔کمرے میں بالکل سادگی تھی۔کوئی فرش نہ تھا۔نہ متکلفانہ سامان بلکہ میں نے دیکھا کہ رضائی بھی پھٹی ہوئی تھی۔اس کی روئی مجھے نظر آ رہی تھی۔''

ایک دفعہ جب حضور کو معلوم ہوا کہ دوست آئے ہیں تو اس وقت مہندی لگوائی ہوئی تھی۔اس

طرح ریش مبارک پر رومال باندھے صرف کرتہ پہنے اغلباً سر پر صرف ٹوپی ہی تھی۔(یہ بہت پرانی رومی ٹوپی تھی جو اکثر پگڑی کے نیچے رہتی) مسجد مبارک میں تشریف لے آئے۔اس سادگی و بے تکلفی کے ساتھ میں نے حضور کو صرف ایک ہی دفعہ باہر آتے دیکھا۔ورنہ آپ نماز و سیر کے لئے جب بھی تشریف لاتے تو کوٹ پہنے، پگڑی سر پر رکھے۔عصا ہاتھ میں لئے تشریف لاتے۔اس وقت نو بجے کا وقت تھا۔آپ نے اپنی جیب سے ایک گھڑی نکالی۔جو رومال میں بندھی ہوئی تھی۔اور فرمایا ''اس میں تو تین بجے ہیں پھر کسی نے چابی لگائی وقت صحیح کر دیا۔تو آپ نے اسے اس طرح باندھ کر جیب میں ڈال لیا۔جب'' حضور کے سامنے ذکر آیا کہ ایک گھڑی آٹھ روز چابی لیتی ہے تو بہت خوشی ظاہر فرمائی''۔

''آپ بعض صندوقوں کی چابیاں (جس میں غالباً بہت ضروری کاغذات تصانیف والہامات تھے) اپنے پاس رکھتے اور ازار بند سے بندھی رہتی۔جس پر آج کل کے احمق و بیوقوف شاید ہنسیں گے۔لیکن جب ان کو اپنی چابیاں کئی بار گم کر دینے یا ضرورت کے وقت نہ ملنے کے واقعات یاد آئیں گے تو شرمائیں گے۔'''' سیر کو آپ قریباً ہر روز تشریف لے جاتے''۔

''ایک تو جاڑے کا موسم تھا۔ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔آپ باہر تشریف لے آئے۔مفتی صاحب نے چھاتا کرنا چاہا تو منع فرمایا۔بازار کے رستے آپ باہر بٹراں کی طرف تشریف لے گئے۔بازار میں بہت کم آپ گزرتے لیکن جب بھی گزرے بعض ہندو عموماً سلام کرتے خصوصاً لالہ سکھ رام آنجہانی تو دکان سے نکل کر بازار میں سامنے کھڑا ہو کر جھک کر آداب بجالاتا۔جب ریتی چھلہ سے آگے نکلے تو ہوا ایسی سخت سرد کہ حضرت مولانا نورالدینؓ نے تکلیف کا خیال کر کے اپنا دھسہ پیش کیا۔آپ صرف پوستین پہنے ہوئے تھے۔انکار فرمایا۔پھر حضرت مولوی صاحب کو میں نے دیکھا کہ اپنی چادر کو مشرق کی طرف پھیلائے ہوئے ہاتھوں سے اونچا کئے چلے تھے۔تا سرد ہوا سے آپ محفوظ رہیں۔یہ صرف محبت کا فعل تھا۔ اس طرف ایک بار اور میرے سامنے حضور تشریف

لے گئے جلسہ سالانہ کے دن تھے۔ احباب کی کثرت تھی۔ یہ طرف اس لئے پسند تھی کہ آبادی اور کھیتی نہ تھی۔ آج کل کے دارالامان میں آنے والے کیا جانیں کہ ان ایام میں دارالفضل، دارالعلوم، دارالرحمت کچھ بھی نہ تھا۔ جھاؤ ہی جھاؤ تھا۔ اور غیر آبادی کی یہ حالت تھی کہ ایک بار بعض نوجوان دوستوں کی محفل میں عشاء کے وقت ایک عزیز نے ایک روپیہ انعام اس جانباز کے لئے رکھا جو بورڈنگ والے کنوئیں پر ہو آئے۔ اب تو وہ چہل پہل ہے کہ ایک دنیا آباد ہے۔ پہلے روز تو کچھ سیر ہوگئی وہ بھی اس طرح کہ حضور آگے آگے چلتے اور بیس تیس قدموں کے فاصلے پر پیچھے پیچھے احباب۔

دوسرے روز جب آپ باہر تشریف لے گئے تو اس قدر اژدہام ہوا کہ ہم سٹور کے پاس ریتی چھلے ہی میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا ''ایک وقت تھا کہ ہم اکیلے تھے اور اب **یأتون من کل فج عمیق** کی پیشگوئی کے ماتحت رستہ چلنا دشوار ہو رہا ہے۔''

ایک دفعہ ایک امریکن صاحب اور میم قادیان آئے۔ حضور نے ان سے دفتر محاسب میں ملاقات فرمائی۔ صاحب سے مصافحہ کیا لیڈی سے مصافحہ نہیں کیا۔ فرمایا ''ہمارے مذہب میں منع ہے۔ اس لئے نہیں کہ عورت گناہگار ہے یا ناپاک ہے'' اس صاحب نے کہا آپ کو نبوت کا دعویٰ ہے۔ حضور نے فرمایا ''ہاں'' اس نے کہا۔ آپ کے بھائیوں نے تو نشانات دکھائے۔ اور آپ کا نشان! ہم اس وقت سوچنے لگے کہ حضور کیا جواب دیتے ہیں۔ حضور نے فرمایا ''تم میرا نشان ہو۔'' اس نے حیران ہو کر کہا۔ یہ کیونکر۔ فرمایا تمہارے آنے کی خبر پچیس برس پیشتر خدا نے مجھے دی۔ اور فرمایا۔ یاتون من کل فج عمیق۔ پھر عبدالحی مرحوم کو پیش کیا'' کہ اس کی ولادت کی خبر خدا نے میرے ذریعہ سے قبل از وقت دی۔ اور بتایا کہ اس کے جسم پر پھوڑے ہوں گے۔ جو کسی دوائی سے اچھے نہیں ہوں گے۔''

''ایک بار حضور ادھر کالہوان کی طرف تشریف لے گئے اور اس روز الواح الہدیٰ کا ذکر ہوا۔ فرمایا: غریب عورتیں آجائیں۔ بعض امراء گھروں میں انہیں حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ اور

انسان کی اس کی انسانیت اور اس کے ایمان کے لحاظ سے عزت نہیں کی جاتی۔ یہ بہت بڑا اخلاقی نقص ہے میں چاہتا ہوں۔ ہر گھر میں ایک تختی لگی ہوئی ہو جس پر موٹے خط میں ہدایات درج ہوں۔

''سیر کے وقت ڈائری لکھنا بھی کارے دارد والا معاملہ تھا۔ آنکھیں چاہتیں کہ ہم بجائے رستے کے یا نوٹ بک کے اس چہرۂ انور ہی کو دیکھتے رہیں۔ چونکہ ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ حضور کے ساتھ ہی چلے۔ اس لئے ٹھوکریں بہت لگتیں اور عموماً پنڈلیاں اور پاؤں زخمی ہو جاتے۔ خصوصاً ڈائری نویس کے جسے چلتے چلتے لکھنا پڑتا۔ حضرت مفتی صاحب کا فل بوٹ البتہ کچھ بچاؤ کر لیتا۔

''یہ مضمون لکھ رہا ہوں تو چودھری عنایت اللہ خان صاحب انسپکٹر کی خبر وفات پہنچی۔ وہ جب پہلے قادیان آئے تو حضور سے سیر کے وقت سبراواں کے راہ میں ملاقات ہوئی۔ سامنے ہوتے ہی کانپنے لگے۔ دفتر میں آ کر بیان کیا کہ میں عرصہ سے گورنمنٹ کی ملازمت میں ہوں۔ پولیس والے یوں ہی سخت دل ہوتے ہیں۔ میں کبھی کسی کے رعب میں نہیں آیا۔ بڑے بڑے چودھریوں اور رئیسوں کی میں نے کچھ ہستی نہیں سمجھی بلکہ ان کی گوشمالی کی۔ لیکن خدا جانے کیا بات ہے۔ ان کے سامنے ہوتے ہی میں کانپنے لگا۔ اس سے ان کو حضور سے بہت اعتقاد ہو گیا۔

''حضور جب سیر میں تشریف لے جاتے۔ تو حضرت مولوی صاحب پیچھے رہ جاتے۔ آپ نے کبھی کوئی بات کرنی ہوتی تو مڑ کر اس طرف منہ کر لیتے'' اور بعض اوقات حضرت نواب صاحب حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفہ اول کا انتظار فرماتے کہ آ جائیں تو چلیں۔ نواب صاحب اور مولوی محمد علی صاحب سیر سے کچھ جی چراتے۔ تو ایک روز ہنس کر فرمایا۔ ان کو جبراً لے چلنا چاہئے۔ اور عموماً اہتمام کر کے لے جاتے کیونکہ دونوں صاحبوں کی صحت بیٹھنے سے ان دنوں ناقص ہو رہی تھی۔ اخبار بدر میں الہامات و وحی کا پروف حضور کو ملاحظہ کرا کے چھپایا جاتا تھا۔ حضور کو اس قدر خیال ہوتا کہ ایک روز میں نے پروف پر سالن سے رنگین انگوٹھے کا نشان دیکھا۔ معلوم ہوا کہ کھانا کھاتے تھے جو کسی نے پروف جا دیا۔ آپ نے اسی وقت پڑھنا شروع کر دیا۔ اور پڑھ کر پھر بقیہ

کھانا تناول فرمایا۔

ذرہ نوازی

میں مسجد مبارک کی مغربی دیوار کے ساتھ محراب کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اور دیکھنا چاہتا تھا کہ حضور انور نماز کس طریق پر ادا فرماتے ہیں۔ ان دنوں مجھے فقہی مسائل میں بہت انہماک تھا۔ اور حنفی اور اہل حدیث وغیرہ کے اختلافات اور ایک دوسرے کے مخالف روایات سے۔

''شد پریشان خواب من از کثرت تعبیرہا۔'' کا مضمون صادق آرہا تھا۔ فیصلہ کا بہترین طریق یہی تھا کہ میں بروز سیدنا محمدؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نماز پڑھتے دیکھ لوں۔ حضور نوافل اور سنن اندرون خانہ ہی ادا فرماتے۔ مگر جمعہ کے روز دو رکعت خطبے سے پہلے مسجد میں پڑھتے تھے.................. ہاں اس روز جمعہ تو نہیں تھا۔ ظہر کا وقت تھا۔ رسالہ ''نبی اللہ کا ظہور'' کا ذکر ہوا تو فرمایا۔

آپ کا نام محمد ظہیر الدین ہے؟ (کیونکہ عام طور سے اکمل کے نام سے مشہور تھا۔ اور بہت کم لوگوں کو میرا نام معلوم تھا) عرض کیا! محمد ظہور الدین۔ فرمایا'' واوری قریب قریب ہیں۔''

جب میں پہلے پہل آیا تو حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی ہمت افزائی سے میں نے اپنی نظم مسجد مبارک میں پڑھنے کا ارشاد عالی حاصل کیا۔ (اب تو مجھے اپنی عبارت اور کم علمی پر تعجب ہی آتا ہے۔ مگر یہ ایک ولولہ شوق تھا۔ ورنہ میں کبھی بھی اس قابل نہ تھا کہ اپنے اشعار پھر اپنی بھرائی ہوئی آواز میں سناؤں۔) پہلے میں نے ایک رباعی عرض کی۔ رباعی تو یاد نہیں اور عموماً مجھے اپنے اشعار یاد نہیں آتے۔ لیکن اس کا مضمون یاد ہے کہ کوئی حنفی ہے کوئی شافعی مگر میں خوش ہوں کہ ''احمدی ہوں بغلامئ غلام احمد'' حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ (جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور نہایت ادب سے سر جھکائے بیٹھے تھے۔ اور مجھے بعض وجوہ سے کئی مسائل میں ایک غالی اہلحدیث خیال فرماتے تھے) خدا جانے کیا مصلحت تھی۔ فرمانے لگے۔ ''حنفیوں پر یہاں بھی چوٹ کردی'' اتنا کہنا تھا۔ میری آواز بالکل بند ہوگئی اور مجھے شرم دامنگیر ہوئی۔ حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔

’’ایسانہیں ہے۔ یجوز للشاعر ما لا یجوز لغیرہٗ ‘‘اس سے تقویت پاکر میں نے اپنی نظم ختم کی۔جس کے ایک دوشعر یہ ہیں۔

جو آ گیا چمن میں تیرے اے خلیل وقت	اس نار میں وہی چنے گا امان کے پھول
ذرے جو تیری خاک قدم کے ہیں اے مسیح	وہ اڑ کے جا بنے چمن آسمان کے پھول
جو مٹ گئے ہیں تیری محبت میں اے حبیب	مٹی سے نکلے بن کے وہی لامکان کے پھول

خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم بھی تشریف رکھتے تھے۔ کہنے لگے’’حضور بہت سنگلاخ زمین میں پھول کھلائے ہیں۔‘‘

سادگی

’’ایک دن اثناء سیر میں ایک حافظ صاحب کو پیش کیا گیا کہ بہت خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھتے ہیں۔حضور بغیر دامن سمیٹنے کے وہیں ریت پر بیٹھ گئے اور کسی خادم کو کپڑا بچھانے کا موقع نہ دیا۔حافظ صاحب کو بھی بیٹھنے کا ارشاد فرمایا۔ یہ سب قرآن مجید کے ادب کی وجہ سے تھا۔اور قرآن مجید سنا۔ بلکہ کئی دن تک رات کے وقت انہی حافظ صاحب سے سنتے رہے۔مقبرہ بہشتی کی طرف جو رستہ آج کل جاتا ہے۔ یہاں پل نہ تھا اور برسات کے موسم میں یہاں آج کل پل ہے پانی بہہ کر کچھ پانی کھڑا بھی رہتا۔ایک دفعہ حضور اسی رستہ سے ایک نئے پاپوش کے ساتھ پانی میں سے گزر گئے۔اور خیال تک نہ فرمایا۔ایک خادم کے عرض کرنے پر پاؤں کی طرف دیکھا اور’’اچھا‘‘ فرما کر مسکرادیئے۔‘‘

اصلاح وتزکیہ نفس

’’مسجد مبارک میں حضور تشریف فرما تھے۔ کچھ دوائیوں کا ذکر چل پڑا۔ اثنائے گفتگو میں حضرت مولانا نورالدین صاحب نے فرمایا کہ یہ دوائی فلاں مرض کے لئے حکمی علاج ہے۔ یہ ایک طبی محاورہ تھا۔حضور نے فرمایا: مولوی صاحب ہمارا مذہب تو یہ ہے۔ اذا مرضت فھو یشفین ۔شفاء

اللہ کے اختیار میں ہے۔ اور وہی حکم علاج فرماتا ہے۔ ہم نے تو کئی اطباء کو اس مرض میں مرتے دیکھا ہے۔ جس میں ان کو خاص دعویٰ ہو۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ مسجد مبارک میں کھڑے کھڑے کسی رئیس کا ذکر آیا کہ وہ سلسلہ کی طرف متوجہ ہیں یا ہو سکتے ہیں۔ کسی نے عرض کی۔ حضور ان کو ایک مکتوب لکھ دیں۔ حضرت مولانا نور الدین صاحب نے اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ اسے حضور اپنے دست مبارک سے لکھیں۔ بڑی شخصیت ہے۔ آپ نے فرمایا: ''مولوی صاحب! خدا کے ماموروں کی نظر میں یہ دنیا دار ایک مرے ہوئے کیڑے سے بڑھ کر وقعت نہیں رکھتے۔'' ''جو ترقیات ہم آج کل دیکھ رہے ہیں۔ ان میں سے کئی ایسی ہیں جو آج سے بہت پہلے ہمارے مکرم شیخ عرفانی صاحب تجویز کر کے تحریک فرما چکے ہیں۔ ازاں جملہ کہ قادیان میں میونسپل کمیٹی ہو۔ پہلے پہلے اس تجویز کا ذکر حضور کے دربار میں ہوا۔ تو پسند نہیں فرمایا۔'' کیونکہ مخالفت کا زور تھا۔ اور آبادی بڑھ رہی تھی۔ کئی مکانات بننے والے تھے۔ یہ کمیٹیاں جو دیہاتی زندگی کو شہری زندگی میں تبدیل کرتی ہیں۔ بعض اوقات تعمیر جدید سے مانع ہو جاتی ہیں۔ لیکن ایک صاحب نے کہا۔ اس طرح ہندو اور دوسرے مخالفین غلبہ پا کر سدراہ ہوں گے۔ تو فرمایا حضرت مولانا موصوف کو مخاطب کرتے ہوئے کہ ''یہ لوگ کب تک حکومت کریں گے اور حق کے سدراہ ہوں گے۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ **جاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الی یوم القیامة**''۔ ''پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار''

جب آریوں کا ایک جلسہ ہوا۔ جس میں نبی کریم ﷺ کی پاک زندگی پر ناروا حملے کئے گئے۔ اور ایک رسالہ الہام نام سے شائع ہوا۔ تو اس کا خلاصہ حسب الحکم اس خاکسار نے تیار کر کے اپنے سید و مولیٰ حضرت مسیح موعود کے حضور میں پیش کیا۔ جس پر چشمہ معرفت نام کتاب لکھی گئی۔ حضور کا معمول تھا کہ ظہر کے وقت جب مسجد مبارک میں تشریف لاتے تو جو مضمون زیر تصنیف ہوتا۔ اکثر اس پر تقریر فرماتے۔ آپ نے فرمایا۔ آریوں نے نبی کریم کی زندگی کے متعلق اعترض کیا

ہے۔ہم نے اس کے متعلق لکھا ہے۔ (الفضل 12 جون 28ء35ء)

نیاز مند اکمل نے سوال کیا۔محرم کی دسویں کو جو شربت و چاول وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔اگر یہ اللہ پر نیت ایصال ثواب ہو تو اس کے متعلق حضور کا کیا ارشاد ہے۔(اماموں کے نام پر دینا تو حسب آیت و ما اھل بہ لغیر اللہ حرام ہے)۔فرمایا: ایسے کاموں کے لئے دن اور وقت مقرر کر دینا۔ایک رسم و بدعت ہے۔اور آہستہ آہستہ ایسی رسمیں شرک کی طرف لے جاتی ہیں۔پس اس سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ ایسی رسموں کا انجام اچھا نہیں۔ابتدا میں اسی خیال سے ہو مگر اب تو اس نے شرک اور غیر اللہ کے نام کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔اس لئے ہم اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔جب تک ایسی رسوم کا قلع قمع نہ ہو۔عقائد باطلہ دور نہیں ہوتا۔" (البدر 6 فروری 1908ء صفحہ 5)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آخری سفر اور لاہور کے قیام کے واقعات

"26 اپریل کو حضرت اقدس سیدہ ام المومنین کی بیماری کی وجہ سے تبدیل آب و ہوا کے لئے لاہور تشریف لے گئے۔ یکے تیار تھے۔اور سامان سفر مہیا تھا۔جو ہم نے سنا کہ حضور کو الہام ہوا۔"مباش ایمن از بازئ روزگار" جس کی وجہ سے اس روز سفر ملتوی ہوا مگر دوسرے روز روانہ ہو گئے۔حضور لاہور پہنچے اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھی وہیں چلے گئے تو میرا دل گھبرایا اور میں یہ مفارقت برداشت نہ کر سکا۔میں نے ایک نظم لکھی جس کا پہلا شعر یہ ہے

صفحہ ارض پہ زرین ہے نشان لاہور	بڑھ گئی چرخ چہارم سے بھی شان لاہور

اس نظم میں ایک شعر تھا:

تیرے مہجور مہاجر ہیں نہایت مضطر	دیکھنا چاہتے ہیں وہ بھی مکان لاہور

یہاں تک تو پھر پردہ تھا۔مقطع میں میں نے صاف صاف عرض کر دیا۔

اپنے اکمل کو بلا لیجئے جلدی حضرت	ہر گھڑی جس کی زبان پر ہے بیان لاہور

یہ نظم کسی نے سنا دی۔حضور اس وقت شالا مار میں جلوس فرما تھے۔ارشاد ہوا۔"بلا لو" (مفتی

صاحب ان کو بلا لیجئے) حضرت مفتی صاحب نے مجھے تار دیا۔اور وہاں پہنچا۔اور یہ تجویز ہوئی کہ جب تک حضور لاہور تشریف رکھتے ہیں۔بدر لاہور سے نکلا کرے۔چنانچہ کھتری سماچار پریس لاہور میں ڈیکلریشن دیا گیا اور ارادہ کیا کہ بدر ہفتہ میں تین بار نکلتا رہے۔چنانچہ پہلا پرچہ لاہور سے 24 مئی کو شائع ہوا۔

15 مئی 2 بیرسٹر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات کو تشریف لائے اور ملاقات کا وہ سادہ منظر ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے ہے جبکہ حضور ایک کھڑی چارپائی پر خواجہ کمال الدین صاحب اور سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکانات کی درمیانی گلی میں بیٹھ گئے۔ان بیرسٹروں میں سے ایک سر فضل حسین صاحب تھے۔دس بجے کا وقت تھا۔بہت طویل گفتگو ہوئی۔کفر و اسلام کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا۔حضور نے جو کچھ فرمایا اسی وقت لکھ لیا گیا اور شائع کر دیا گیا۔فرمایا:''جو ہمیں کافر نہیں کہتے۔ہم انہیں بھی اس وقت تک ان کے ساتھ سمجھیں گے جب تک کہ وہ ان سے الگ ہونے کا اعلان بذریعہ اشتہار نہ کریں۔اور ساتھ ہی نام بہ نام یہ نہ کہیں کہ ہم ان مکفرین کو بموجب حدیث کافر سمجھتے ہیں۔''

آج تک ہمیں کوئی ایسا آدمی نہیں ملا جو احمدی نہ ہو۔اور پھر ایسا اشتہار نام بہ نام کفر کے فتوے کے ساتھ دے اور خدا کے نشانوں کا بھی منکر نہ ہو۔''17 مئی حضور نے اسی احمدیہ بلڈنگ میں رؤساء و عمائد شہر کے سامنے ایک تقریر فرمائی۔یہ تقریر 11 بجے شروع ہوئی 12 بجے حضور نے فرمایا۔''اب کھانے کا وقت ہے'' مگر بعض روساء نے عرض کیا۔''کھانا تو روز کھاتے ہیں'' یہ غذا روحانی مقدم ہے'' چنانچہ تقریر ایک بجے ختم ہوئی۔یہ تقریر خاکسار نے لکھی۔اور بدر میں ''البلاغ المبین'' کے نام سے شائع ہوگئی۔حضور کے آگے کوئی میز نہ تھا۔حضور تقریر کرتے کرتے آگے بڑھتے چلے گئے۔میں سامنے بیٹھا تھا۔اس تقریر میں حضور نے دعویٰ نبوت کے متعلق فرمایا۔''جب خدا کسی سے بکثرت ہمکلام ہو اور اپنی نوعیت کی باتیں بکثرت سے اس پر ظاہر کرے تو یہ نبوت ہے'' اور فرمایا:''تم جسے مکالمہ الٰہی کہتے ہو۔ہم اسے

نبوت کہہ لیتے ہیں‘‘اور فرمایا کہ:’’اگر کوئی خدا سے خبر پا کر پیشگوئی کرے تو اسے عربی میں نبوت کے سوااور کیا کہیں گے‘‘اس کے بعد حضور نے ایک اور لیکچر کا ارادہ فرمایا جس کا مضمون پیغام صلح تھا۔
23 مئی قبل ظہر حضور نے فرمایا۔

’’ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور سے کچھ کر کے دکھانے والے ہوں۔ ہماری صحبت میں رہ کر یا کم ازکم ہماری کتابوں کے کثرت سے مطالعہ کرنے سے ان کی علمیت کامل درجہ تک پہنچی ہوئی ہے۔ ہندوستان کا بہت سا حصہ ہمارے دعاوی سے ایسا بے خبر پڑا ہے کہ گویا کسی کو خبر ہی نہیں۔تبلیغ سلسلہ کے واسطے ایسے آدمیوں کے دوروں کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی زندگی اس راہ میں وقف کر دیں۔

’’25 مئی عصر کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:’’مجھے اسہال آرہے ہیں مگر مضمون لکھا جا رہا ہے‘‘اور ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔’’تم عیسیٰ کو مرنے دو کہ اس میں اسلام کی حیات ہے ایسا ہی عیسیٰ موسوی کے بجائے عیسیٰ محمدی آنے دو کہ اس میں اسلام کی عظمت ہے۔لیکن میں سچ کہتا ہوں اگر اسلام میں وحی اور الہام کا سلسلہ نہیں تو اسلام مر گیا‘‘وحی الٰہی پیش آنے والے دردناک سانح کی متواتر خبریں دے رہی تھی لیکن ہم سمجھتے ہی نہ تھے۔اور ذہن اس طرف منتقل ہی نہ ہوتا تھا حالانکہ لاہور آتے ہی الہام ہوا تھا۔’’مکن تکیہ برعمر ناپایدار‘‘
9 مئی کو وحی نازل ہوئی۔’’الرحیل ثم الرحیل‘‘۔

’’وفات سے پہلے روز عصر کے وقت حضور باہر تشریف لائے۔ ہمارا رشید احمد ارشد گولیکی سے پہنچا۔ میں نے پیش کیا۔ بیعت کرائی اور عرض کیا کہ اس کی والدہ کی خواہش ہے کہ حضور اس یتیم پر دست شفقت پھیریں۔آپ نے پیٹھ پر تھپکی دی۔اس اعتبار سے میں سمجھتا ہوں یہ عزیز آخری صحابی ہے۔‘‘

’’سحری کے وقت خبر ملی کہ حضور کی طبیعت علیل ہے۔ دعائیں کی جائیں۔ پھر خبر آئی کہ سخت

بیمار ہیں۔ سنتے ہی چھکے چھوٹ گئے۔صبح حضرت مفتی صاحب نے مجھے اخبار بدر چھپوانے کے لئے پنجاب سماچار کے دفتر میں بھجوا دیا۔ جب میں واپس آیا تو احباب میں ایک خاص قسم کی گھبراہٹ دیکھی۔مگر کوئی کچھ بتا تا نہیں تھا۔آنکھیں پرنم تھیں اور ہونٹ خشک حضرت مفتی صاحب نمودار ہوئے۔ میں نے حال پوچھا۔ مجھے بازو سے پکڑ کر اس کمرے میں لے گئے۔ جہاں پلنگ پر حضور استراحت فرما چکے تھے۔آپ کا تہبند نصف سینہ تک پڑا تھا۔ چہرہ مبارک پر دوسری چادر تھی۔ میں سمجھ گیا۔اور جھٹ جھک کر پیشانی مبارک پر بوسہ دیا۔ (اوپر چادر پڑی تھی۔ چہرہ مبارک کھلا تھا۔ از حد نورانی سرخی بھی قائم تھی۔فوراً جھکا اور اسی عالم خود رفتگی میں جبین مبارک پر ایک بوسہ دیا۔اور کہا ''طبت حیًا و میتًا یا رسول اللہ'' اس کے بعد کچھ سکتہ کا عالم ہو گیا۔ ہاں میں نے یہ محسوس کیا کہ مفتی صاحب نے مجھے کمرے سے باہر لا کر نیچے پہنچا دیا۔ میں اپنے کمرے میں آ گیا اور بچوں کی طرح دھاڑیں مار مار کر رویا۔آدھا گھنٹہ کے بعد طبیعت صاف ہوئی اور میں نے عواقب الامر کو سوچا۔دشمنوں کے تمام حملے حضور کی پیشگوئیاں سب باتیں میرے سامنے آئیں اور آخر مجھ پر ایک سکینت کا نزول ہوا۔ اور میں نے دیکھا کہ یہ بات میخ آہنی کی طرح میرے سینے میں گڑی ہوئی ہے کہ حضرت مرزا صاحب خدا کے سچے مامور و مرسل اور وہی مسیح موعود مہدی معہود ہیں۔جس کے آنے کا وعدہ نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ کے ذریعہ اہل جہان کو دیا گیا۔ میری نجات اسی آستانہ قدسی پر سر بسجود رہنے میں ہے۔ اور میری زندگی یہی ہے کہ میری موت حضور کے سلسلہ کی خدمت میں ہو۔

باہر نکلا تو ایک سوانگ دیکھا جو موچی دروازہ کے غنڈے بعض علماء سوء کی سرکردگی میں نکال کر لائے (شہر کے غنڈے ایک سوانگ نکال کر لائے۔ اور ہمارے سامنے سے ہنسی مخول کرتے گزر گئے۔اور یوں اپنی اخلاقی پستی کا ثبوت دیا۔اتنے میں پولیس آ گئی اور وہ سڑک بند کر دی گئی۔تجہیز و تکفین اور غسل سے فراغت 2:30 بجے تک ہو گئی۔ایک جماعت کثیر کے ساتھ حضور کا جنازہ پڑھا

گیا) اور جنازہ اسٹیشن کی طرف روانہ ہوا۔ (راستے میں مسلمان غنڈوں کے غول موجود تھے۔ آوازے کستے اور ہم خاموش۔ دو شریف ہندو تھے۔ وہ ادب سے کھڑے ہو گئے۔ ان کا یہ فعل ابھی تک مجھے یاد ہے۔ پونے چھ بجے شام روانہ ہوئے) عجیب خلفشار کا عالم تھا۔ میں گاڑی سے رہ گیا۔ مگر امرتسر پھر جا ملا (اور 10 بجے کے قریب بٹالہ سٹیشن پر پہنچے۔ رات پلیٹ فارم پر بسر کی اور اہل بیت ریز رو گاڑی میں رہے۔ حضور کا جسد مبارک صندوق میں تھا۔ جس میں بہت سی برف تھی۔ 2 بجے کے بعد جنازہ کندھوں پر اٹھا کر روانہ ہوئے۔ اور 8 بجے قادیان دارالامان پہنچے۔ قادیان خبر ہو چکی تھی۔ کئی لوگ بٹالے رات کو پہنچ چکے تھے جو ساتھ ہی واپس آئے) یہاں حضور کا جنازہ اس مکان میں رکھا گیا جہاں آج کل چودھری فتح محمد صاحب رہتے ہیں۔ جنازہ پڑھا گیا۔ (جواب بھی باغ میں موجود ہے) وہاں زیارت ہوئی۔ (سب زیارت سے مشرف ہوئے۔ میں دیر تک کھڑا رہا۔ اور میں نے اپنی آنکھوں سے کہا۔

دیکھ لو۔ خوب سیر ہو کر دیکھ لو۔ تیرہ سو برس پہلے بڑے سے بڑے ولیوں کو بھی نبی اللہ کی شکل ان ظاہری آنکھوں کے ساتھ نظر نہیں آئی اور اب تم آئندہ بھی نہیں دیکھ سکو گے)۔ دیکھ لو آج پھر نہ دیکھو گے احمد آخر زمان کی صورت۔ وہ وقت وہ لمحہ گزر گیا۔ مگر تصویر میری آنکھ میں، تصور میرے دماغ میں، یاد میرے دل میں اور نام زبان پر ہے۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد	روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

(آخر مجھے ہٹنا پڑا۔ میرے قدم لڑکھڑا گئے۔ بیٹھ گیا۔ بادل ناخواستہ اٹھا۔ اور باچشم پرنم آہیں بھرتا انا للہ پڑھتا باہر نکل آیا۔ اپنے ہاتھوں سے اپنے سامنے جسم مطہر کو سپرد خاک کیا۔)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا آخری قول

حضور کا آخری قول یہ تھا۔ ''اے میرے پیارے اللہ'' حضرت ام المؤمنین نے کہا۔ ''اے میرے مولیٰ یہ تو ہمیں چھوڑتے ہیں لیکن تو ہمیں نہ چھوڑیو'' اللھم صل و سلم علیٰ نبیك

المسیح الموعود‘‘

روایات مسیح موعود

آج 5 ستمبر صبح نو بجے حضرت روح کے دست مبارک پر دس بارہ آدمیوں نے دارالبرکات کے صحن میں بیٹھ کر بیعت کی۔حضور نے ایک لمبی تقریر فرمائی۔جس کا خلاصہ عرض ہے کیونکہ عاجز کو وہاں حاضری کا موقع مل گیا تھا۔فلیبلغ الشاھد الغائب۔

حدیث میں آتا ہے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب له۔اب جو تم لوگوں نے بیعت کی۔تو اب خدا تعالیٰ سے نیا حساب شروع ہوا ہے۔پہلے گناہ صدق و اخلاص کے ساتھ بیعت کرنے پر بخشے جاتے ہیں۔اب ہر ایک کا اختیار ہے کہ اپنے لئے بہشت بنالے یا جہنم۔

انسان پر دو قسم کے حقوق ہیں۔ایک تو اللہ کے دوسرے عباد کے پہلے میں تو اس وقت نقصان ہوتا ہے جب دیدہ دانستہ امر اللہ کی مخالفت قولی یا عملی کی جائے مگر دوسرے حقوق کی نسبت بہت کچھ بچ بچ کر رہنے کا مقام ہے۔کئی چھوٹے چھوٹے گناہ ہیں۔جنہیں انسان بعض اوقات سمجھتا بھی نہیں۔ہماری جماعت کو ایسا نمونہ دکھانا چاہئے کہ دشمن پکار اٹھیں کہ گو یہ ہمارے مخالف ہیں۔مگر ہم سے اچھے۔اپنی عملی حالت کو ایسا درست رکھو کہ دشمن بھی تمہاری نیکی خدا ترسی اور اتقا کے قائل ہو جائیں۔یہ بھی یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی نظر جذر قلب تک پہنچتی ہے۔پس وہ زبانی باتوں سے خوش نہیں ہوتا۔زبان سے کلمہ پڑھنا یا استغفار کرنا انسان کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔جب وہ دل وجان سے کلمہ یا استغفار نہ پڑھے۔بعض لوگ زبان سے استغفر اللہ کرتے جاتے ہیں مگر نہیں سمجھتے کہ اس سے کیا مراد ہے۔مطلب تو یہ ہے کہ پچھلے گناہوں کی معافی خلوص دل سے چاہی جائے۔اور آئندہ کے لئے گناہوں سے باز رہنے کا عہد باندھا جائے اور ساتھ ہی اس کے فضل و امداد کی درخواست کی جائے۔اگر اس حقیقت کے ساتھ استغفار نہیں۔تو وہ استغفار کسی کام کا نہیں۔انسان کی خوبی اسی میں ہے کہ وہ عذاب آنے سے پہلے اس کے حضور میں جھک جائے۔اور اس کا امن مانگتا رہے۔عذاب

آنے پر گڑ گڑانا اور وقتاً فوقتاً پکارنا تو سب قوموں میں یکساں ہے۔ ایسے وقت میں جب کہ خدا کا عذاب چاروں طرف سے محاصرہ کئے ہوئے ہو۔ایک عیسائی ایک آریہ ایک چوہڑا ابھی اس وقت پکار اٹھتا ہے کہ الٰہی ہمیں بچائیو۔ اگر مومن بھی ایسا کرے تو پھر اس میں اور غیروں میں فرق کیا ہوا۔ مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ عذاب آنے سے قبل خدا تعالیٰ کے کلام پر ایمان لا کر خدا کے حضور گڑ گڑائے ۔اس بات کو اس نکتہ کو خوب یاد رکھو کہ مومن وہی ہے جو عذاب آنے سے پہلے کلام الٰہی پر یقین کر کے عذاب کو وارد سمجھے اور اپنے بچاؤ کے لئے دعا کرے۔ دیکھو ایک آدمی جو توبہ کرتا ہے دعا میں لگا رہتا ہے تو وہ صرف اپنے پر نہیں بلکہ اپنے بال بچوں پر اپنے قریبیوں پر رحم کرتا ہے کہ وہ سب ایک کے لئے بچائے جا سکتے ہیں۔ ایسا ہی جو غفلت کرتا ہے تو نہ صرف اپنے لئے برا کرتا ہے۔ بلکہ اپنے تمام کنبے کا بدخواہ ہے۔

یہ بڑا نازک وقت ہے۔ خدا تعالیٰ کے غضب کی آگ مشتعل ہے۔نہیں معلوم کہ آئندہ موسم طاعون میں کیا ہونے والا ہے۔اس کا کلام مجھے اطلاع دیتا ہے کہ آگے سے بڑھ کر مری بڑے گی۔ پس مومنو! **قوا انفسکم و اھلیکم نارًا** ۔ میں لگے رہو کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قل ما یعبؤ بکم ربی لو لا دعاؤ کم** ۔ایک انسان جو دعا نہیں کرتا اس میں اور چار پائی میں کچھ فرق نہیں۔ ایسے لوگوں کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یأکلون کما یأکلون الانعام و النار مثوی لھم** ۔ یعنی چار پایوں کی زندگی بسر کرتے ہیں۔اور جہنم ان کا ٹھکانا ہے۔ پس تمہاری بیعت کا اقرار اگر زبان تک محدود رہا تو یہ بیعت کچھ فائدہ نہ پہنچائے گی۔ چاہئے کہ تمہارے اعمال تمہارے احمدی ہونے پر گواہی دیں۔ میں ہرگز یہ بات نہیں مان سکتا کہ خدا تعالیٰ کا عذاب اس شخص پر وارد ہو۔جس کا معاملہ خدا تعالیٰ سے صاف ہو۔ خدا اسے ذلیل نہیں کرتا جو اس کی راہ میں ذلت اور عاجزی اختیار کرے۔ یہ سچی اور صحیح بات ہے۔ مرنا تو ٹھیک سب نے ہے۔مگر یہ یہ موتیں جو آج کل ہو رہی ہیں۔ یہ تو ذلت کی موتیں ہیں۔ خدا اس سے محفوظ رکھے کہ ایک ابھی دفن نہیں ہوا تھا کہ

دوسرا جنازہ تیار ہے پس راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں مانگو۔کوٹھری کے دروازے بند کر کے تنہائی میں دعا کرو کہ تم پر رحم کیا جائے۔اپنا معاملہ صاف رکھو کہ خدا کا فضل تمہارے شامل حال ہو۔جو کام کرو نفسانی غرض سے الگ ہو کر کرو۔تا خدا کے حضور اجر پاؤ۔حضرت علیؓ کی نسبت روایت ہے کہ ایک کافر نے جس پر قابو پا چکے تھے۔ان کے منہ پر تھوکا تو آپ نے چھوڑ دیا۔اس نے پوچھا یہ کیوں تو فرمایا اب میرے نفس کی بات درمیان میں آگئی ہے۔اس نے جب دیکھا کہ یہ لوگ نفسانی کاموں میں سے اس قدر الگ ہیں تو مسلمان ہو گیا ایسے ایسے عملی نمونوں سے وہ کام ہو سکتا ہے۔جو کئی تقریریں اور وعظ نہیں کرتے۔(الحکم 10 ستمبر 1907ء)

روایات حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ

''ہمارے پیر و مرشد خلیفۃ المسیح ہیں۔جب حضرت اقدس لاہور تھے تو میں وہاں گولیکی سے حاضر ہوا۔برادر افضل مرحوم نے جب میرا نام بتایا تو جناب مولوی صاحب اٹھ کر مجھے ملے۔یہ اکرام ضیف ہی تھا۔پھر قادیان میں حضور اس قدر اس عاجز کے حال پر عنایت فرماتے کہ جب کبھی بزم میں میں حاضر ہوا۔آپ نے اپنا تکیہ نکال کر مجھے دے دیا اور میں پہلی دفعہ جب قادیان میں آ کر بیمار ہوا۔تو آپ ہر روز مہمان خانے میں میری مزاج پرسی کو تشریف لاتے۔''(البدر 24 اپریل 1913ء صفحہ 11)

آپ کی جلالت شان کے بارے میں ایک بار میں نے حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ سے عرض کیا۔کوئی ایسی آیت بتائیے۔جس سے صریحاً یہ ظاہر ہو کہ آپ کے احکام کی تعمیل میں ہماری نجات ہے۔ان دنوں چکڑالوی صاحب کے مضمون شائع ہو رہے تھے کہ کلام الٰہی میں الرسول۔رسول اللہ سے مراد قرآن مجید ہے۔نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے فرمایا۔فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم۔نص صریح ہے۔اطاعت نبوی پر۔اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ کی شان کس قدر بلند ہے۔اور آپ کا حکم کس قدر لابد۔مبارک وہ جو آپ پر ایمان

لائے۔اور آپ کی اطاعت میں خدا کی اطاعت سمجھتے ہیں۔وصل اللہ علیہ وآلہ وخلفاۂ و بارک وسلم۔

(الفضل 12 جون 1928 ص 26)

روایات در بارۂ خلافت ثانیہ (روایات حضرت قاضی اکمل صاحبؓ)

14 مارچ کی یاد

آج جمعہ کا دن ہے۔اور 13 مارچ ستر سال پیشتر بھی 13 مارچ کو جمعہ کا دن تھا۔جب میں سیدنا مرزا محمود احمد صاحب (خلیفہ ثانی مسیح موعود) کا خطبہ نوٹ کر رہا تھا۔اس میں دعا کی تاکید تھی۔اور دعا ہی کو تمام مشکلات کو حل کرنے والی بتایا گیا۔جمعہ کی نماز کے بعد جب ہم باہر نکلے تو یہ خبر وحشت اثر پہنچی کہ حضرت خلیفہ اول نور الدین رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا۔...........ایک تو مجھے مرزا یعقوب بیگ صاحب کی تقریر کا یہ فقرہ یاد کر کے ہنسی بھی آجایا کرتی ہے۔اور رنج وافسوس بھی بیحد ہوتا ہے۔کہ بھائیو دو چار روز ٹھہر جاؤ خلیفہ آپ کو بنا دیا جائے گا۔جن لوگوں نے حضرت خلیفہ اول کی محبت کا شرف حاصل کیا ہے۔ان کو آنجناب کے دو تین فقرے تو اب تک حفظ ہیں۔ایک منافقین کے بارے میں یہ کہنا کہ ”نہ اس میں تاب مقابلہ ہوتی ہے۔نہ قوت فیصلہ“ دوم یہ کہ ”خلیفے خدا ہی بناتا ہے۔تعجب ہے کہ مرزا یعقوب بیگ صاحب نے کس زبان سے یہ کہہ دیا کہ ہم خلیفہ بنا دیں گے۔

جب حضرت خلیفہ ثانی نے ایک تقریر فرمائی اور مولوی محمد علی صاحب نے بھی ایک تقریر فرمائی۔اور اس کے بعد دعا فرمائی تو میں ایک ایسے عالم میں چلا گیا۔جو کئی منٹوں تک مجھے محسوس ہی نہ ہو سکا کہ مجلس برخاست ہو چکی ہے اور لوگ مسجد نور سے باہر نکل چکے ہیں۔جب میں سنبھلا اور باہر نکلا تو میاں عبداللہ صاحب چغتائی گجراتی مہاجر نے میرے دائیں کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے اپنی جانب متوجہ کیا اور پوچھا کہ ہم سے کیوں بیعت نہیں لی جاتی۔میں نے کہا فیصلہ ہولے۔انہوں نے اپنی پنجابی زبان میں اپنے ہاتھ سے مشرق کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔دیکھو نتارا ہو چکیا اے۔کیا دیکھتا ہوں کہ دس بارہ سو آدمیوں کا جم غفیر جا رہا ہے اور آگے آگے سیدنا محمود ایدہ اللہ الودود

ہیں بائیں طرف مولوی محمد علی اپنے ایک رفیق کے ساتھ دوسری طرف جارہے ہیں۔گویا مہاجر مرحوم نے مجھے بتایا کہ مہاجرین وانصار کا رجحان ظاہر ہے اور امام اور اس کا جذب نمایاں ہے۔

نماز عصر کے بعد جب حضرت خلیفہ اول کی وصیت پڑھی گئی۔تو لوگ اس کے بعد پکار اٹھے۔ ''میاں صاحب''میاں صاحب''اور مجھے کئی منٹوں تک کوئی جواب دینے والا نہ معلوم ہوا۔تو میں جو دور بیٹھا تھا۔گھٹنوں کے بل کھڑا ہوا۔اور دیکھنا چاہا کہ''میاں صاحب''کہاں ہیں اور کیا ہو رہا ہے۔ روئے انور پر نظر پڑی۔موجودہ حالات کے رو سے غالباً میں بے ادبی تو نہیں کر رہا۔اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا۔کہ آپ چاہتے ہیں کہ کوئی راہ ملے یا زمین میں کوئی جگہ نکل آئے۔تو تقاضا کرنے والی خلقت سے پوشیدہ ہو جاؤں۔لیکن آخر خدا تعالیٰ جس کو کھڑا کرتا ہے۔اسے روح القدس سے معمور کر دیتا ہے۔آپ کو حوصلہ ہوا آپ نے ہاتھ بڑھایا۔اور بیعت لی۔بیعت میں ایک اقرار یہ تھا کہ میں آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین مانوں گا۔میرے دل میں آیا کہ اس کی کیا ضرورت ہے لیکن بعد میں جو واقعات پیش آئے۔ان سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اقرار نہایت ہی ضروری تھا۔ یقیناً کوئی شخص فوری طور پر تو کجا سوچ کر بھی ایسے الفاظ نہیں بنا سکتا۔یہ القاء الٰہی تھا۔آپ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میری بیعت کی جائے گی۔چنانچہ اس وقت آپ کو بیعت کے وہ الفاظ بھی نہ آتے تھے۔جو بیعت کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔اس کے لئے مولانا محمد سرور شاہ صاحب کی امداد کی ضرورت پیش آئی۔

آپ نے تقریر فرمائی جس کے ایک فقرے پر میرے آنسو نکل آئے تھے۔انہی الفاظ پر یہ مختصر نوٹ ختم کرتا ہوں۔''میں انسان ہوں۔اور کمزور انسان ہوں۔مجھ سے کمزوریاں ہوں گی۔تو تم چشم پوشی کرنا۔تم سے غلطیاں ہوں گی تو میں چشم پوشی کروں گا اور میرا تمہارا متحد کام اس سلسلہ کی ترقی اور اس سلسلہ کی غرض و غایت کو عملی رنگ پیدا کرنا ہوگا۔(الفضل 14 مارچ 1931ء ص 16)

فہرست کتب

حضرت قاضی ظہور الدین اکمل صاحبؓ کی تصنیف کردہ چند کتابوں کی فہرست نیچے درج کی جارہی ہیں

36 کتب کی فہرست البدر 16 فروری 11ء ص5

تین کتب کے اسماء (45،46،47) الفضل 8 ستمبر 17ء ص11

اسماء کتب

(1) ھدیٰ اکمل (2) سلیمان بلقیس (منظوم) (3) قصص القرآن حصہ اوّل (ب) منظوم حصہ دوم۔(4) دلفگار ناول (5) فطرت ناول (6) انقلاب۔ناول (7) کشف الغطاء (8) اُردو خط و کتابت (9) ترجمان الادب (ترجمہ نصاب بی اے) (10) کافیہ کی شرح (11) سخن خوب (منظوم) (12) سنت احمدیہ (فقہ احمدیہ) (13) احمدیہ طریقہ (14) علم الفرائض (15) علم العروض (16) ظہور المسیح (17) ظہور المہدی (18) اُردو کافیہ (19) مختصر معانی کی اُردو شروح (20) کتاب الصیام (21) شہادت الفرقان (22) معیار الصادقین (23) احسن القصص (24) فیض الرحمٰن (25) کرامات المہدی (26) پنج گنج (27) قرآن کریم کی دعائیں (قصیدہ تصدیق المسیح) (28) تحفہ اکمل (29) قصیدہ بہشتی پنجابی (30) تفسیر سورۃ یٰسین (ترجمہ پنجابی منظوم) (31) احمدیہ جنتری (32) خلق محمدی، نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق نظم میں (33) مسئلہ اختلاف (34) انجام عیاشی ناول (35) عقائد الاسلام (36) قصیدہ امالی کا منظوم ترجمہ (37) صرف کی کتاب (38) سراجی کی شرح (39) مختصر وقایا کی اُردو شرح (40) عقائد احمدیہ (41) پنجابی عشاق کے صحیح حالات (42) چند احادیث کی پنجابی شرح (43) تعلیم المہدی (44) لا نکفر اھل القبلۃ (45) مرزا احمد بیگ والی پیشگوئی پر دو اعتراضوں کا جواب (46) نبی اللہ کا ظہور (47) اردو قصیدہ بردہ (48) درّہ نادرہ کی فرہنگ (49) کتاب پانچویں اردو

کی نظم پنجابی (50)انجمن مستشار الائمہ کے مضامین (51) پنجابی نظم متعلقہ انجمن مستشار(52)حدیث شریف اول ایمان کی شرح ۔پنجابی (53)ایک انگریز کی کتاب صرف کا ترجمہ(54)درۂ اسلام کچھ سوانح عمریوں کا ترجمہ۔(55)انجمن نعمانیہ پر ایک مضمون(56)قواعد پنجابی (57)عقائد نسفی و آسامی کا ترجمہ (58)سیرت المصطفیٰ''اردو نظم''

فہرست مضامین

ہجرت سے قبل مضامین 53 کی فہرست مرتب نہیں کر سکا۔ اکثر پر نام نہیں اور یہ بھی علم نہ تھا کہ احمدیہ گجراتی اوراحمد گجراتی آپ کا قلم نام تھا۔ آپ نے اپنے دیوان سے قبل مختصر فہرست دیتے ہوئے لکھا ہے۔

''اورالبدر میں یہ مضمون چھپے ہیں کل 78 عدد تھے'' (دیوان سبحۃ المرجان)

یہ صرف 1904ء اور 1905ء کی فہرست ہے۔ 18 عنوان مع تاریخ اخبار درج ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور جگہ 1906۔07ء کی فہرست دی ہے اور اس کے آخر میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔

''ان کے علاوہ اور کئی صفحے ہوں گے جن میں میری طرف سے ڈائری مرقوم ہے مگر نام ندارد'' (ایضاً)

نام مضمون	تاریخ
تجویز صفحہ خواتین	24 جولائی 1904ء
کچھ عورتوں کے متعلق	16 ستمبر 1904ء
خدا کے نبی کی بے اصول مخالفت	البدر 12 جولائی 1906ء
ہمارا مذہب کیا ہے	10 اکتوبر 1906ء
نبوت دعویٰ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام	البدر 10 اکتوبر 1906ء ص 11
کیا اولاد خدا کی یاد سے روکتی ہے	25 اکتوبر 1906ء ص 13
آج کل کے صوفیوں کے راز	البدر 6 فروری 1908ء ص 9
ثبوت ہستی باری تعالیٰ البدر	13 فروری 1908ء ص 5۔6
احمق سائنسدان	البدر 12 مارچ 1908ء ص 12۔13
مجاہدہ۔ ہمیں کیسی تعلیم مفید ہوسکتی ہے	26 مارچ 1908ء ص 13۔14
نعت	30 اپریل 1908ء ص 4

ذوق کی باتیں۔حقانیت سلسلہ کا ثبوت۔وفات مسیح موعود کے واقعات	البدر 11 جون 1908ء ص 6
صدائے اکمل	البدر 18 جون 1908ء ص 12
سراج الاخبار کے اعتراض کا جواب	البدر 25 جون 1908ء ص 14
میں اپنے بخت پر کس واسطے نہ ناز کروں	البدر 8 جولائی 1908ء ص 6
اثر جدید	البدر 6 اگست 1908ء ص 10
کچھ نقشبندیوں کے متعلق	البدر 20 اگست 1908ء ص 12-10
ذوق کی باتیں	البدر 3 ستمبر 1908ء ص 1
کچھ نقش بندیوں کے متعلق	البدر 22 اکتوبر 1908ء ص 2-5
ہمارا مستقبل	البدر 17 دسمبر 1908ء ص 8
یہ دنیا فانی ہے	31 دسمبر 1908ء ص 5
انجمن ضعفاء کیسی ہونی چاہئے	البدر 14 جنوری 1909ء ص 7
سراج الاخبار کی حماقت	البدر 21 جنوری 1909ء ص 11
خلوت میں عبادت الٰہی کا فائدہ	4 فروری 1909ء ص 5
جہیز	8/15 اپریل 1909ء ص 6
ہماری دنیاوی زینتیں	13 مئی 1909ء ص 6
تبر سلام ریویو بر نخل اسلام از مولوی ثناء اللہ	البدر 29 جولائی 1909ء ص 5
ایک نہایت ضروری اپیل	29 جولائی 1909ء ص 7
رقیمۃ الوداد	البدر 5 اگست 1909ء ص 4-5

پیشے کا اثر اخلاق پر	البدر 2 ستمبر 1909ء ص 3
لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا اختلافًا کثیرًا	16 1909ء ص 4-5
چکڑالوی تحریک (قرآن پر اعتراض کے جواب)	25 نومبر 1909ء ص 4
سراج الاخبار جہلم (احمدیوں پر اعتراض کے جواب)	16 دسمبر 1909ء ص 5
زیور اور برقع	البدر 1909ء
اعجاز احمدی ''قصیدہ پر اعتراض کا جواب''	13 جنوری 1910ء ص 4
چودھویں صدی کے مسیح کی ایک زندہ کرامت	20 اکتوبر 1910ء ص 3-7
اکمل کا پیغام اپنے بھائیوں کے نام	یکم مارچ 1911ء ص 4
اعجاز القرآن	البدر 9 مارچ 1911ء ص 4
ولا یأتونک بمثل الا جئنک بالحق واحسن تفسیرًا	14 جولائی 1910ء ص 2-12
ہم کیوں غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھتے 1	21 جولائی 1910ء
.... 2	4 اگست 1910ء
.... 3	11 اگست 1910ء
.... 4	5 اگست 1910ء
تربیت اولاد	27 جولائی 1910ء ص 5
کچھ عورتوں کے متعلق	16 مارچ 1911ء ص 5
محبت	20 اپریل 1911ء ص 10-11
ازدواج ثانی ضروری ہے	14 دسمبر 1911ء ص 5-6
ایک تبلیغی خط	15 فروری 1912ء ص 8-9

ازدواج ثانی اور آریہ مسافر کی کہانی	22فروری1912ءص6-7
حیاسوز تحریر کی تردید	16 مئی1912ءص7-8
سراج الاخبار کا جملہ صداقت پر	10اکتوبر1912ءص5-6
کھلی چھٹی بنام ماسٹر غلام حیدر منشی محمد لائل پور	20مارچ1913ء
رائے قائم کرنے میں جلدی نہ کرو	24اپریل1913ءص9-11
الفضل	
مسیح موعود کے نبی اللہ کہنے سے ہماری مراد	الفضل30 ستمبر1916ءص1
مجازی احمد ہی بشارت اسمہ احمد کا مصداق ہے	30دسمبر1916ءص7-8
منظور ہے گذارش احوال واقعی	30جنوری1917ءص6-7
غیراحمدی کا جنازہ	24فروری1917ءص7-8
تذکرۃ الشہادتین کا ایک حوالہ اور پیغام والوں کا انکار	17مارچ1917ءص10
پیغام کی مذبوحی حرکات	17اپریل1917ءص5-6
زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی بحال زار	یکم ستمبر1917ءص10-11
بدظن ایمان کی جڑ کاٹنے والی ہے	8 ستمبر1917ءص10
ظفرعلی کی مولویت	11 ستمبر1917ءص2
تائیدمزید از جناب اکمل صاحب	11 ستمبر1917ءص4
مولوی محمد علی صاحب کا ترجمۃ القرآن	11 ستمبر1917ءص7-8
ایک اخبار نویس جسے اشاعت اسلام بری معلوم ہوتی ہے	11 ستمبر1917ءص8
ظفرعلی خان کا عذرنا معقول	15 ستمبر1917ءص11

اہل حدیث کی کم عقلی	الفضل 18 ستمبر 1917ء ص 11
خواجہ کمال الدین کا مذہب	18 ستمبر 1917ء ص 11
جماعت احمدیہ کے ہاتھ میں باطل شکن حربہ کیوں پیغام والو! اب بولو	2 اکتوبر 1917ء ص 2
زار والی پیش گوئی	2 اکتوبر 1917ء ص 10
یتزوج ویولدلہ	2 اکتوبر 1917ء ص 11
این گناہ است کہ درشہر شمانیز کنند	9 اکتوبر 1917ء
مولوی محمد علی صاحب کا فرار بالمقابل تفسیر نویسی اور معاملہ سے انکار	13 اکتوبر 1917ء
احمدیہ پریس کی ایک ضروری عرضداشت	16 اکتوبر 1917ء
جاء الحق وزھق الباطل	17 نومبر 1917ء ص 9-10
رنج میں راحت	20 نومبر 1917ء ص 7
خواتین سلف وحال	20 نومبر 1917ء ص 10
بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی	الفضل 24 نومبر 1917ء ص 4-5
ختم نبوت پر مولوی محمد علی کی تقریر اور ان کے شیوہ ارتداد کے تشہیر	2 فروری 1918ء
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گالیاں پیغام صلح میں	26 فروری 1918ء ص 15
مولوی ثناء اللہ مقابلہ کرتے ہیں	26 فروری 1918ء ص 15
کیا امروہوی صاحب نے مقابلہ کرلیا	12 مارچ 1918ء ص 10
شیعہ مجتہد حائری صاحب اور طاعون کا عذاب	16 مارچ 1918ء ص 8

غیر مبائعین کی تعداد	16مارچ 1918ء ص9
اہل حدیث پر میرا سوال اب بھی قائم ہے اور مقابلہ سے فرار	19مارچ 1918ء ص6
حسن نظامی کی خلاف بیانیاں	19مارچ 1918ء ص7
ایک غیر احمدی کے اعتراض کا جواب	19مارچ 1918ء ص8
کیا سورج سچ مچ سمندر کے بیچ سے نکلتا ہے	23مارچ 1918ء ص50
ہر نبی محدث ہوتا ہے	26مارچ 1918ء ص16
گائے کس لحاظ سے ہندوؤں کی معبود ہے	6اپریل 1918ء ص4-5
تعریف نبوت کا مسئلہ 1	6اپریل 1918ء ص6
تعریف نبوت کا مسئلہ 2	9اپریل 1918ء ص5
تحفہ گولڑویہ کس سن میں تصنیف ہوا	7مئی 1908ء ص5-6
مسیح موعود اور اس کے اصحاب	28مئی 1918ء ص4-5
ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی رائے خواجہ کمال الدین صاحب کی طرز تبلیغ پر	28مئی 1918ء ص6
صدقۃ الفطر کتنا لیا جائے	29جون 1918ء ص10-11
ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کو 25 روپے انعام	30جولائی 1918ء ص10-11
کیا علماء دیوبند ہم سے مقابلہ کریں گے؟	10ستمبر 1918ء ص8
نبوت وہبی ہے یا کسبی	12نومبر 1918ء ص9
لائل پور کا ملک التجار اور مسئلہ اکفار	24دسمبر 1918ء ص10-11
اہل حدیث اور ہم سے مناظرہ کے لئے تیار ہو؟	5اگست 1918ء ص5

احباب کے فائدہ کی بات	19 اگست 1919ء ص 7-5
قوم کے لوگو! ادھر آؤ کہ نکلا فتاب۔	10 جنوری 1922ء ص 9
عالم بےعمل۔کلام الامام	17 جنوری 1922ء ص 5
مرزا احمد بیگ والی پیش گوئی	24 فروری 1921ء ص 7-8
غیر احمدی کی نماز جنازہ ''پیغام کا جواب''	17 مارچ 1921ء ص 7-8
	31 مارچ 1921ء ص 7-8
صرف ایک بات مولوی عزیز بخش صاحب سے	18 اپریل 1921ء ص 7-8
25 روپے کا انعام ایڈیٹر پیغام کو 40 روپے کا انعام ماسٹر فقیر اللہ صاحب کو	12 مئی 1921ء
ایک ضروری درخواست	6 جون 1921ء ص 12
خداوند کریم کی شان میں قابل شرم گستاخی کیا پیشہ اخبار کا ایڈیٹر مسلمان ہے	20 جون 1921ء ص 9-10
خواجہ پیغام کا حملہ ناکام (1)	30 جون 1921ء ص 3-6
خواجہ پیغام کا حملہ ناکام (2)	11 جولائی 1921ء ص 7-8
کیا ہماری بہنیں جاگتی ہیں؟	یکم اگست 1921ء ص 7
مولوی ثناءاللہ کی بے ہودہ سرائی	5 اگست 1921ء ص 6-7
سکینۃ النساء کا پیام احمدی خواتین کے نام	15 اگست 1921ء
شعر مرا بدفتر وکیل کہ برد	25 اگست 1921ء ص 9
بزم خسروی کے مشاعرے میں ایک مسلمان خاتون کی غزل	26 اگست 1919ء ص 9-10

احمدی اور ذبح البقر	29اگست 1921ءص6-7
مولوی محمد علی صاحب کا بیت العنکبوت	یکم ستمبر 1921ءص6-7
حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ پر مولوی محمد علی صاحب کا افتراء	8 ستمبر 1921ءص8-9
اصحاب کبار مسیح موعود کا مذہب در بارہ مسئلہ نبوت	6اکتوبر 1921ءص8
مسلمانوں کی خانہ جنگی میں احمدیوں کا حصہ نہیں	17اکتوبر 1921ءص3-4
آباوی بانو بیگم صاحبہ کا لیکچر لاہور میں۔ (کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کھدر پہنتے تھے)؟	17اکتوبر 1921ءص9
احمدی خواتین میں غفلت اور سستی نہیں چاہئے	21اکتوبر 1921ءص7
ہمارے عقائد	30اکتوبر 1921ءص8
سیاسی لیڈر مذہبی لباس میں	10 نومبر 1921ءص3-4
زندہ باد مرہم عیسیٰ	17 نومبر 1921ءص12
حضرت مسیح موعود کے قدیمی صحابہ کرام کا مذہب	21نومبر 1921ءص9
حضرت مفتی محمد صادق صاحب کا مذہب در بارہ نبوت مسیح موعود	28نومبر 1921ءص8
صادق پٹیالوی سے ایک حوالہ کا مطالبہ	8دسمبر 1921ءص7
نامہ نگار اہل حدیث کو نوٹس	19دسمبر 1921ءص4
اہل حدیث اپنے قول سے پھرنا چاہتا ہے	19 جنوری 1922ء ص 10-11
مولوی محمد علی صاحب کی عہد شکنی	26جنوری 1922ءص8
تحریر امام اور پیغام نافرجام	26جنوری 1922ءص8

اہل حدیث کا قدم بقدم پیچھے ہٹنا	30 جنوری 1922ء ص1-2
ایک بہتان کی تردید	15 فروری 1922ء ص9
مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب کا اپنے چیلنج سے کھلا فرار	16 فروری 1922ء
پیغام نافرجام کا حملہ ناکام	23 فروری 1922ء ص8
پیغام نے الفضل کا مطالبہ پورا نہیں کیا	23 فروری 1922ء ص9
خلیفہ برحق پر پیغام کا افتراء	16 مارچ 1922ء ص9
مولوی محمد علی صاحب کی عہد شکنی	23 مارچ 1922ء ص5
اہل حدیث میں وفات مسیح کا ذکر	24 مارچ 1922ء ص5
جلسہ غیر احمدیاں (2)	10 اپریل 1922ء ص8-9
ایک نوزائیدہ رسالہ	22 مئی 1922ء ص3
پچاس روپے انعام	8 جون 1922ء ص8
اہل حدیث افتراء پرداز اور جھوٹا ثابت ہوگیا	15 جون 1922ء ص7
مسلمانوں کے اتفاق واتحاد کی ایک ہی سبیل	19 جون 1922ء ص3-4
مولوی ثناء اللہ صاحب کے انعامی چیلنج کا فیصلہ (1)	6 جولائی 1922ء ص3-4
مولوی ثناء اللہ صاحب کے انعامی چیلنج کا فیصلہ (2)	10 اگست 1922ء ص3-4
دیوسماجیوں کو جواب قرآن میں آم کا ذکر کیوں نہیں	31 اگست 1922ء ص5
جلسہ پر دس ہزار انڈا	11 دسمبر 1922ء ص8
جلسہ پر باہمی میل جول	18 دسمبر 1922ء ص6
اخلاق حسنہ کے امتحان کا وقت	18 دسمبر 1922ء ص12

کیا حماقت محض وہابیت سے مخصوص ہے	18 جنوری 1923ء ص8
ہم خدا کے فضل سے قبر پرست نہیں!	29 جنوری 1923ء ص3
حوالے کی درخواست	5 فروری 1923ء ص9
تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی برائے تعمیر برلن	8 فروری 1923ء ص8-9
میری معذرت پیغام بلڈنگس کے مکینوں سے	12 فروری 1923ء ص4
''گنجینہ مطاعن'' کے شیعہ مصنف کو چیلنج	12 فروری 1923ء ص6
ایک بہتان کی تردید	15 فروری 1923ء ص9
برلن کی مسجد ہم احمدی خواتین کے چندے سے بنے	22 فروری 1923ء ص8
پنجابی شاعری	یکم مارچ 1923ء ص7-8
حضرت مسیح موعود کو ابوحنیفہؒ کا مقلد کہنا کفر ہے	5 مارچ 1923ء ص9-10
سیدنا محمود کا ذکر قرآن مجید میں مباحثہ جلال پور جٹاں کی روئداد (سنی وشیعہ)	15 مارچ 1923ء ص12
ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی خدمت میں	7 مئی 1923ء ص9
روئیداد سالانہ جلسہ احمدی خواتین	8 جنوری 1924ء ص10
الجنۃ تحت اقدام الامھات	یکم اپریل 1924ء ص7-8
بہائی فتنہ شیطانی تحریک ہے اور ہم شہاب ثاقب	6 جون 1924ء ص9
زمیندار کی بے ہودہ سرائی	24 جون 1924ء ص12
حضرت مسیح موعود کا صاف وصریح حکم ہے۔ کہ بدوں احمدی کی لڑکی کا رشتہ نہ کیا جائے	15 فروری 1924ء ص8

پیر برکت علی صاحب مرحوم	29 جولائی 1924ء ص9
یہ مبارک بادکیسی؟	5 اگست 1924ء ص5
پیغام کی الٹی سمجھ	3 اگست 1924ء ص9
مزخرفات بہائیہ	9 ستمبر 1924ء ص6
اخبار مسلم راجپوت کا الزام ناروا	11 اکتوبر 124ء ص6-7
سردار اہلحدیث کی ایمانداری	21 اکتوبر 1924ء ص9
بہائیوں کی طرف سے دعوت اور اس کا جواب	یکم نومبر 1924ء ص11
بہائی اپنے مذہب کی اصولی کتب تلاش کر رہے ہیں۔ اس لئے مناظرہ میں توقف چاہتے ہیں	23 نومبر 1924ء ص7
بارک اللہ! مرحباً!! خوش آمدی	25 نومبر 1924ء ص16
عقیدت کے چند پھول اپنے امام کے قدموں	25 نومبر 1924ء ص12-13
بہائی اپنے مذہب کی اصولی کتب قیمت پر بھی نہیں دینا چاہئے اور ان کی مصدقہ نقول	13 دسمبر 1924ء ص4
بہائیوں کا ایک کذب وافتراء	18 دسمبر 1924ء ص1
صوفیوں کی نمائندگی مذہبی کانفرنس ویمبلے لنڈن میں	20 دسمبر 1924ء ص7
مختصر رپورٹ جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ قادیان	3 جنوری 1925ء ص1
مرزا حسین علی یقیناً مدعی الوہیت تھا	10 جنوری 1925ء ص4
آریہ سماجیو بتلاؤ! کیا یہی شرافت اور تہذیب ہے	20 فروری 1925ء ص4

بہائی اپنے مذہب کی بنیادی کتابیں چھپاتے ہیں اور احمدیوں کے ساتھ مناظرہ کرنے سے جان چھڑاتے ہیں	12 مارچ 1925ء ص4
تبلیغ کے لئے نیا میدان احمدی دوست توجہ کریں	3 فروری 1925ء ص3
عشرہ کاملہ کے پٹیالوی مؤلف کا کھلا کذب وافتراء	5 فروری 1925ء ص3
آل انڈیا پارٹی کانفرنس اور مسئلہ ہندو مسلم اتحاد	10 فروری 1925ء ص3
قرآن مجید ہی مکمل ومحفوظ کتاب اللہ ہے	12 فروری 1925ء ص3
58 لاکھ خرچ کا نتیجہ تنسیخ خلافت	19 فروری 1925ء ص3
دو اور احمدی سنگسار کئے گئے	21 فروری 1925ء ص3
تاریخ اپنے واقعات کو دہراتی ہے حکومت کابل فرعونی مظالم سے سبقت لے گئی	24 فروری 1925ء ص3
مولوی ثناء اللہ صاحب کی کٹ حجتی	28 فروری 1925ء ص10
سردار اہلحدیث اور قتل مرتد	2 اپریل 1925ء ص6
خواتین جماعت احمدیہ کی بہبودی کا تقاضا	7 اپریل 1925ء ص4
شذرات ''زمیندار کی بے راہ روی'' حاجیوں کا جہاز روک لیا گیا۔ بابو پیر بخش صاحب جواب دیں	18 جون 1925ء ص4
تنظیم کے علامہ ''برق وشرار'' کی جناب میں	29 اگست 1925ء ص6
روضۃ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام	12 ستمبر 1925ء ص3
احمدی خواتین کا اپنا اخبار	14 دسمبر 1926ء ص3
غیر مبائعین کو اپنے ایک منصوبہ میں شرمناک شکست	15 جون 1926ء ص3-4

الواح الہدیٰ	23نومبر 1926ء ص1-2
احمد یوا پنے روحانی وطن کی طرف آؤ	21دسمبر 1926ء ص3
شاندار دینی اجتماع پر تشریف فرما احباب کا خیر مقدم	24دسمبر 1926ء ص3
سوامی شردیانند جی کو وہشتناک قتل	4جنوری 1927ء ص3-4
نامہ نگار ہنگو اپنے جھوٹے ہونے کا خود اقرار کرتا ہے	15فروری 1927ء ص10
اسلام کے بدترین دشمن اہل بہاء	4مارچ 1927ء ص7
اہل بہاء کی باطل کشی	12اپریل 1927ء ص8
مسلمانوں کا حقیقی لیڈر کون ہے	30اگست 1927ء ص21-22
مسلم خاتون کیسی ہونی چاہئے	30ستمبر 1927ء ص21
الفضل کا جواب نامہ نگار اہل حدیث کو	11اکتوبر 1927ء ص10
ہمارا بے مثال شفیق	12جون 1928ء ص50
پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار	12جون 1928ء ص35
زمیندار کی افتراء پردازیاں	13جولائی 1928ء ص9
زمیندار کے اعتراضات	17اگست 1928ء ص10
پیغام بلڈنگس کا امیر قوم سیدنا محمود کے قدموں میں	13نومبر 1928ء ص9
رسول کریم کے ساتھ عورتوں کا معاملہ	31مئی 1929ء ص61
موسم بہار میں نشانہائے کردگار	14جولائی 1929ء ص10
ریویو آف ریلیجنز پر غلط اتہام	19جولائی 1929ء ص7
پنڈت دھرم بھکشو کا عبرتناک انجام	8جولائی 1930ء ص7

اکمل صاحب کا جواب غلام ربانی کو (لاہوری)	24 جولائی 1930ء ص 5-6
قرآن مجید میں کوئی اختلاف نہیں	5 اگست 1930ء ص 6
دنیا کے مختلف مذاہب میں عورت کا درجہ ''خاتم النبیین''	26 نومبر 1933ء ص 57
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سادگی	25 اکتوبر 1940ء ص 24
سید الکائنات واخبارہ بالمغیبات	8 نومبر 1931ء ص 54
14 مارچ کی یاد	14 مارچ 1931ء ص 16
داستان عہد گل راشنو یداز عندلیب	26 مئی 1931ء ص 12

مضامین تشحیذ

مضمون مولوی اکمل صاحب	فروری1909ء
نزول مسیح	مئی1911ء
دنیا میں مصیبتیں	مئی1911ء
مسیح محمدی، مسیح ناصری	1/6فروری1911ء
جواب الہامات مرزا	2/6فروری1911ء
محبوب سبحانی	7/6جولائی1911ء
سیدنا نورالدین	7/6جولائی1911ء
مقام محمود، پردہ کا حکم قرآن میں، انبیاء کی جماعت، تثلیث کا رد، چند سوالوں کے جواب	8/6اگست1911ء
ثناءاللہ کے ایک اعتراض کا جواب	9/6ستمبر1911ء
مسیح موعود کے بعد ہمارا فرض، آریہ سماج کا مذہب مال مانگتے ہیں جاں نہیں مانگتے	11/6نومبر1911ء
قدوم میمنت نزوم ہم من فقہاء کی ایک جماعت ہونی چاہیے	12/6دسمبر1911ء
احمدی جماعت کا عقیدہ امام مہدی کے متعلق	1/7جنوری1912ء
احمدی خواتین توجہ کریں	2/7فروری1912ء
سچائی کی فتح	4/7اپریل1912ء
ہماری زندگی سادہ ہونی چاہیے	5/7مئی1912ء
درمکنون	6/7جون1912ء

مرزا غلام احمد مسیح موعود، تصدیق از کلام ابن عربی	7/7جولائی1912ء
رمضان المبارک، آریہ مسافر اپنے رہنما سے برسر پرخا، تہذیب الاخلاق توجہ کرے۔ ایک جری اللہ فی حلل الانبیاء کی ضرورت	8/7اگست1912ء
کیا اسلام شخصی مذہب ہے، عذاب الٰہی رسول کا نشان ہے	9/7ستمبر1912ء
وہ نبی، جنرل نوگی کی خودکشی، یہ سفر رفت مبارک باد، اینی بسنٹ کی غلط فہمی	10/7اکتوبر1912ء
عید اضحیٰ (مختصر نوٹ) توفی کے کیا معانی، الہلال اور کسنا ہمارا معبود برحق	11/7نومبر1912ء
ہم فتحیاب کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اصحاب الجنۃ	12/7دسمبر1912ء
خصوصیات مسیح موعود	1/8جنوری1913ء
مقدس نبی کے مقدس حالات	2/8فروری1913ء
تصدیق المسیح بجواب نامہ حیدری	6/8جون1913ء
مرزا احمد بیگ والی پیش گوئی	5/8مئی1913ء
الوقت میگوئیدز مین	7/8جولائی1913ء
ہمارا مسیح موعود شریک باری تعالیٰ ہونے کا مدعی نہ تھا۔ ہمارا نبی	8/8اگست1913ء
القرآن فی رمضان (ماخوذ از درس حضرت خلیفہ اول ؓ)	9/8ستمبر1913ء
غیر احمدی سے احمدی لڑکی کا نکاح منع ہے۔ سعادت مریمیہ کا رد فیوضات مسیح موعود	10/8اکتوبر1913ء
کچھ شک نہیں کہ قرآن شریف میں قادیان کا ذکر ہے۔ اصحاب الجنۃ، بروز محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام بیاض امجد ''اقوال کبار''	12/8دسمبر1913ء

مذہبی کانفرنس کی ضرورت، تاریخی شذرات، سلسلہ احمدیہ کی ضرورت کا اعتراف،تقویٰ کے حصول کے ذرائع	1/9جنوری1914ء
مسیح موعود نے مردے زندہ کئے۔مولوی محمد حسین بٹالوی کا رجوع عن التکفیر	2/9فروری1914ء
ہمارا فرض کیا ہے۔کیا مسیح موعود نے ابن اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔کوئی معزز فرشتہ ابلیس نہیں بنا،تاریخی شذرات	3/9مارچ1914ء
الوصیت پر ایک نظر	4/9اپریل1914ء
امر خلافت1	5/9مئی1914ء
خلافت علیٰ منہاج النبوت	6/9جون1914ء
امر خلافت2	7/9جولائی1914ء
احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام	9/9ستمبر1914ء
تصوف1	11/9نومبر1914ء
ہم نے مسیح موعود کے تعلق سے کیا پایا۔تصوف نمبر2	12/9دسمبر1914ء
فتویٰ شریعت غراء اور معتقدات حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء	1/10جنوری1915ء
خلیفہ ثانی یوسف قادیانی، بائبل کی اصلیت، دنیا ظہور امام موعود کے لئے بے قرار ہے۔''مسافر'' آگرہ کا ادعاء عربی دان	3/10مارچ1915ء
''النبوۃ فی الاسلام کی تمہید پر ایک نظر۔چند حل طلب معموں کا حل	4/10اپریل1915ء
قوم کی ترقی ایک امام کی کی اطاعت پر منحصر ہے	7/10جولائی1915ء
ایک نبی اور عالم میں فرق۔غیر احمدی کا جنازہ	10۔11/10 اکتوبر 1915ء

ایک اثنا عشری کے سوالات کے جواب حضرت فضل عمر سے۔نبوت مسیح موعود پر قرآنی آیات سے بحث۔	12/10 دسمبر 1915ء
احمد قادیانی کی صداقت کا ثبوت	11/3 مارچ 1916ء
مسیح موعود کا علم کلام	11/4 اپریل 1916ء
حضرت مرزا صاحب مسیح ابن مریم کیونکر ہو سکتے ہیں۔نبوت مسیح موعود از روئے قرآن وحدیث۔صحابہ رسولؐ وصحابہ امام حسینؓ	11/5 مئی 1916ء
وضو میں پاؤں دھونے کا حکم	11/7 جولائی 1916ء
انجیل قرآنی، مسیح یا محمد۔حقائق الاسلام اور اسوہ حسنہ کے مضمون پر ایک نظر۔ہمارے بھائیوں کے مکان دارالامان میں	11/10 اکتوبر 1916ء
ہمارا جلسہ سالانہ۔احمدی جماعت کے یتامیٰ ومساکین	11/11-12 نومبر دسمبر 1916ء
جست یاران طریقت بعدازیں تدبیر	11/11-12 نومبر دسمبر 1916ء
عیسائیوں کے ایک اعتراض کا جواب۔ بہائیوں کے عقائد۔عیسائی اصحاب توجہ فرمائیں۔پیش گوئیوں کے بارے میں چند اصول۔مرزا احمد بیگ والی پیشگوئی۔چند لطائف (اعتراض وجواب)	12/1 جنوری 1917ء
غیر مبائعین سے خطاب اور دوز بردست حوالے	12/2 فروری 1917ء
بیٹا یعقوب اور میں ''مولوی امروہی کا لڑکا''	12/4 اپریل 1917ء
قبولیت دعا کے چھیاسی گر۔ ادعیہ ماثورہ ۔ ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے۔ماہوار رسالوں پر ایک نظر	12/5 مئی 1917ء

خاتم النبیین ۔مرزا احمد بیگ والی پیشگوئی پر دو اعتراضوں کا جواب	9-12 ستمبر 1917ء
کیا مسیح کے بیوی بچے تھے	10/ 12 اکتوبر 1917ء
رسول کریم کے بعثت ثانی	11/12 نومبر 1917ء
مسئلہ نزول مسیح	12/12 دسمبر 1917ء
ایک شیعہ مجتہد کی کارگزاری جنت و نار کی ٹھیکیداری۔ ہماری جماعت کے خوارج۔غیر احمدیوں کی قرآن دانی	1-2/ 13 جنوری فروری 1918ء
سلسلہ نقش بندیہ مجددیہ وصداقت احمدیہ۔ یدفن معی فی قبری	مارچ 1918ء
شیعہ مجتہد کی قرآن دانی	اپریل 1918ء
خاتم النبیین کے حصے ۔تبدیلیٔ عقیدہ۔	مئی 1918ء
روح مخلوق ہے	جون 1918ء
طاعون کے بارے میں چند سوالات کے جواب	جولائی 1918ء
حضرت مسیح موعود کی نسبت ایک نیا خیال	جولائی 1918ء
چند مطالبات غیر مبائعین سے	اگست 1918ء
صدقۃ الفطر نصف صاع گندم ہے۔ چار بیویوں سے زیادہ جائز نہیں۔ جنگ یورپ میں ہمارا فرض۔	ستمبر 1918ء
قرآن مجید کی دو پیشگوئیاں پوری ہوئیں	دسمبر 1918ء
خاکسار اکمل کا نیاز نامہ دربار معلیٰ مولوی محمد علی میں ۔ یہود بنے تو عیسیٰ بھی آ گیا	مارچ 1919ء
امام مہدی کا غلام احمد نام معتبر کتاب شیعہ میں ۔خصوصیات اسلام	اپریل 1919ء

دنیائے اسلام کے دو بڑے پیشوا	مئی1919ء
متفرق نوٹ	جون1919ء
شیعہ نے غلط حوالہ دیا	نومبر1919ء
نبی کریم اور مسیح موعود کی پیش گوئی بائبل میں۔ مسیح کی وفات پر ایک مولوی فاضل کے اعتراضات	دسمبر1919ء
رسالہ ''استانی'' اور خواجہ حسن نظامی کی قرآنی دانی۔ مسیح موعود کی پیشگوئی کس صفائی سے پوری ہوئی۔ امام ابوحنیفہ کا سال وفات۔ شیعہ کا غلط حوالہ	فروری1920ء
یہ ہیرا سنگھ کون تھا۔ حسن نظامی کا تصوف	مارچ1920ء
السواد الاعظم اور ہم	اپریل1920ء
شیعہ کا غلط حوالہ۔ شیعہ علم کلام	جون1920ء
امام الزمان کی آمد	نومبر1920ء
براہین احمدیہ کا اکثر حصہ شائع نہ ہونے کی پیشگوئی۔ غیر مبائعین پر حجت ملزمہ۔ حضرت مسیح موعود کی ایک پیشگوئی	مئی1921ء
ایڈیٹوریل شذرات	ستمبر1921ء
پیشگوئیوں کے اصول۔ نبی کی پہچان کے لئے دو معیار صداقت۔ مسٹر جے ڈانیل کی ایک عرض پر توحید پرست احمدی کا فرض۔ نبی کے لئے امی ہونا، شاعر نہ ہونا شرط نہیں۔ مجدد الف ثانی کا مذہب ختم نبوت کے بارے میں۔	اکتوبر1921ء
حضرت مسیح موعود کی نبوت اور حضرت مرزا محمود احمد کی خلافت	نومبر1921ء
آیت لوتقول اور اہل بہاء۔ آیت استخلاف کے مطابق آخری خلیفہ	دسمبر1921ء

تذکرۃ الانبیاء میں خلاف عقل ونقل باتیں	فروری1920ء
طریقہ قادریہ وسہروردیہ	فروری1912ء
طریقہ نقشبندیہ	اپریل1914ء
الحمد میں تناسخ کا رد	مارچ1914ء

مضامین ریویوآف ریلیجنز

آج کل کا تصوف۔قرآن کریم کا ذکر بائبل میں۔کیا عذاب جہنم دائمی ہے۔ شذرات	مارچ1922ء
حدیث رسول اللہ پر اعتراضوں کے جواب۔قصیدہ غوثیہ میں مسیح موعود کی صداقت۔ سناتن دھرم والوں کے عقائد۔ دنیا ظہور صادق کے لئے بیتاب۔ مسلمانوں کی تباہی اور دعوت الٰہی۔مولوی محمد علی صاحب اپنے ایمان کا فیصلہ کریں۔	اپریل1922ء
پادریوں کے ایمان کا امتحان انجیل کی کسوٹی پر۔مروجہ انجیل کے پانچ فقرے	مئی1922ء
مناجات خداوندی	جون1922ء
غیرمبائعین کی زبان۔شذرات	جولائی1922ء
دیوسماج اور ہم۔کثیر الازدواجی کی ضرورت یورپ میں۔	اگست1922ء
بائبل کا ترجمہ پچاس زبانوں میں۔دنیا میں کالے اور گورے۔کتابوں کا حق تصنیف۔مکہ مدینہ ریولے۔چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا۔مال غنیمت پر قبضہ جس میں عورتیں شامل ہیں۔جان سے مارو پہلے اور سوچو پیچھے۔ہندوستان کی مردم شماری اور ہمارا فرض تبلیغ۔کیا بدھ بھی آسمان پر گیا تھا۔ اسلام میں گائے کی قربانی سے کیا مطلب۔عالم آخرت کے متعلق اسلام کی تعلیم اعلیٰ ہے۔دہریوں کا دل بھی مطمئن نہیں ہوتا۔پروفیسر مارگولی ایتھ کے شبہات کا ازالہ	ستمبر1922ء

الوہیت مسیح کی تردید انجیل سے۔قرآن مجید کے کامل اورالہامی ہونے کا ثبوت۔حضرت باوانانک کا مذہب۔1340ھ بھی خالی گیا مہدی ظاہر نہ ہوا۔شذرات ''ہر سورت'' سے پہلے بسم اللہ کیوں ہے؟ گئورکھشا اور آریہ سماج۔دجال کی حقیقت	اکتوبر1922ء
مسیح موعود نبی بلا کتاب۔شذرات ''مسلمانوں کے ہاتھ سے سلطنتیں کیوں گئیں۔اسلام دین الفطرت ہے۔بائبل کا مقابلہ قرآن مجید سے۔مسیح یا محمد۔کیا اسلام ہندو دھرم سے نکلا۔آخری فیصلہ کے لئے مباہلہ۔موت کے بعد زندگی۔ذوالجناح کی ہسٹری۔تبلیغی کوششیں انسان کے اعمال کا اثر روحانیت پر۔مسلمانوں پر ذلت ومسکنت۔پہلے صحیح انجیل تو دکھاؤ'	نومبر1922ء
دیوسماج اور ہم ii۔شذرات۔''دوزبردست پیشگوئیاں۔مذہبی رواداری۔سفا کی کا ثبوت عمل میں۔تعدداز دواج	جنوری1923ء
انجیل سے معیار صداقت۔ہم اور ہمارے ہمعصر۔حب کا مجرب و آزمودہ عمل	فروری1923ء
شبیہ مبارک۔یہی وقت ہے ظہور مہدی کا۔پنڈت لیکھرام کی نسبت پیشگوئی۔دیوسماج اور ہم iii۔شیعہ مصنف کا حملہ آنحضرت صلعم پر۔	مارچ1923ء
عقائد فرقہ مہدویہ۔انسداد فتنہ اور تعداد۔الامراض تشاع	جون1923ء
امت محمدیہ میں بعثت رسل۔طاعون اور اس کا سبب	جولائی1923ء
صداقت نبوی پر دس دلائل۔خلافت اسلامیہ۔جاپان میں زلزلہ سے خوفناک تباہی۔مادہ کیا ہے۔مولویوں کا سلوک اہل اللہ سے مصر میں علماء اسلام کی حالت	اکتوبر1923ء

نومبر 1923ء	امام سیوطی کو بددیانت کہہ دیا۔اسلام کی اندرون تصویر
دسمبر 1924ء	شذرات۔(متعدد)
فروری 1924ء	المقتبسات والمطتقطات
مئی 1924ء	الملاحظات (متعدد)
جون 1924ء	تعلیم باب وبہاءاللہ۔شمہ از حدیث بخارا۔المقتبسات۔(متعدد)
اگست 1924ء	آریہ سماجی اور گاندھی جی
ستمبر 1924ء	شذرات۔دریا پھٹ گیا۔ترکوں کی موجودہ مذہبی حالت۔سیلاب سے خوفناک تباہی۔موجودہ علماء اسلام کی حالت۔مسلمانوں سے قبل اور عہد میں یہود کی حال
اکتوبر 1924ء	المسیح الدجال کون ہے المسیح الموعود کون۔مولوی نعمت اللہ خان صاحب کی شہادت
دسمبر 1924ء	المسیح الدجال ii۔کابل کے متعلق کشف۔نعمت اللہ خان اور امیر افغانستان۔آفتاب صداقت کا طلوع مغرب میں
فروری 1925ء	شذرات (متعدد)۔عشرہ کاملہ کے پٹیالوی مصنف کا کھلا کھلا افتراء
اپریل 1925ء	المقتبسات (متعدد)
مئی 1925ء	دو تصویریں ایک مصور کے ہاتھ۔الاخبار والآراء۔آرین فحش نویسی۔دجال کی چالیں۔مادہ بالذات کوئی چیز نہیں۔زلزلہ کا دھکا۔شراب ام الخبائث ہے۔
جولائی 1925ء	پردہ کے متعلق اسلامی احکام اور پوپ صاحب کا اس کے اتباع پر مجبور ہونا
مارچ 1926ء	پاکوں کے سردار پر مستشرقین یورپ کے ناروا حملے۔شذرات (متعدد)

پاکوں کے سردار پر مشرکین مشرق کے حملے۔المقتبسات (متعدد)	مئی 1926ء
روح ومادہ حادث مگر سلسلہ خلق قدیم	جون1926ء
المقتبسات (متعدد)	اکتوبر1926ء
غلبۂ روم۔اسلامی اخلاق	دسمبر1926ء
شمہ از حدیث بخارا جولائی	1927ء
حزب اللہ	دسمبر1928ء
آیت استخلاف ومسیح موعود	مارچ1930ء
ہمارا ہادی اغیار کی نظر میں	اپریل1930ء
ہمارا خانہ کعبہ۔لاطینی وفارسی رسم الخط	اگست1930ء
شذرات۔مسلمان را مسلمان باز کردند۔رسالہ نگار کا نامہ نگار۔ترکیہ میں انہدام مساجد۔ہندو راجہ کا قبول اسلام اور معجزہ شق القمر۔رومانیہ اور بلغاریہ کے مسلمان۔جاوا میں اسلام کب اور کس طرح پھیلا	اکتوبر1930ء
عرفان الٰہی اور محبت باللہ	نومبر1930ء
ہدایات دربار معاملات	مئی1931ء
ہدایات دربار معاملات	جون1931ء
زمانہ قدیم اور غلام سازی	دسمبر1932ء
ترقیات سلسلہ احمدیہ بعہد خلافت ثانیہ	اپریل1933ء
الہامات مسیح موعود علیہ السلام دربارۂ زلازل	فروری1934ء
امامت وخلافت۔ماہ رمضان المبارک	نومبر1937ء

مضامین مصباح

عورتوں کے لئے جسمانی ورزش بے حد ضروری ہے اگست 1927ء

زمانے کا رنگ نمبر2

کھانے پکانے سے خلاصی یکم فروری 1928ء

رمضان المبارک 15 مارچ 1928ء

فہرست الحکم

احمدی فقہ	31 جنوری 1905ء
کھلی چٹھی بنام کلیم اللہ مچھیانوی i۔ii	24/16 دسمبر 1905ء
کھلی چٹھی کا جواب آ گیا (خط کلیم اللہ مچھیانوی)	31 جنوری 1906ء
اہل سنت و جماعت توجہ سے پڑھیں	17 مارچ 1906ء
انجمن حمایت اسلام کے جلسے پر نوٹ	24 اپریل 1906ء
نقشبندیوں پر اتمام حجت	10 مئی 1906ء
رپورٹ جلسہ الفضل	17 جون 1906ء
رسول اللہ کے زمانہ میں عورتوں کی محبت	10 جولائی 1906ء
فرضیت جمعہ (مچھیانوی مولوی کے رڈ میں) 24 جولائی 1906ء	
رپورٹ جلسہ رجوعہ	10 اگست 1906ء
عذاب الٰہی اور مصیبت میں فرق	17 اگست 1906ء
خاک ڈالنے سے چاند نہیں چھپتا۔ ذاب کمایذوب۔ علمی مذاق	10 ستمبر 1906ء

جلسہ گورالی کی رپورٹ	17اکتوبر 1906ء
کھلی چٹھی بنام چکڑالوی	10 نومبر 1906ء
بین بخش کے سوالوں کا جواب	10 نومبر 1906ء
منہاج نبوت	30اپریل 1907ء ص7
الایمان یزید وینقص	10 مئی 1907ء ص3
احیاء موتی	17 جون 1907ء ص10
رپورٹ جلسہ احمدیہ تحصیل پھالیہ اور پیغام	24اگست 1907ء ص14
کلام المسیح	10 ستمبر 1907ء ص6
خطبۃ النکاح (حضرت خلیفہ اول نوشتۂ اکملؓ)	24 جون 1907ء ص6
کچھ جلسہ کی نسبت	10 جنوری 1907ء
دجال کی حقیقت	17 جون 1907ء
کلام المسیح	10 ستمبر 1907ء
نماز تراویح	10اکتوبر 1907ء

اس کے علاوہ الحکم جب وقفوں کے بعد شائع ہوتا رہا ہے تو حضرت قاضی صاحب ملفوظات اپنی ڈائری سے لکھتے رہے ہیں۔

افسوس مضامین الحکم کی فہرست ضائع ہوگئی ہے۔اس لئے فہرست میں مضامین کم نظر آ رہے ہیں۔

حضرت قاضی ظہور الدین اکمل صاحب کے دیگر اخبارات میں شائع ہونے والے مضامین کی فہرست

	1900ء1901ء	1902ء	1903ء	1904ء	1905ء	1906ء	
تاج الاخبار	12–7	7	–	–	–	–	
صدائے ہند	6–3	7	9	8	4	6	
گلزار ہند	–	2	–	–	1	–	
سراج الاخبار	5	4	31	1	–	–	
سیالکوٹ پیپر	7–7	3	9	3	6	3	
پنجہ فولاد	–	6	10	7	3	3	
لائل پور گزٹ	3–8	–	–	–	–	–	
روز افزوں	–	2	4	–	–	–	
وکٹوریہ پیپر	–	3	16	3	2	4	
دیہاتی گزٹ	–	2	–	–	1	–	
پٹیالہ اخبار	–	3	3	2	4	1	
نجم الاسلام	–	1	–	–	–	–	
آصف الاخبار دہلی		–		2	1	–	–
الگزینڈر گزٹ	–	–	6	1	–	–	
زمیندار	–	–	1	–	–	–	
آفتاب ہند دہلی	9	–	1	–	–	–	

معدن العلوم	ـ	ـ	7	3	ـ	ـ
قومی رفیق	ـ	ـ	4	1	ـ	ـ
وفادار 5–5	ـ	4	3	ـ	ـ	
انتخاب روزگار	ـ	ـ	8	ـ	ـ	ـ
رہبر ـ	ـ	2	9	ـ	ـ	
کرزن گزٹ	1–2	ـ	1	1	ـ	ـ
آفتاب دکن	ـ	ـ	1	2	ـ	ـ
پنجاب آرگن	ـ	ـ	3	4	4	3
نظام الملک	ـ	ـ	7	4	3	4
ایڈورڈ گزٹ	ـ	ـ	6	1	ـ	ـ
اردو اخبار	ـ	ـ	1	ـ	4	1
جلوۂ محبوب	ـ	ـ	3	ـ	1	ـ
پنجاب ریویو	ـ	ـ	1	ـ	ـ	ـ
لاہور پنچ	ـ	ـ	12	4	5	5
محمد عالم	ـ	ـ	1	ـ	ـ	ـ
دہلی پنچ	ـ	ـ	1	2	ـ	ـ
اہلووالہ گزٹ	ـ	ـ	4	ـ	ـ	ـ
پولیس ایڈوکیٹ	ـ	ـ	3	ـ	ـ	ـ
چودھویں صدی	ـ	ـ	ـ	6	2	ـ
ہندوستان	ـ	ـ	ـ	1	1	ـ

تحفۂ سرحد	۔	۔	۔	2	3	5
پنجاب	۔	۔	۔	۔	5	2
پنجاب سماچار	۔	۔	۔	۔	3	2
انسانی ہمدرد	۔	۔	۔	۔	1	۔
الرفیق۔	۔	۔	۔	۔	2	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لندن کے ایک شاعر و ادیب، مبصر، کالم نگار و مصنف

رانا عبد الرزاق خان بی اے کی خدماتِ ادب

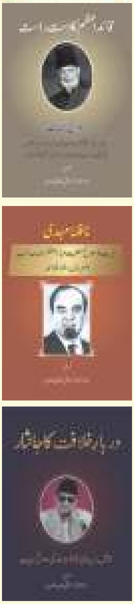

کتب کے نام

۱۔ قندیل حق ۲۔ قندیل علم ۳۔ دانشکدہ عظیم ۴۔ سپوتِ ایشیا ۵۔ تاریخ کا ٹھگڑھ

۶۔ سوانح بہادر شیر کا ٹھگڑھی ۷۔ نافلہ مُہدی ۸۔ خلافت کا جانثار

۹۔ قائد اعظم کا دست راست ۱۰۔ عندلیبان گلشن احمد

دیگر خدمات

- 300 سے زائد عالمی مشاعروں کا انعقاد
- ایڈیٹر قندیل ادب انٹرنیشنل لندن 10 سال سے
- ایڈیٹر قندیل حق انٹرنیشنل لندن سہ ماہی 5 سال سے
- ممبر ادارتی بورڈ اخبار احمدیہ لندن 12 سال سے
- سابق ایڈیٹر المنار ماہانہ یو کے 5 سال سے
- سابق کالم نگار و مدیر گوشہ ادب یو کے ٹائمز یو کے۔ 10 سال

رانا عبد الرزاق خان

مدیر: قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

++44 7886 304637 (Mob)

BIOGRAPHY

HAZRAT QAZI ZAHOORUDDIN AKMAL SAHIB[RA]

تعارف مصنّف

رانا عبدالرزاق خان

پیدائش۔ 13 اپریل 1951۔ چک نمبر 2TDA ضلع خوشاب۔

تعلیم۔میٹرک، ایف اے تعلیم الاسلام سکول و کالج ربوہ۔۔بی اے پنجاب یونیورسٹی لاہور

1972. ملازمت۔۔سپروائزر۔پیکیجز بورڈ ملز لاہور۔زعیم۔خدام الاحمدیہ حلقہ جنرل ہسپتال قیادت ماڈل ٹاؤن لاہور

1975 بحرین عربین گلف روانگی بطور ایگریکلچر اسسٹنٹ بحرین۔وہاں نو سال سیکٹری مال جماعت کام کی توفیق ملی۔

شادی 28 نومبر 1977 ربوہ۔۔سسر چچا جان ناصر احمد بہادر شیر افسر حفاظت خاص۔۔شمولیت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ

1984 میں والد صاحب کی وفات پر تقرری نمبردار چک نمبر 2TDA ضلع خوشاب۔

1985 قائد خدام الاحمدیہ ضلع خوشاب۔1989 صدر جماعت احمدیہ چک نمبر 2TDA ضلع خوشاب مسلسل 2005 تک صدر رہے۔16 سال۔

1995۔ناظم مجلس انصاراللہ ضلع خوشاب و شمولیت ممبر شوریٰ مرکزیہ۔سیکٹری دعوت الی اللہ ضلع خوشاب 1997۔۔ذیابیطس کی بیماری لگی۔

2001۔انتخاب بطور امیر ضلع خوشاب۔ 2005۔روانگی لندن۔رضاکارانہ خدمت شعبہ عمومی مجلس انصاراللہ مرکزیہ عرصہ دس سال۔

2009 مجلس شعر و سخن کا قیام بوساطت محترم مبارک صدیقی صاحب

2010۔کالم نگاری یوکے ٹائمز۔۔۔ایڈیٹر گوشہ ادب یوکے ٹائمز۔۔۔اخبار احمدیہ یوکے کے ادارتی بورڈ میں شمولیت۔جو کہ آج تک ہے۔

2012۔ معاون صدر TICOSA UK 2013۔قندیل ادب انٹرنیشنل کا اجرا جنوری سے شروع۔

2014۔سیکرٹری تجنید TICOSA UK ساری تجنید مرتب کی۔رسالہ قندیل حق کا جنوری 2018 میں اجرا کیا۔

2015۔جنرل سیکرٹری TICOSA UK مشاعرے اور دورہ جات کروائے۔

2017۔جنرل سیکرٹری TICOSA UK۔دو کتب کی اشاعت۔قندیل حق 500 صفحات۔قندیل علم۔506 صفحات

2018۔تیسری کتاب کی اشاعت ہوئی۔دانشکدہ عظیم 600 صفحات۔ایک دینی میگزین، قندیل حق سہ ماہی شروع کیا گیا۔

2020۔چوتھی کتاب کی اشاعت۔۔سپوت ایشیا۔630 صفحات 2022۔پانچویں کتاب۔تاریخ کا ٹھگڑھ 500۔صفحات

2023۔چھٹی کتاب بہادر شیر مرحوم۔صفحات 100۔ساتویں کتاب نافلہ مہدی ایم ایم احمد صاحب۔قندیل ادب انٹرنیشنل کے دس سال مکمل۔

آٹھویں کتاب مجموعہ کلام (قندیل صحرائی) کے نام سے شائع ہونے کو تیار ہے۔

اس عرصہ میں رانا عبدالرزاق خاں نے تین صد سے زائد مشاعرے کروائے۔جس میں ہزاروں شعراء نے شمولت کی۔زوم پر بھی مشاعرے کروائے گئے۔

2023 نویں کتاب... موسیقارِ دربارِ خلافت ثاقب زیروی کی سوانح تحریر کی۔دسویں کتاب قائداعظم کا دستِ راست۔۔چوہدری سر ظفراللہ خاں کے متعلق بھی تیار کر رہے ہیں جو کہ آخری مراحل میں ہے۔۔۔نیز قندیلِ حق کے 24 رسالے نکال چکے ہیں۔

Written by:

Rana Abdul Razzaq Khan, London